50 تقاریر

بابت

اخلاقیات

(جلد سوم)

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

28

ابوسعید حنیف احمد محمود

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

(ال عمران:103)

ش

50 تقاریر

بابت

اخلاقیات

(جلد سوم)

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

28

ابو سعید حنیف احمد محمود

رابطہ کرنے کے لیے

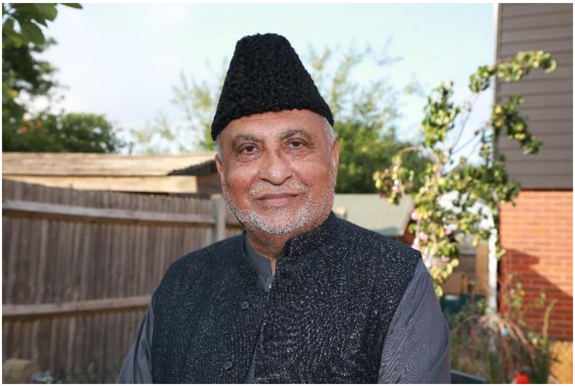

ای میل ایڈریس: hanifahmadmahmood@hotmail.com

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

اخلاقیات-ایک کھلی کتاب

خُلق جس کی جمع اَخلاق ہے جس کے معنی عمدہ و پسندیدہ عادات، اچھے خصائل اور اسلامی خوبیوں کے ہیں۔ وہ علم اور طریق جن کے ذریعے تعلیم و تربیت و اصلاحِ نفس و معاشرہ کے دستور اپنائے جاتے ہیں اُسے علم الاَخلاق یا اخلاقیات کہا جاتا ہے۔ یہ علم یا اخلاقیات کے شعبہ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ انسان، سوسائٹی، معاشرہ اور خاندان و فیملی پر برابری کی سطح پر لاگو ہوتا ہے اور غور کریں تو یہ علم جانور جو شعور نہیں رکھتے بھی اپنے اوپر لاگو کرتے ہیں۔ ہم متعدد مرتبہ ٹی وی پر بالخصوص نیشنل جغرافک ٹی وی پر دیکھتے ہیں کہ پالتو جانور خطرے سے اپنے مالک کو آگاہ کر کے محفوظ مقام پر لے جاتا ہے اور بسا اوقات اپنے مالک کو ڈوبنے سے بھی بچا لیتا ہے۔ مَیں نے بے شمار دفعہ بلی کو چھوٹے جانوروں کو پانی سے نکالتے اور انہیں محفوظ کرتے دیکھا ہے۔

جہاں تک انسان سے متعلقہ سوسائٹی یا معاشرے یا کلبز، ٹیمز اور محلہ میں بسنے والے لوگوں کا تعلق ہے تو جب وہ ابتدائی حالت میں ابھی نمودار ہو رہی ہوتی ہے تو اس کے قواعد و قوانین بنائے جاتے ہیں۔ انسان کو باخدا انسان بنانے کے جو اصول و ضوابط قرآن و احادیث اور موجودہ زمانے کے امام اور خلفائے کرام نے وضع کیے ہیں وہ اخلاقیات ہی کہلاتے ہیں۔ بے شعور جانور اور باشعور انسان میں جو تمیز اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اُسے قرآن میں "اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡم" کے الفاظ میں یاد کیا گیا اور ہم جانور اور انسان کی اس تمیز کو "اشرفُ المخلوقات" کے لفظ سے نمایاں کرتے ہیں۔ اخلاقیات کی عمارت کی تعمیر کا یہ سفر انسان کی پیدائش سے شروع ہو کر تادمِ مرگ جاری رہتا ہے اور اِس دورانیے میں اخلاقیات کی تعمیر میں خاندان اور فیملی میں بڑے چھوٹے سبھی لوگ ہاتھ ڈال رہے ہوتے ہیں بالخصوص والدین، بہن بھائی اور مشترکہ خاندانی نظام میں بسنے والے تمام بڑے حصے دار ہوتے ہیں۔ جماعت احمدیہ میں بچہ جب گھر کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو جماعت احمدیہ کی ذیلی تنظیمیں اُس کی تربیت اور اخلاق کو سنوارنے کی ذمہ داری لے لیتی ہیں۔ پھر یہ اخلاقیات اساتذہ اور امام الصلوۃ کے ذریعہ بھی سدھرتے ہیں۔ جماعت احمدیہ میں خلافت کا ایسا مبارک نظام موجود ہے جس کے پلیٹ فارم سے خطبات، خطابات اور تقاریر و ملاقاتوں کے ذریعے نیکی کی

باتیں بچوں کے کانوں میں رس گھولتی اور اُن کی سمت درست کرتی ہیں۔ اُدھر بچہ جب بڑا ہو رہا ہوتا ہے وہ خود بھی اِن اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآن واحادیث، خطباتِ خلفاء کے علاوہ دیگر مصنفین کی اخلاقیات پر مشتمل کتب پڑھتا۔ اُن کے رنگ میں رنگین ہوتا اور ان اخلاق پر مشتمل حسین تعلیم کو اپنانے کی کوشش کرکے جماعت احمدیہ کی انگشتری میں چمکدار اور روشن نگینے کے طور پر اپنے آپ کو سمونے کی کوشش کرتا ہے۔ اخلاقیات کی لائبریری میں جماعت احمدیہ کے شیلف پر آپ کو بہتر انسان بننے کے لیے "مشاہدات" کی آن لائن مطبوعات میں اخلاقیات پر مشتمل کتب بھی نظر آئیں گی۔ یہ پیش لفظ اِس کی تیسری کتاب کی ایک کڑی ہے جس میں اخلاقیات کے حسین گلدستہ میں سے 50 موضوعات پر تقاریر موجود ہیں۔ اس سے قبل اخلاقیات پر ہی 50-50 موضوعات پر دو مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں جبکہ جلد چہارم ترتیب و تکمیل کے مراحل میں ہے۔وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ

مَیں نے اس پیش لفظ کو ایک کھلی کتاب کا عنوان اس لیے دیا ہے کہ ہر انسان کے اخلاق اُس کی کھلی کتاب ہے جس سے ارد گرد ماحول میں بسنے والے دیگر لوگ استفادہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اُس کی اِس کھلی کتاب کو یوم الحساب پر اُس کی گردن میں لٹکایا جائے گا اور اُس کے مطابق اُسے حساب دینا ہو گا۔ اس لیے ہم بچوں کو Be build up اور Be up grade کے الفاظ بول کر سمجھاتے رہتے ہیں اور کس نے کیا خوب کہا ہے۔

Education is not only education but formation

مَیں یہاں اپنے انگلش سپیکنگ بھائی بہنوں کے لئے اخلاق کے انگریزی معانی بھی کر دینا چاہتا ہوں Manners, Qualities, Ethics, Morals اور Code of Morality یعنی اخلاقیات۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ (صحیح مسلم)

اے میرے اللہ! میری بہترین اخلاق کی طرف راہنمائی فرما، صرف تو ہی بہترین اخلاق کی طرف ہدایت دینے والا ہے، اور بُرے اخلاق مجھ سے دور کر دے، صرف تو ہی بُرے اخلاق کو مجھ سے دور کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں با اخلاق انسان بنائے۔ آمین

اس کتاب میں موجود تقاریر کی تیاری میں عزیزم منہاس محمود۔ جرمنی، عزیزم زاہد محمود، مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی، مکرم حافظ عبد الحمید، عزیزم عامر محمود ملک۔ برطانیہ، عزیزم سعید الدین احمد۔ برطانیہ، عزیزم فضل عمر شاہد۔ لٹویا، مکرم عمیر احمد باجوہ، مسز امۃ الباری ناصر۔ امریکہ، مسز عطیۃُ العلیم۔ ہالینڈ، مسز فائقہ بشریٰ، مسز صدف علیم صدیقی۔ کینیڈا، مکرمہ نمودِ سحر۔ برطانیہ اور ان کے علاوہ جن احباب کے مضامین سے تقاریر کی تیاری کے دوران استفادہ کیا گیا شکریہ کے مستحق ہیں۔ جزاکم اللہ خیراً

قارئین کرام جب ان تقاریر کو پڑھیں تو مجھ سمیت اس کار خیر میں حصہ ڈالنے والے سب لوگوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جن میں روزانہ کی بنیاد پر انہیں سرکولیٹ کرنے والے دوست احباب بھی شامل ہیں۔ کان اللہ معھم

”مشاہدات“ کی 28ویں کاوش آپ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

خاکسار

ابو سعید حنیف احمد محمود

مربّی سلسلہ حال برطانیہ

(شاہد۔ عربی فاضل)

(سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ و الفضل آن لائن لندن و نائب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ)

5/ نومبر 2025ء

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

ای میل: hanifahmadmahmood@hotmail.com

تقاریر کے حوالے سے چند باتیں

1. خاکسار نے جو تقاریر تیار کیں وہ سات سے آٹھ منٹ دورانیہ کی ہیں اس میں نیت یہ تھی کہ جماعتی و ذیلی تنظیموں کے تربیتی و تبلیغی اجلاسات میں پڑھی جاسکیں۔

2. جہاں تک مقابلہ جات کی تقاریر کا تعلق ہے ان میں ان تقاریر کو ذرا مختصر کر کے حسب پروگرام کی جاسکتی ہیں کیونکہ چھوٹی تحریر کو بڑا کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے جبکہ بڑی یا لمبی تحریر بآسانی مختصر کی جاسکتی ہے۔

3. بعض دوست جب کسی عنوان کے تحت تقریر کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کو وہ تقریر عنوان کی قدرے تبدیلی سے جب بھجوائی جاتی ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ وہ عنوان تو نہیں ہے جبکہ عنوان تبدیل کر کے اگر وہی تقریر کر دی جائے تو وہ عین درست ہوتا ہے جیسے آنحضورؐ کا عفو کا مقام اور آنحضورؐ اور غصہ نہ کرنے کی تعلیم۔

4. تقریر کرتے وقت صاحب صدر یا سامعین کو مخاطب کرتے موقع و محل کو مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ صاحب تحریر کے مدنظر بھائی اور بہنیں دونوں ہوتی ہیں۔ اس طرح مخاطب ضمیر بھی بدل جائے گی۔

5. اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تقریر خود تیار کرنے کی کوشش کیا کریں۔ اس سے کتب بینی کا بھی موقع میسر آتا ہے۔ مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ کی بھی توفیق ملتی ہے۔ عنوان کو ذہن میں رکھ کر درود شریف اور دعائے قرآنیہ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ بار بار پڑھیں۔ اپنے خدا سے مدد مانگیں اور اگر ممکن ہو تو صدقہ بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ مضمون سلجھا دے گا اور تقریر لکھنے میں الٰہی مدد و نصرت بھی ملے گی۔

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

1۔ جماعت احمدیہ و ذیلی تنظیموں کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں

2۔ تقاریر سیرت و شمائل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

3۔ 100 تقاریر برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ بر موقع صد سالہ جوبلی

4۔ 52 علامات 52 تقاریر بابت پیشگوئی مصلح موعود

5۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ (جلد اول)

6۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک 2024ء (حصہ اول)

7۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت (حصہ اول)

8۔ 25 تقاریر بابت انفاق فی سبیل اللہ

9۔ 65 تقاریر برائے انصار اللہ

10۔ 20 تقاریر بابت محرم الحرام

11۔ 25 تقاریر بابت اہل بیت رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ

12۔ 50 تقاریر بابت سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ (حصہ دوم)

13۔ 70 تقاریر برائے خدام الاحمدیہ

14۔ 50 تقاریر بابت قرآن کریم (حصہ اول)

15۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (حصہ اول)

16۔ 60 تقاریر بابت افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ (حصہ اول)

17۔ 40 تقاریر بابت افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ (حصہ دوم)

18۔ 20 تقاریر بابت فلسفہ دُعا اور اس کی حقیقت

19۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک 2025ء (حصہ دوم)

20۔ 30 تقاریر بابت رمضان المبارک 2025ء (جلد اول)

21۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ 2025ء (جلد دوم)

22۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت 2025ء (حصہ دوم)

23۔ 10 تقاریر بعنوان صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

24۔ 20 تقاریر بعنوان صحبتِ صالحین

25۔ 50 تقاریر بابت سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ (حصہ سوم)

26۔ 30 تقاریر بابت قولِ سدید و قولِ زور

27۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد دوم)

28۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد سوم)

❁❁❁❁

زیرِ ترتیب کتب

1۔ 50 تقاریر برائے نَو نہالانِ جماعت

2۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست (مشاہدات کی مالا کے 1000 موتی)

3۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد چہارم)

4۔ 50 تقاریر بابت توحید و وجود باری تعالیٰ

❁❁❁❁

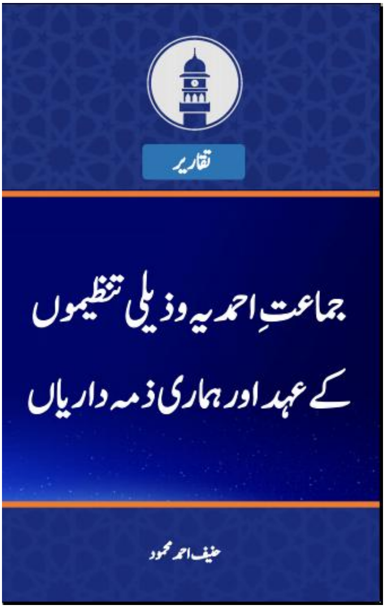
تقاریر
جماعتِ احمدیہ و ذیلی تنظیموں
کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں
حنیف احمد محمود

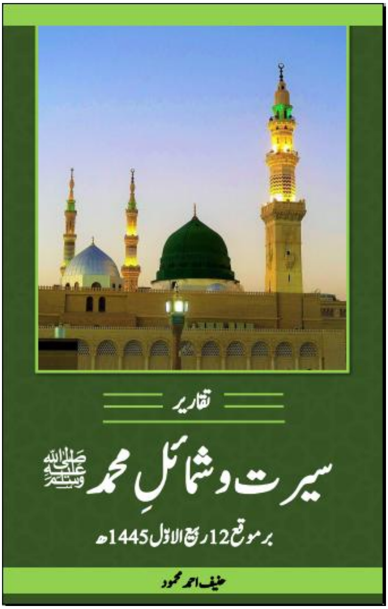
تقاریر
سیرت و شمائلِ محمد ﷺ
بر موقع 12 ربیع الاوّل 1445ھ
حنیف احمد محمود

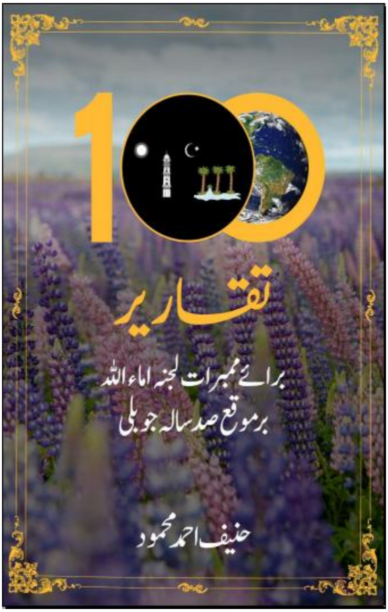
100
تقاریر
برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ
بر موقع صد سالہ جوبلی
حنیف احمد محمود

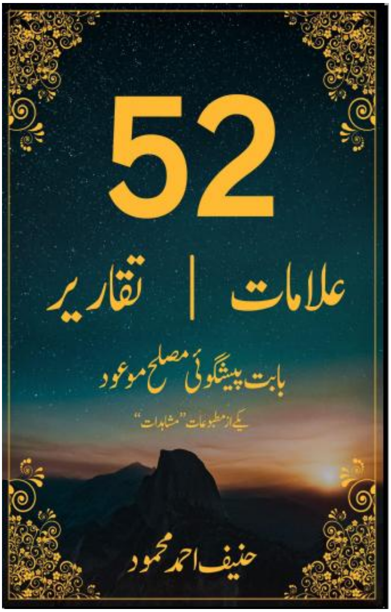
52
علامات | تقاریر
بابت پیشگوئی مصلح موعود
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
حنیف احمد محمود

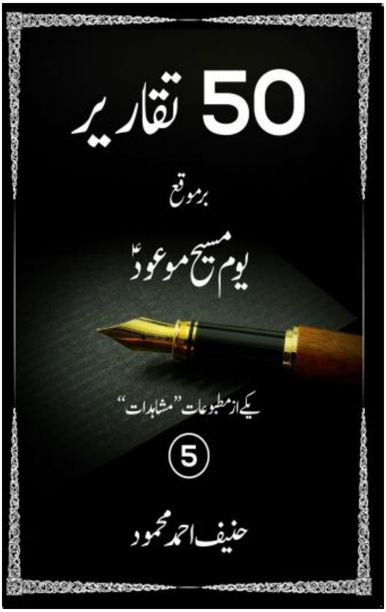
50 تقاریر
برموقع
یوم مسیح موعودؑ
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
5
حنیف احمد محمود

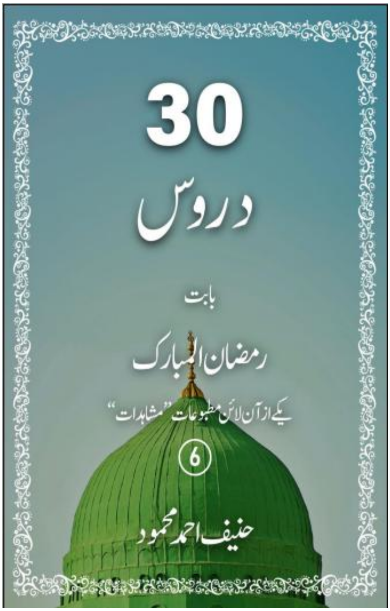
30
دروس
بابت
رمضان المبارک
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
6
حنیف احمد محمود

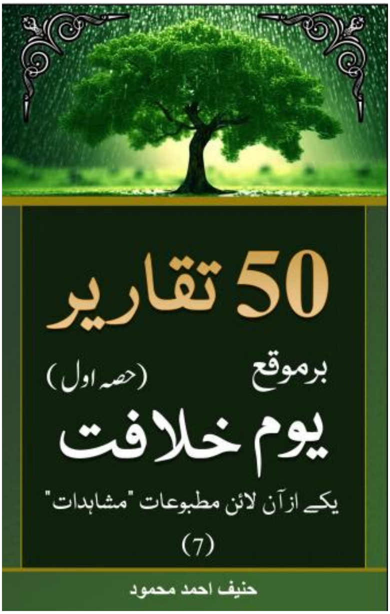
50 تقاریر
برموقع
(حصہ اول)
یوم خلافت
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
(7)
حنیف احمد محمود

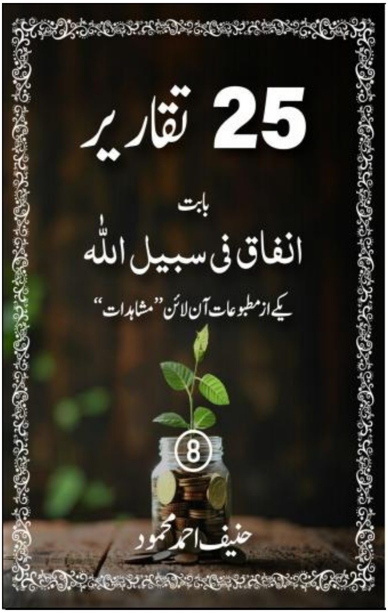
25 تقاریر
بابت
انفاق فی سبیل اللہ
یکے از مطبوعات آن لائن "مشاہدات"
8
حنیف احمد محمود

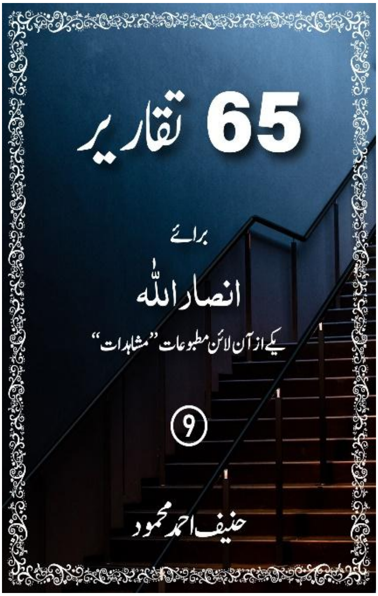
65 تقاریر
برائے
انصار اللہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
9
حنیف احمد محمود

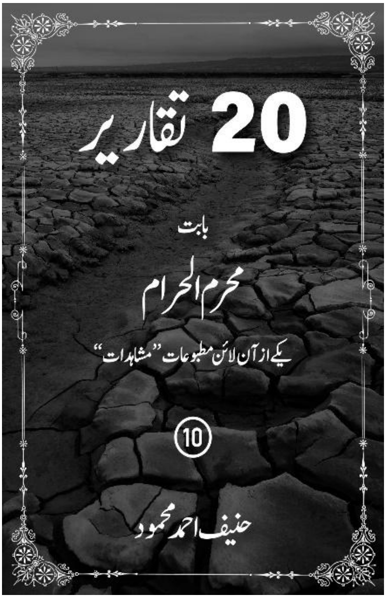
20 تقاریر
بابت
محرم الحرام
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
10
حنیف احمد محمود

25 تقاریر
بابت
اہلِ بیتِ رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
11
حنیف احمد محمود

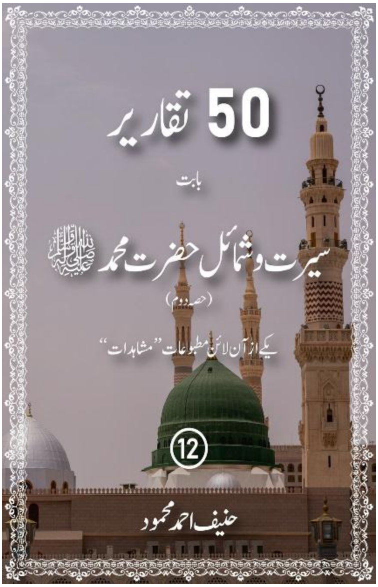
50 تقاریر
بابت
سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ
(حصہ دوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
12
حنیف احمد محمود

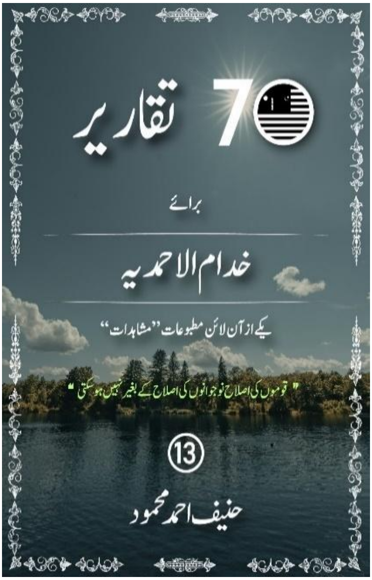
70 تقاریر
برائے
خدام الاحمدیہ
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
''قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی''
13
حنیف احمد محمود

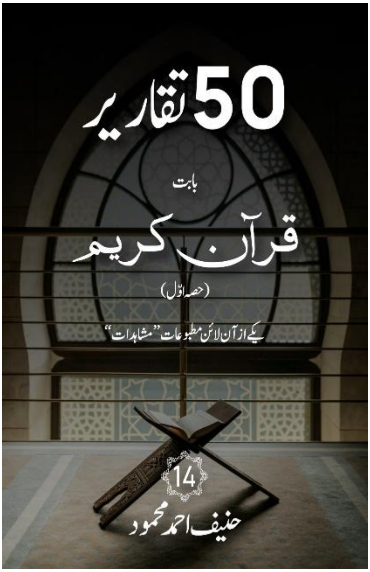
50 تقاریر
بابت
قرآن کریم
(حصہ اوّل)
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
14
حنیف احمد محمود

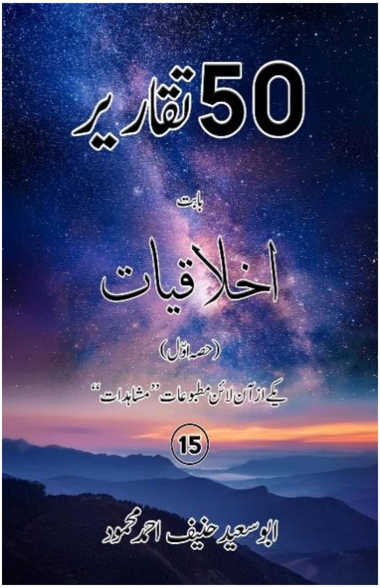
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(حصہ اوّل)
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
15
ابوسعید حنیف احمد محمود

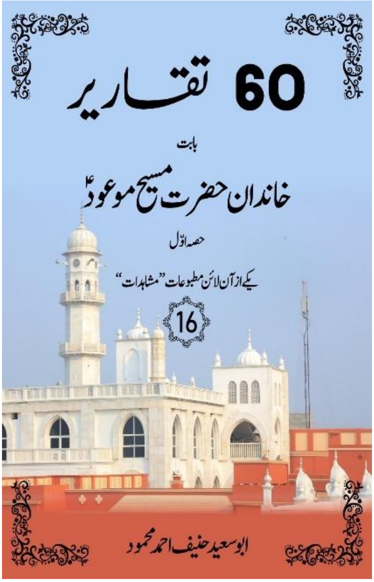
60 تقاریر
بابت
خاندان حضرت مسیح موعودؑ
حصہ اوّل
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
16
ابوسعید حنیف احمد محمود

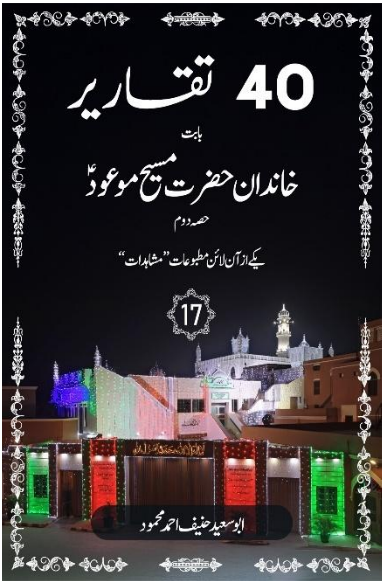
40 تقاریر
بابت
خاندان حضرت مسیح موعودؑ
حصہ دوم
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
17
ابوسعید حنیف احمد محمود

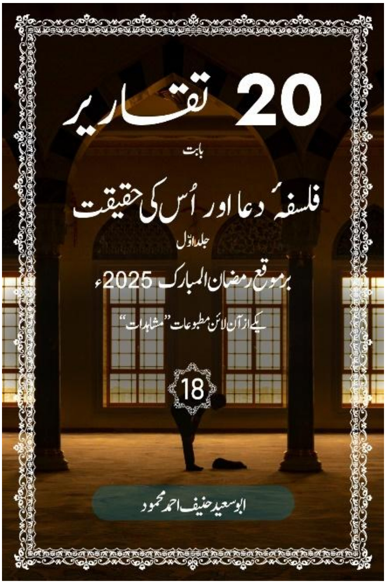
20 تقاریر
بابت
فلسفۂ دعا اور اُس کی حقیقت
جلد اوّل
بر موقع رمضان المبارک 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
18
ابوسعید حنیف احمد محمود

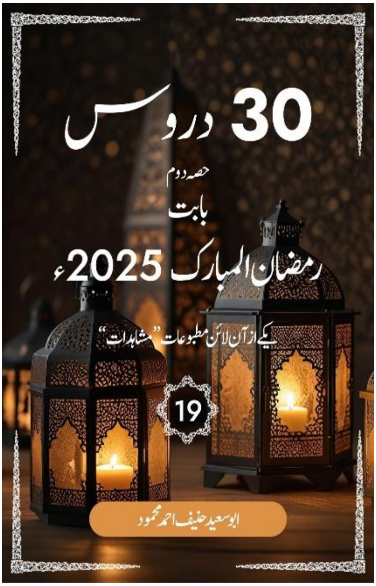
30 دروس
حصہ دوم
بابت
رمضان المبارک 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
19
ابوسعید حنیف احمد محمود

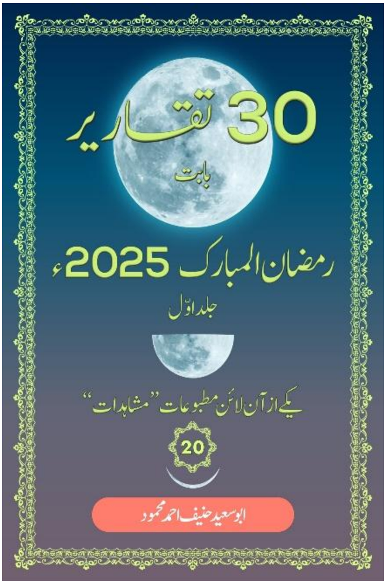
30 تقاریر
بابت
رمضان المبارک 2025ء
جلد اوّل
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
20
ابوسعید حنیف احمد محمود

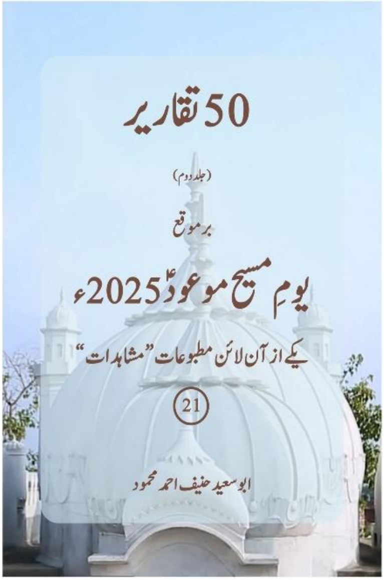
50 تقاریر
(جلد دوم)
بر موقع
یومِ مسیح موعودؑ 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
21
ابو سعید حنیف احمد محمود

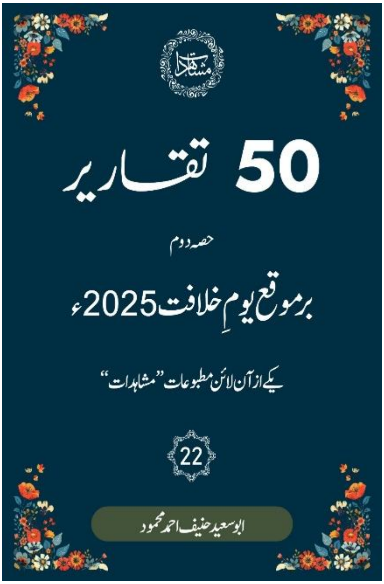
50 تقاریر
حصہ دوم
بر موقع یومِ خلافت 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
22
ابو سعید حنیف احمد محمود

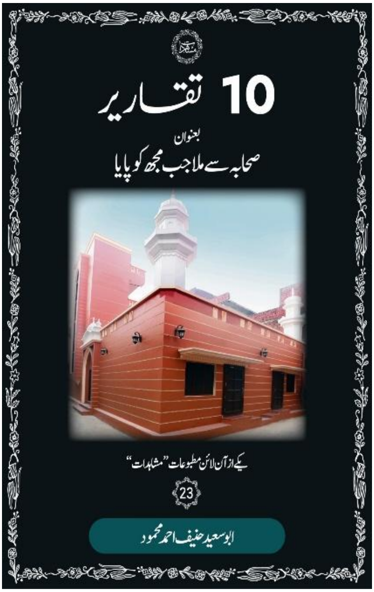
10 تقاریر
بعنوان
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
23
ابو سعید حنیف احمد محمود

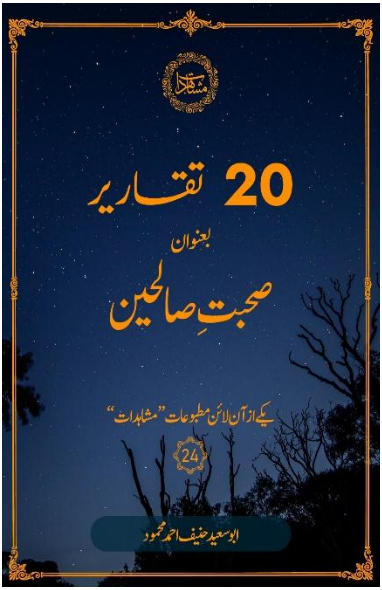
20 تقاریر
بعنوان
صحبتِ صالحین
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
24
ابو سعید حنیف احمد محمود

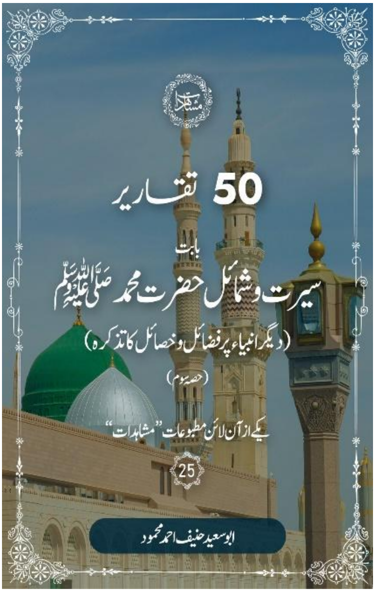
50 تقاریر
بابت
سیرت وشمائل حضرت محمد ﷺ
(دیگر انبیاء پر فضائل وخصائل کا تذکرہ)
(حصہ سوم)
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
25
ابوسعید حنیف احمد محمود

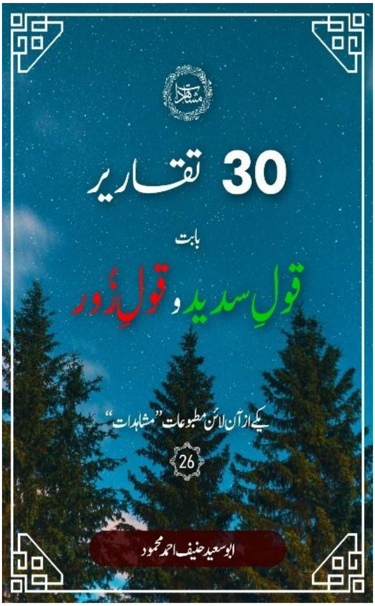
30 تقاریر
بابت
قولِ سدید و قولِ زُور
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
26
ابوسعید حنیف احمد محمود

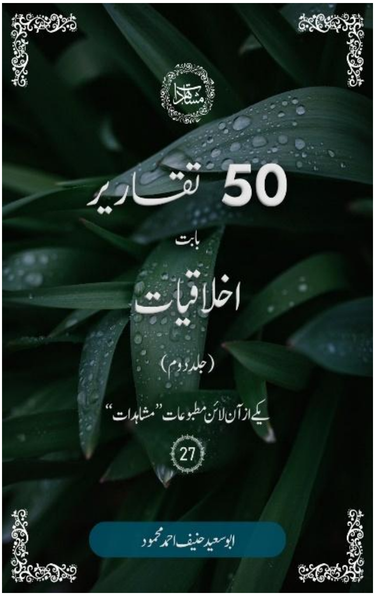
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد دوم)
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
27
ابوسعید حنیف احمد محمود

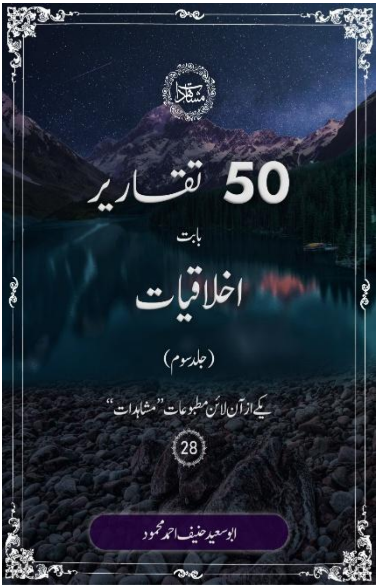
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد سوم)
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
28
ابوسعید حنیف احمد محمود

50 تقاریر

برائے

نَونہالانِ جماعت

(زیر ترتیب)

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

29

ابو سعید حنیف احمد محمود

ایں سعادت بزور بازو نیست

(مشاہدات کی مالا کے 1000 موتی)

(زیر ترتیب)

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

30

ابو سعید حنیف احمد محمود

50 تقاریر

بابت

اخلاقیات

(جلد چہارم)

(زیر ترتیب)

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

31

ابو سعید حنیف احمد محمود

50 تقاریر

بابت

توحید و وجود باری تعالیٰ

(زیر ترتیب)

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

32

ابو سعید حنیف احمد محمود

محفوظ قلعے میں داخل ہونے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 23 اگست 2024ء میں یہ تحریک فرمائی کہ بڑی عمر کے افراد **200 مرتبہ**، 15 سے 25 سال کے افراد **100 مرتبہ** یہ دعائیں پڑھیں اور چھوٹے بچوں سے والدین **3، 4 دفعہ** دہرائیں

Hazrat Khalifatul Masih V (may Allah be his helper) instructed in his Friday Sermon on August 23rd, 2024, that adults should recite these prayers **200 times**, individuals aged 15 to 25 should recite them **100 times**, and parents should repeat these prayers with young children **three or four times**:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ۔ پاک ہے اللہ جو بہت عظیم ہے۔ اے اللہ رحمتیں بھیج، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر۔

Holy is Allah, worthy of all praise and greatness. O Allah, bestow Your blessings upon Muhammad and the people of Muhammad.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

100 times daily | 100 دفعہ ورد کریں

میں اللہ اپنے رب سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

I seek forgiveness from Allah, my Lord, for all my sins and turn to Him.

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ

100 times daily | 100 دفعہ ورد کریں

اے میرے رب! ہر ایک چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے رب! پس مجھے محفوظ رکھ اور میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما۔

My Lord, everything is subservient to You! Protect me, help me, and have mercy on me.

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

انڈیکس

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	715	اللہ ہمارا بہترین دوست ہے	1
2	573	خدا ایک پیارا خزانہ ہے	6
3	304	ہم اللہ تعالیٰ سے تعلق کیسے مضبوط کرسکتے ہیں؟	14
4	791	سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ کا نادرونایاب نسخہ	19
5	546	احکامِ الٰہی کی حفاظت کروتا اللہ کو اپنے سامنے پاؤ (الحدیث)	25
6	552	فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا	31
7	558	توکل علی اللہ	38
8	870	اَلۡیَقِیۡنُ قُوَّتِیۡ (حضرت محمدؐ) یقین میری قوت ہے	47
9	926	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پس (اے جنّ وانس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے	57
10	790	"زکریا والی توبہ کرو"	67
11	846	وَالصَّالِحُوۡنَ اِخۡوَانِیۡ (مسیح موعودؑ) صالحین میرے بھائی ہیں	76
12	850	سادھ سنگت (چند مثالوں کی روشنی میں)	88
13	851	صحبتِ صالحین کے ذرائع	99
14	852	صحبتِ صالحین کی اہمیت (خلفاء کے اِرشادات کی روشنی میں)	108
15	32	(انسانی) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے	121
16	31	تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنا ضروری ہے	126
17	170	ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے (تقریر نمبر 1)	131

18	658	ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے (تقریر نمبر2)	139
19	100	جھوٹ سے اجتناب	147
20	947	قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا (تقریر نمبر1)	156
21	948	قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا (خلاصہ خطبہ جمعہ حضورِ انور ایدہ اللہ فرمودہ 21/جون 2013ء) (تقریر نمبر2)	163
22	340	رمضان اور جھوٹ سے اجتناب	175
23	871	اَلصِّدۡقُ شَفِیۡعَتِیۡ (حضرت محمدؐ) صدق میرا شفیع ہے	181
24	938	معاشرتی اور اخلاقی زوال کے اسباب	190
25	633	رحمان خدا اور اُس کے بندے	202
26	963	اسلامی مطمحِ نظر	212
27	637	فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرَات	220
28	636	ذاتی اصلاح کے بغیر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں	227
29	634	مدرسہ میرا، میری ذات میں ہے	235
30	309	تبلیغ حق۔ اصلاح نفس کا ذریعہ	242
31	601	سامانِ زیست	248
32	33	شادی ایک مدرسہ ہے	255
33	183	شادی بیاہ کے موقع پر پردے کا معیار	263
34	321	عائلی زندگی اور حضرت مسیح موعودؑ کا بہترین اُسوہ	271
35	752	رمضان اور حسنِ معاشرت	280
36	644	غَضِّ بَصَر	287

37	64	ریاکاری، عجب پسندی اور دکھاوا ایک گناہ ہے	296
38	65	رشتہ داریوں کا تقدس واحترام	304
39	77	نوجوانوں کو کلائیوں پر دھاگے کے بینڈ، بالی اور لاکٹ پہننے کی ممانعت	312
40	184	حجاب اترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا	323
41	207	نشہ آور اشیاء کی ممانعت اور اِس کے مُضِرّات	331
42	208	ذاتیں وجہ شرافت نہیں	348
43	234	شخصیت پرستی اور اس کے مضر اثرات	358
44	322	ایک احمدی مسلم بچے کی ذمہ داریاں	368
45	539	احمدی بچوں کا مقام اور ان کے فرائض	372
46	163	استغفار نہ کرنے والا بے ادب دہریہ ہے	377
47	761	والدین کے تقویٰ کے اولاد پر اثرات	387
48	645	خیالات کی ہجرت	397
49	710	رمضان اور روحانی ہجرت	408
50	716	رمضان اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کی دوڑ	413

50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد دوم)

انڈیکس

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	616	اسلام کی اخلاقی تعلیمات	1
2	575	اَمر بِالْمَعْرُوْف نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر	8
3	905	اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (حضرت محمدؐ) مجھے اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے (تقریر نمبر 1)	15
4	906	اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (حضرت محمدؐ) مجھے اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے (ارشادات حضرت مسیح موعودؑ کی روشنی میں) (تقریر نمبر 2)	27
5	844	حضور اکرمؐ کے ارفع و اعلیٰ اخلاق کی روشنی میں بنیادی اخلاق کی تعلیم (خلاصہ خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ)	40
6	124	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ	53
7	141	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غصہ نہ کرنے کی تعلیم	61
8	202	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سسرالی رشتہ داروں سے حسن سلوک	71
9	579	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مربی اعظم (تقریر نمبر 1)	83
10	580	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مربی اعظم (تقریر نمبر 2)	92
11	855	ارشادات حضرت مسیح موعودؑ کی رُو سے اخلاقی بُرائیوں سے بچنے کی نصائح	99
12	762	کشتی نوح میں درج نصائح کو روزانہ ایک بار پڑھ لیا کرو (تقریر نمبر 1)	111

13	763	کشتی نوح میں درج نصائح کو روزانہ ایک بار پڑھ لیا کرو (تقریر نمبر 2)	121
14	631	"تیری عاجزانہ راہیں اُس کو پسند آئیں"	132
15	204	بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں (تقریر نمبر 1)	141
16	960	بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں (تقریر نمبر 2)	152
17	961	بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں (تقریر نمبر 3)	160
18	789	وہی اُس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں	169
19	868	وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ (حضرت محمدؐ) عاجزی میرا فخر ہے	176
20	700	دنیا میں رہنے کے لئے رُوح وصحت افزاء مقام "اپنی اَوقات"	188
21	723	رمضان اور مَنْ کا مَنکا صاف کر	195
22	732	رمضان اور "الغرور" سے اجتناب	202
23	755	اعتدال پسندی	210
24	703	صبر بھی ایک عبادت ہے (صبر اور عبادت، رمضان کی دو خوبصورتیاں ہیں)	226
25	362	رمضان۔ صبر، تحمل وبرداشت کا درس دیتا ہے	236
26	643	صبر واستقامت اور اِس کی اہمیت وبرکات	242
27	757	برداشت اور صبر و حوصلہ کی اقسام	253
28	63	صبر و تحمل اور وسعتِ حوصلہ	261
29	866	اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ (حضرت محمدؐ) صبر میری چادر ہے	269
30	600	بد ظنی کھا گئی ہے سبھی رشتوں کو	278
31	618	بد ظنی سے بچو	285
32	919	بہتان طرازی اور الزام تراشی۔ ایک گناہِ کبیرہ	292
33	659	سادگی، قناعت اور زُہد	301

34	869	اَللّٰھُمُّ حِرْفَتِیْ (حضرت محمدؐ) زُہد میرا پیشہ ہے	311
35	653	پردہ پوشی۔ چشم پوشی	320
36	917	محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں (پس منظر اور ضرورت)	330
37	587	ہمسائے کے حقوق	340
38	603	دوسروں کی تکلیف کا احساس	347
39	358	رمضان اور حقوق العباد	355
40	697	چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا ادب	361
41	947	"انسان ہونا، ہمارا انتخاب نہیں، قدرت کی عطا ہے"	369
42	949	احترامِ انسانیت، خدمتِ انسانیت اور شرفِ انسانیت (ازروئے قرآنِ کریم)	376
43	946	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں احترامِ انسانیت، شرفِ انسانیت اور خدمتِ انسانیت	388
44	638	خدمتِ خلق انسان دوستی کا دوسرا نام ہے	396
45	218	ہمارا امتیازی نشان، خدمت خلق (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں)	408
46	359	رمضان اور تقویٰ لازم ملزوم ہیں	421
47	916	انسان کی انسانیت کا تقاضا- اپنے بھائی سے مُروّت، احسان کا سلوک کرے	427
48	660	ایثار کے نمونے	437
49	602	وَرتاوا	444
50	980	ہمسایوں سے حسن سلوک	454

50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد اول)

انڈیکس

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	489	چھوٹی چیزیں، بڑے نتائج (قرآن کریم کے اعتبار سے)	01
2	490	چھوٹی چیزیں، بڑے نتائج (احادیث کی روشنی میں)	11
3	491	چھوٹی چیزیں، بڑے نتائج (حضرت مسیح موعودؑ کے کلمات کی روشنی میں)	18
4	492	چھوٹی چیزیں بڑے نتائج (کتابچہ "کرناکر" کے اعتبار سے)	28
5	431	امثال الحدیث (تقریر نمبر 1)	35
6	432	امثال الاحادیث (تقریر نمبر 2)	44
7	499	اسلامی تہذیب و تمدّن	54
8	506	اسلامی تہذیب و تمدن (غیروں کے حقوق کے حوالہ سے)	61
9	535	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق	69
10	306	اُسوہ رسولؐ، ہمارے لئے بہترین نمونہ	77
11	254	حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو قیمتی وزریں نصائح	85
12	438	اصلاحِ نفس	98
13	293	ذاتی اصلاح کا ذریعہ خشیتِ الٰہی	109
14	291	ذاتی اصلاح کے بغیر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں	115
15	290	ذاتی اصلاح کے لئے عملی کوششیں	121
16	297	ذاتی اصلاح کی اہمیت اور طریقے	132

17	380	اپنے نفس کا مطالعہ کرتے رہو	136
18	172	استادِ محترم کو میرا سلام کہنا	147
19	548	آئیں! ہم اپنے آپ کو قرآن میں تلاش کریں	155
20	299	عِبادِ صالحین کی صفات	163
21	302	عباد صالحین کیسے بنا جائے	171
22	248	صحبتِ صالحین (ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روشنی میں)	178
23	160	صحبت صالح ترا صالح کند	190
24	296	اچھے دوست بنانے کی اہمیت	205
25	292	مَیں اچھے اخلاق کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کیسے کر سکتی ہوں	211
26	295	اچھی بات کہو یا خاموش رہو	215
27	74	پانچ بنیادی اخلاق	219
28	459	ایک احمدی خادم کے اوصاف۔ پانچ بنیادی اخلاق	230
29	116	قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی	247
30	65	رشتہ داریوں کا تقدس و احترام	257
31	34	والدین سے حسن سلوک	365
32	28	اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ	273
33	01	شاگردنے جو پایا استاد کی دولت ہے	281
34	135	استاد کا ادب و احترام اور بلند مرتبہ	285
35	91	خود احتسابی، ترقی کا ایک زینہ ہے	291
36	95	احسان کی مختلف اقسام و مدارج	300
37	143	فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ	308
38	204	بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں	317

39	213	تکبر بہت خطرناک بیماری ہے اور مسکینی تقویٰ کی ایک شاخ ہے	328
40	214	جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا	342
41	157	افواہ سازی ایک بڑی خیانت ہے	362
42	05	محتاج ہے کچھ تھوڑے سے اسے دے دو	373
43	419	لَیۡسَ الۡخَبَرُ کَالۡمُعَایَنَۃِ	379
44	421	حیوانوں کی دنیا اور ان کے متعلق اسلامی تعلیم (احادیث کی روشنی میں)	389
45	559	باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب	399
46	11	اَلۡحَیَاءُ مِنَ الۡاِیۡمَانِ	405
47	98	راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا	411
48	167	"میں اپنے پیاروں کی نسبت" "تو ایک ہو ساری دنیا میں"	418
49	188	ہیلووین کا تہوار اور جماعت احمدیہ کی تعلیم	427
50	588	رزقِ حلال اور اِس کا انسانی اخلاق پر اثر	440

ضروری نوٹ

ہر مقرر یعنی تقریر کرنے والا تقریر کا آغاز درج ذیل تشہد سے کرے۔

تشہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ / خطاب کے آغاز میں تشہد بھی پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس خطبہ / خطاب میں تشہد نہ ہو وہ یَدِ جَذْمَاء یعنی ایک ٹنڈے (کٹے ہوئے) ہاتھ کی مانند ہے۔

(جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح، باب اعلان النکاح، حدیث نمبر 3015)

﴿1﴾　　﴿مشاہدات۔715﴾

اللہ ہمارا بہترین دوست ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء:70)

اور جو بھی اللہ کی اور اِس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

مِری رات دِن بس یہی اِک صَدا ہے
کہِ اس عَالَمِ کَون کا اِک خدا ہے
اُسی نے ہے پیدا کیا اِس جہاں کو
ستاروں کو سورج کو اور آسماں کو
ہر اک چیز پر اُس کو قدرت ہے حاصل
ہر اک کام کی اُس کو طاقت ہے حاصل
وہ ہے ایک اُس کا نہیں کوئی ہمسر
وہ مالک ہے سب کا وہ حاکم ہے سب پر

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (البقرہ:452)

کہ اللہ وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ زندہ اور قیوم ہے۔

پیارے بچو! مَیں آج آپ بچوں سے آسان پیرایہ میں اپنے بہترین دوست کے حوالے سے گفتگو کرنے جارہا ہوں جو ہم سب کا اللہ ہے جسے ہم پیار سے اللہ میاں بھی کہتے ہیں۔ ہم بچے بھی اور بڑے بھی اپنی اپنی زندگی میں اپنے دوست بناتے ہیں۔ جو زندگی میں ہمارے ہمراز اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنے بڑوں سے سُن رکھا ہے کہ دوست دیکھ کر بناؤ جو تمہارے ساتھ مُخلِص اور وفادار ہو اور مشکل وقت میں تمہارے کام آئے۔ اِن معنوں میں ہمارا سب سے بہترین، مخلص اور وفادار دوست ہمارا خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے جس کے متعلق رفیق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معانی ساتھی، مددگار کے ہیں جیسے میاں بیوی کے لئے رفیقِ حیات کا لفظ استعمال ہوتا ہے، کتاب کو بھی بہترین ساتھی، دوست، رفیق کہ گیا ہے اور جب یہ لفظ کسی نبی کے ساتھی کے لئے استعمال ہو تو اِس کے معنی صحابی کے ہوں گے یعنی ہم سفر، ہم نشین اور مُرید۔

آج مَیں اِنہی معنوں میں اللہ تعالیٰ سے دوستی یا اللہ تعالیٰ کو دوست بنانے کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ اللہ تعالیٰ رحمن اور رحیم ہے یعنی بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ ہمارے پیارے خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ یعنی ان کا پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اور اس دنیا میں انسان کے فائدہ کے لئے بہت سی چیزیں پیدا کیں اور دنیا میں بسنے والی تمام مخلوق کے رزق کے سامان پیدا فرمائے۔

سبھی کو وہی رزق پہنچا رہا ہے
ہر اِک اپنے مطلب کی شَے کھا رہا ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ سب کچھ دیا جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور ماں باپ سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہے۔

بچو! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپؐ نے ہمیں بھی یہ نصیحت فرمائی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے بہت پیار کریں۔ اللہ تعالیٰ اچھے کاموں سے راضی ہوتا اور بُرے کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم نیک کام کریں اور بُرے کاموں سے بچیں تاکہ ہمارا دوست اللہ ہم سے پیار کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بہترین دوست ہے۔ بہت جلدی مان جاتا ہے، پُرانی باتیں یاد

نہیں کرواتا، ہمیں کبھی بھی مایوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے رسول جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو تُو جواب دے فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کہ مَیں ان کے پاس ہی ہوں۔

اچھا دوست ہمیشہ مشکل وقت میں کام آتا ہے۔ ہمیں جب بھی کوئی مشکل یا پریشانی ہوتی ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری پریشانیاں دور کر دیتا ہے۔ جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو ہمارا رحیم خدا ہمیں شِفاء دیتا ہے۔

میری دعائیں ساری کریو قبول باری
مَیں جاؤں تیرے وَاری کر تُو مدد ہماری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اے سُننے والو سُنو! ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سُنتا تھا۔“

(رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”مَیں تمہیں بڑے زور سے بتلاتا ہوں کہ دنیا میں لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اُس سے بڑھ کر خوبصورت، اُس سے بڑھ کر محبت کرنے والا، اُس سے بڑھ کر پیارا اور کوئی نہیں ہے۔“

(برکات خلافت، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 238)

کیا زندگی کا ذَوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جدا

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اللہ کو دوست بنانے کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

”اگر ایک مومن کا فعل خدا کی رضا کے حصول کے لئے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ شیطان سے بچانے اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالنے کے سامان پیدا فرماتا رہے گا۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دنیاوی دوست اپنے دوست کے لئے کوشش کر کے اس کے فائدے کے سامان کرے اور خدا تعالیٰ جو سب دوستوں سے زیادہ وفا کرنے والا ہے وہ اپنے دوست کو، ایک مومن کو، باوجود اس کے چاہنے کے (کہ خدا تعالیٰ اسے ایمان میں مضبوط رکھے اور شیطان سے اسے بچا کر رکھے، اس کے حملوں سے محفوظ رکھے) یوں اندھیروں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کبھی بھی نہیں ہو گا۔ اگر تم میری طرف بڑھ رہے ہو اور ایمان کی مضبوطی کی کوششیں کر رہے ہو تو میرا قرب حاصل کرنے والے ہو گے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ دوستی کا حق ادا کرتا ہے، اس دنیا میں بھی انعامات سے نوازتا ہے، دنیاوی ضروریات بھی پوری کرتا ہے، روحانی ترقیات سے نوازتا ہے۔ اس دنیا کو بھی جنت بناتا ہے اور مرنے کے بعد بھی ہمیشہ رہنے والی جنت میں مومن کو رکھے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی مومنین کے ساتھ قرآن میں بے شمار وعدے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے اور آج بھی ہم ان کو مختلف شکلوں میں پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، دیکھتے ہیں۔ ہزاروں احمدی اس وعدے کے مطابق اپنی دعاؤں کی قبولیت کے نشان دیکھتے ہیں۔ خلافت کا جاری نظام بھی خدا تعالیٰ کے وعدوں میں سے ایک بہت بڑا وعدہ ہے جو مومنین کے سکون کے لئے اور ان کو تمکنت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

آپ فرماتے ہیں:

”پس حقیقی مومن اور تقویٰ پر قدم مارنے والوں کا مولیٰ اور دوست وہ عظیم جاہ و جلال والا خدا ہے جس کی بادشاہت تمام زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ پس جو ایسے جاہ وجلال اور قدرت رکھنے والے خدا کی آغوش میں ہو کیا اسے مخالفین کا مکر اور ان کی تدبیریں کچھ نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ یقیناً نہیں، کبھی نہیں۔ کیونکہ جو

خدا تعالیٰ پر کامل ایمان لاتا ہے خدا اس کی حفاظت کے سامان پیدا فرماتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی مدد فرماتا ہے“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

آپ مزید فرماتے ہیں:

”یہ ہے مومنوں کا خدا جو کسی لمحہ بھی اپنے مومن بندوں سے غافل نہیں۔ یہ زمین و آسمان کا مالک خدا جس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے، ہر وقت اپنے مومن بندے کی پکار پر ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ پس کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے اس خدا سے تعلق جوڑتے ہیں اور خشوع اور تقویٰ میں بڑھے ہوئے ہیں اور بڑھتے چلے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو خدا اپنے مومن بندے کی حفاظت و نصرت کے لئے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے، اس کو ماننے والے ہیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

رمضان چونکہ اللہ سے ملاپ کا مہینہ ہے اس لئے اسے اپنا بہترین دوست بنا کر اپنی جائز باتیں اور خواہشات منوا لینی چاہیے۔

قابلِ رشک ہے اس خاک کے پتلے کا نصیب
جس کی قسمت میں ہو خاکِ درِ جاناں ہونا

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

۞۞۞۞

﴿2﴾ ﴿مشاہدات۔573﴾

خدا ایک پیارا خزانہ ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ (الملک:2)

کہ بہت برکت والا ہے وہ خدا جس کے قبضہ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر ایک ارادہ کے پورا کرنے پر قادر ہے۔

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

ہمارا پیارا خدا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے جو اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے واحد اور تمام قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا اور وہ سب کچھ دیا جس کی ہمیں ضرورت ہے اور آئندہ رہے گی۔ خدا ایک مخفی خزانہ تھا اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے سو اس نے انسان کو پیدا کیا اور اپنی ذات و صفات کا عرفان اُسے بخشا۔ خدا تعالیٰ کے پیارے انبیاء دنیا میں آکر انسانوں کو اپنے تعلق اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر زندگی کے حقیقی سرچشمہ یعنی زندہ خدا کا پتہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور ماں باپ سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہے۔

مسکین تھے ہم اُس نے کیا کیا نہ نوازا ہے
جو کُچھ بھی ہے دامن میں سب اُس کی عِنایا ہے

وہ ایسا رحیم ہے کہ جب اس کے بندے خشک سالی سے مایوس ہو جاتے ہیں تو بارانِ رحمت سے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے اور نباتات و ثمرات کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ جس ربِ رحیم نے ظاہری حیات کے لئے تمام ضروریات مہیا فرمائیں وہ روحانی ضروریات سے کیسے غافل رہ سکتا تھا۔ چنانچہ جب بھی زمین روحانی

طور پر خشک اور بے ثمر ہوئی تو خالقِ کائنات نے بنی نوع انسان کو اپنی محبت کا جام پلانے اور فلاح و کامرانی کے راستہ پر چلانے کے لئے انبیاء کو دنیا میں بھیجا جو آسمانی پانی سے زمین پر رحمت پھیلاتے اور پیاسی مخلوق کو وصلِ الٰہی کے جام شیریں سے سیراب کرتے ہیں۔

تو رحیم بھی، تو کریم بھی، تو حلیم بھی، تو بصیر بھی
کسی آئینے میں نہ مل سکی تیری رحمتوں کی نظیر بھی

سامعین! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے خدا کو پانے کے لئے بھوک وپیاس کی پرواہ کئے بغیر کئی کئی دن تک غارِ حرا میں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت میں مصروف رہتے۔ قربان جاؤں! پیارے آقا کے اس تعلق باللہ پر کہ ساری ساری رات عبادت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سوج جاتے۔ دنیا میں خدا سے محبت کے دعوے دار تو بہت گزرے ہیں، لیکن اپنے رب سے عشق اور محبت کا جو لازوال اظہار ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اس کی مثال تاریخِ عالَم میں نہیں ملتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کی سب راہیں طے کیں اور محبّتِ الٰہی کے تمام دروازوں میں سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ سے عشق و محبت کو خود ربِّ کائنات نے ہمیشہ کے لیے قرآنِ کریم میں اِن الفاظ میں بیان فرمادیا کہ: قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الانعام: 163) کہ اے نبی! تو کہہ دے میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بچپن سے ہی اپنے خالق و مالک کی محبت بھر دی گئی تھی۔ یہ عشقِ الٰہی کی تڑپ ہی تو تھی جو آپؐ کو تنہا غارِ حرا میں اپنے محبوب خدا کی یاد کے لیے پہنچاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپؐ اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپؐ اس تنہائی میں ہی پوری لذّت اور ذوق پاتے تھے۔ ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام کا اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو آپؐ وہاں کئی کئی راتیں تنہا گزارتے تھے۔“ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 317)

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ الٰہی کے نظارے دیکھ کر مکّے کے لوگ سچ ہی تو کہتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہ ' کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا نکتۂ آغاز بھی توحید تھا اور اس کا حاصل بھی توحید۔ اس بیج کے ایک تناور درخت ہونے اور اس ذرہ بے مقدار کے ثریا ہونے کا نام حیاتِ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خدا میں گم اور محو ہو گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت محض خدا تعالیٰ کے لئے ہو گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں نفس، مخلوق اور اسباب کا کچھ حصہ باقی نہ رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اس میں غیر کی ایک ذرہ آمیزش نہیں رہی تھی۔"

(ریویو آف ریلیجنز جلد 1 صفحہ 178)

اسی حقیقت کو آپ علیہ السلام اپنے فارسی اشعار میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محو دلبر کز کمال اتحاد
پیکر او شد سراسر صورت رب کریم

(توضیحِ مرام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 62)

یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو سوائے خداوندِ کریم کے کون جان سکتا ہے۔ وہ اپنی خودی سے اس طرح الگ ہو گیا ہے کہ میم درمیان سے گر گیا۔ وہ اپنے دلبر میں اس طرح محو ہو گیا کہ کمال اتحاد کی وجہ سے اس کی صورت بالکل ربِّ رحیم کی صورت بن گئی۔

سامعین! قرآن شریف نے جس خالق کائنات اور قادر مطلق ہستی کا ہمیں پتہ دیا وہ بادشاہ بھی ہے، غنی بھی، جبار بھی، قہار بھی اور متبرک بھی اس کے سامنے انسان وہ عاجز مخلوق ہے جو ہر لحظہ اس کا محتاج ہے۔

میرا پیارا خدا، جسے حالتِ مرض میں پکارو تو شفا دیتا ہے، بھوک میں پکارو تو غذا دیتا ہے، پیاس میں پکارو تو پانی پلا دیتا ہے، ذلت میں پکارو تو عزت سے نوازتا ہے، جہالت میں پکارو تو نورِ عطا کرتا ہے اور اگر کوئی راہ میں بھٹک گیا تو درست راستہ دکھا دیتا ہے اور غربت میں پکارو تو غنی کر دیتا ہے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ جن لوگوں نے اس خزانہ کو پالیا اُنہیں مخالفت کی تند و تیز آندھیاں اور طوفان کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ وہ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَل کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتے گئے، زمانے کی گردشیں اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں، دن بدن اُن کا قدم کامیابیوں کی طرف بڑھتا ہے اور ہمیشہ فتوحات اُن کی پیشانیوں کا جھومر بنتی ہیں۔ تاریخ کے اوراق پلٹیے اور دیکھیے کہ مشرکین کے تین سو ساٹھ خداؤں کو ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خدا نے کس طرح نیست و نابود کر کے رکھ دیا اور اپنے اُن بندوں کو جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا عَلَم بلند کئے ہوئے تھے دنیا و آخرت میں سرخرو کر دیا۔ وہ مخالفین جنہوں نے اپنے حقیقی مولا کو چھوڑ کر دوسروں کو خدا بنایا اور شرک کا راستہ اختیار کیا۔ چاہے وہ وقت کے فرعون تھے یا نمرود و شدّاد، ہمیشہ ہی تباہ و برباد کئے گئے، ذلیل و رسوا ہوئے اور انہیں کبھی سرسبزی نصیب نہ ہوئی۔ کبھی اُنہیں پانی سے غرق کیا گیا، کبھی خشکی میں پتھروں کی بارش اُن پر ہوئی اور کبھی اُنہیں تُند و تیز آندھیوں اور طوفانوں نے گھیر کر ہلاک کر ڈالا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے اور آگ کا گلزار ہو جانا، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی کے طوفان آنے سے قبل کشتی تیار کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سمندر میں سے پار اُتر جانے کے بعد فرعون کا لشکر سمیت اسی سمندر میں اُترنا اور غرق ہو جانا، ان سب انبیاء علیہم السلام نے خدا کا حوالہ ہی تو دیا۔

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے وہ در حقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک فقرہ ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا، تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں... خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ

تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مدد گار ہے۔ تم بغیر اسکے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 22)

اِسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہر چیز کا خزانہ خدا تعالیٰ کے پاس موجود ہے کوئی ضرورت ایسی نہیں جس کا خزانہ خدا کی صفات میں نہ مل سکتا ہو۔ پس خدا کی صفات کے علم کے ذریعہ سے انسان اپنی تمام ضروریات کو پوری کر سکتا ہے... جس بات کی ضرورت ہو اس کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی صفت ہے اس کو پکاریں۔"

(ہستی باری تعالیٰ، انوار العلوم جلد 6 صفحہ 433-434)

پھر آپؓ فرماتے ہیں:

"مَیں تمہیں بڑے زور سے بتلاتا ہوں کہ دنیا میں لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر خوبصورت، اس سے بڑھ کر محبت کرنے والا، اس سے بڑھ کر پیارا اور کوئی نہیں ہے۔"

(برکات خلافت، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 238)

پیارے دوستو! انسان اپنے پیارے خدا کو اُس کی صفات سے پہچان سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں۔ اُس کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: 61) مجھے پکارو! مَیں تمہاری دعا سنوں گا۔

جب دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے تو وہ اُس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ دنیا میں لاکھوں لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ ہمارا ایک پیدا کرنے والا خدا ہے جو ان کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں جواب دیتا ہے۔ جب دنیا خوابِ غفلت کے مزے لے رہی ہوتی ہے، محبوبانِ الٰہی اپنی گریہ و زاری سے اپنے مولیٰ کے قُرب کی لذت کا مزہ چکھتے اور قیام ورکوع و سجود سے رضوانِ یار کی محبت کا شربت پیتے ہیں۔ فرشتے حمد و ثناء کرتے ہوئے اللہ کے عبادت گزار بندوں کی گزارشات خالقِ حقیقی کے حضور پیش کر کے اُن کے لئے خیر وبرکت کے طلبگار ہوتے ہیں۔

جب سارا زمانہ سوتا ہے اور ہُو کا عالم ہوتا ہے
وہ چرخ سے خود نیچے آکر دنیا کا نظارا کرتے ہیں
توبہ کی درخشاں راتوں میں مَسنَد پہ نُور کی بیٹھ کے پھر
سجدوں میں گِرے بندوں کے لئے بخشش کا اشارا کرتے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَیں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے.... وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پا کر سخت ظلم ہے کہ مَیں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور مَیں عیش کروں۔ یہ مجھ سے ہر گز نہیں ہو گا۔ میرا دل ان کے فقر وفاقہ کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے۔ ان کی تاریکی اور تنگ گزرانی پر میری جان گھٹتی جاتی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے ان کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہر ان کو اتنے ملیں کہ ان کے دامنِ استعداد پُر ہو جائیں“

(اربعین نمبر 1، روحانی خزائن جلد نمبر 17 صفحہ 344-345)

خالقِ ارض وسماء کی شان نرالی ہے اور اس کے رنگ انوکھے ہیں، ہزار رنگ لئے ہوئے اِس کارخانۂ قدرت کی پیچ در پیچ صناعی کا خالق ہمارا پیارا خدا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی صناعی کا شاہکار ہے۔ اس کی ہر تخلیق سے اس کی کبریائی، عظمت اور کمالات کا دل و دماغ کو چکا چوند کرنے والا نور چھلکتا ہے۔ جو کُنْ فَیَکُوْنُ کا مظہر ہے۔ گلستانوں میں پھول اور جابجا پھلوں کے خوبصورت پودے، جن سے شہد کی مکھیاں اللہ کے حکم کی اطاعت میں رس چوستی ہیں۔ بھنورے اور خوبصورت تتلیاں پھولوں اور پھلوں پر منڈلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حسین تخلیق کے گُن گا گا کر اس کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ پھول فضاؤں میں اپنی خوشبو بکھیر کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے حسن اور پاکیزگی کی ودیعت پر شکر ادا کرتے ہیں۔ ہوا کے

جھونکے سے پھولوں سے لدی شاخیں ہواؤں میں کبھی دائیں کبھی بائیں کو جھکتی ہیں اور رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو کر حمد و ثناء اور تسبیح بجالاتی ہیں۔

ہمیں چاہئے کہ سونے کی اس کان اور چمکتے ہوئے اس بے بہا ہیرے یعنی اپنے خدا سے سچا پیار کریں۔ صفاتِ الٰہیہ کے رنگ میں رنگین ہو کر توحیدِ حقیقی کے قیام کے لئے کوشاں رہیں اور دنیا کو بتائیں کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور قادر وہی ہے۔

سامعین! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ دنیا عمل کا گھر ہے اس دنیا کے اعمال اگلے جہان میں جزا یا سزا کا ذریعہ بنیں گے۔ پس کیا ہی خوش قسمت ہیں ہم میں سے وہ جو اللہ تعالیٰ کی اس بات کو یاد رکھیں کہ یہ دنیا محض لہو و لعب ہے اور زینت کے اظہار اور ایک دوسرے پر اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے فخر کرنا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ کسی سوکھے ہوئے گھاس پھوس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں۔ جو خشک ہوتا ہے اور چُورا چُورا ہو جاتا ہے اور ہوائیں اس کو اڑا کر لے جاتی ہیں۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے اور یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ نیک عمل کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بنو۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم ہر وقت اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس طرح اور کون سے ذریعہ سے ہم سیکھیں اور سمجھیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بنائیں اور نیک عمل کرنے والے بنائیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھتے بھی تھے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا کام بتایئے جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگے اور باقی لوگ مجھے چاہنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ہو جائے اور بندے بھی مجھے پسند کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبت اور بے نیاز ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگے گا۔ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے یعنی دنیاوی مال و متاع۔ اس کی خواہش چھوڑ دو۔ لوگوں کی طرف حریص نظر سے نہ دیکھو۔ لوگوں کے مالوں کو حریص نظر سے نہ دیکھو۔ لوگ تجھ سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب الزھد فی الدنیا حدیث 4102)“

(خطبہ جمعہ 5/ مئی 2017ء)

جو لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا کر لیتے ہیں دراصل وہی جیتے ہیں کیونکہ وہ ابدی زندگی میں مقامِ قُرب حاصل کر کے ہمیشہ کے لیے اَمر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیار کی جنتوں میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اللھم آمین

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

﴿3﴾ ﴿مشاہدات۔304﴾

ہم اللہ تعالیٰ سے تعلق کیسے مضبوط کر سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں انسان کی پیدائش کی علتِ غائی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذٰریات:57)
کہ میں نے جنّ وانس کو صرف اس غرض کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کبھی نُصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خُود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قُربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جَلاؤ سب کمنُدوں کو

میرے واقفینِ نَو بھائیو! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **ہم اللہ تعالیٰ سے تعلق کیسے مضبوط کر سکتے ہیں؟**
سب سے پہلے تعلق کے معانی کو سمجھنا ہو گا ۔ لغات میں لفظِ تَعَلُّق کے تحت لکھا ہے ۔ محبت، واسطہ، میلان، لگاؤ اور رشتہ داری کے ہیں۔ اِس مضمون کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ ذہن میں رہے کہ انسان اللہ کی طرف سے آتا ہے اور اُسی کی طرف لَوٹ کر جانا ہے اِس لئے اپنے اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط رکھنے کے لئے ساری عمر سعی کرتے رہنا چاہیئے۔
تعلق باللہ کے مضمون کو مزید سمجھنے کے لیے بیٹے اور ماں باپ کے پیار بھرے اور مطیع و مطاع کے تعلق کو جاننا ضروری ہے۔ ہم اپنے والدین سے اطاعت اور محبت کا سلوک کرتے ہیں اور ہمارے ماں باپ اس کے مقابل پر انعامات اور احسانات کی بارش کرتے ہیں اور یوں یہ تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ ماں باپ میں سے ماں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مماثلت بھی دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ اپنی عیال یعنی مخلوق

سے، ماں سے کہیں بڑھ کر پیار محبت کا تعلق رکھتا ہے۔ اِس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنی ماؤں سے پیار بھری اداؤں اور لاڈ سے اپنی باتیں منوانے کی کوشش کرتے ہیں اِسی طرح بلکہ اِس سے بڑھ کر ہم اپنے خالق سے پیار کی پینگیں ڈال کر، نت نئی اداؤں سے اُسے منانے اور راضی کرنے کے کوشش میں لگے رہیں۔ جس طرح آپ کی اداؤں سے ماں کا دل پسیج جاتا ہے اور وہ ہماری ہر ضرورت پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے اِسی طرح ہم اپنے خدا کی طرف چل کر جاتے ہیں تو ہمارا خدا ہماری طرف دوڑ کر آتا ہے اور ہمارے سے پیار کرتا اور ہماری ضروریات پوری کرتا ہے۔

پیارے بھائیو! والدین ہی کی مثال میں دوسرا طریق مَیں یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ اِس سے یہ ہرگز مطلب نہ لیا جائے کہ ماں اور خدا برابر ہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اِس کا کوئی ثانی نہیں یہ پختہ خیال اپنی ذات میں اللہ سے تعلق مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ ایک مومن جس حد تک اپنے خالق، اللہ کی عبادت کا حق ادا کرے گا۔ خدا تعالیٰ سے حقیقی محبت رکھے گا۔ ایسی محبت جو کسی سے نہ کی ہو نہ اپنے والد سے، نہ اپنی ماں سے، نہ اپنے بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب میں سے بھی کسی سے نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس مومن پر بے انتہا انعامات نازل کرے گا۔ اُسے سچی خوابیں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے مکالمہ مخاطبہ کرے گا۔ اُس کی دعائیں سنی جائیں گی اور وہ دربار الٰہی میں مُستَجابُ الدعوات تصور کیا جائے گا تو یہ تعلق حقیقی تعلق کہلائے گا جو وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس ضمن میں مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایمان افروز واقعہ اپنی بہنو اور بھائیو کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا جس سے یہ بخوبی عیاں ہو گا کہ آپؑ کو اللہ کی عبادت ہر دوسرے فعل سے فوقیت رکھتی تھی۔ ایک دفعہ آپؑ بٹالہ کی عدالت میں ایک مقدمہ کا سامنا کرنے کے لیے موجود تھے کہ نماز کا وقت جا رہا تھا۔ آپؑ نے نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپؑ کو وکلاء نے روکا کہ اگر اس دوران عدالت میں پیشی کے لیے آواز لگ جائے اور آپ موجود نہ ہوں تو مقدمہ ہمارے خلاف جا سکتا ہے۔ مگر آپؑ نے اللہ کے حق کو مقدم رکھا اور آپؑ انسانی مقصد حیات یعنی عبادت کے لیے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے اس فعل کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور مقدمہ میں نہ صرف آواز نہیں لگی بلکہ جج نے فیصلہ بھی آپؑ کے حق میں کر دیا۔

واقفینِ نو بچو! اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے جہاں خداوند کریم سے محبت ضروری ہے وہاں قرآنی حکم ”صبغۃ اللہ“ کے تحت اللہ کے رنگ میں رنگین ہونا، اس کی پاک صفات سے متصف ہونا بھی ضروری ہے۔ کسی قسم کے شرک کی ملونی نہ ہو اور خداوند کریم کو اَحد اور وحدہٗ لاشریک تصور کیا جائے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس مضمون کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

”خدا تعالیٰ سے اتصال اور اس کے قرب کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنے اندر صفات الٰہیہ پیدا کرے اور اس کی محبت کو اپنے اندر جذب کرے پھر جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اسی طرح محبت الٰہی اسے خدا تعالیٰ کی طرف کھینچنے لگ جاتی ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 250-251)

سامعین! تعلق باللہ کے سلسلہ میں اللہ سے تعلق کو مربوط کرنے کے لیے ایک ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ

ترجمہ: (اے محمد) تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ اور سیرت کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنَ کہ حضورؐ کے اخلاق و اطوار عین قرآن کی تعلیمات کے مطابق تھے۔ اگر ہم بھی قرآن کو فالو کریں گے تو اللہ ہم سے پیار کرے گا اور ہمارا اپنے اللہ سے تعلق بھی مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

بھائیو! ہم میں سے ہر ایک کو اللہ سے اپنے تعلق کو استوار رکھنے اور مزید مضبوط کرنے کے سفر کو باحسن طریق جاری و ساری رکھنے کے لیے اپنی سعی کو آخری مقام تک پہنچانا ہے تا اللہ کی زیارت ہو جس کے لیے ذاتی محبت اور ذاتی تعلق بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡہِ (الانشقاق:7)

ترجمہ: اے انسان! تجھے ضرور اپنے ربّ کی طرف سخت مشقّت کرنے والا بننا ہو گا۔ پس (بہر حال) تُو اُسے رُوبرو ملنے والا ہے۔

اِس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”مجھ سے خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے اور مجھ سے ہی نہیں جو شخص میری اتباع کرے گا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور میری تعلیم کو مانے گا اور میری ہدایت قبول کرے گا خدا تعالیٰ اس سے باتیں کرے گا“

پھر فرمایا۔

”لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہو گا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے اور یہ سب کچھ مسیح موعودؑ کی روحانیت کا پرتَو ہو گا۔“

(ضرورۃ الامام از روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 475)

آپ واقفینِ نو بچے اور بچیاں کس قدر خوش قسمت ہیں کہ مندرج بالا ارشاد میں اُن بچوں کا بھی ذکر ہے جو اپنی کوششوں سے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو اِس حد تک مضبوط کریں گے کہ اُن کو الہام ہوں گے اور روح القدس سے مدد پائیں گے۔

میرے بھائیو! اللہ کے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ خلافت کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر کے دربارِ خلافت سے اُٹھنے والی ہر آواز پر لبیک کہنا ہے۔ یہ سیڑھی ہے یہ زینہ ہے اللہ سے ملاپ کا، اللہ سے تعلق قائم کرنے کا۔ آپ کے والدین نے خلیفۃ المسیح کی آواز پر لبیک کہہ کر آپ کو اسلام احمدیت کی اشاعت کے لئے وقف کیا۔ اِس لئے ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ خلیفہ وقت سے اپنا تعلق بنائے اور اِس مبارک زینہ کو استعمال کر کے اللہ سے اپنا تعلق جوڑے۔

اپنی تقریر کے آخر پر حدیث میں بیان ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ جس سے تعلق باللہ کا گُر پتہ چلتا ہے۔ لکھا ہے بدر کے مقام پر ایک عورت اپنے گمشدہ بچے کو تلاش کرتے دوسروں کے بچوں کو چومتی چاٹتی اپنے سینے سے لگاتی اور پھر چھوڑ دیتی۔ کچھ دیر بعد جب اسے اپنا گمشدہ بچہ مل گیا تو وہ سکون میں آگئی اور بچے سے پیار کرنے لگی، دودھ پلانے میں لگ گئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو محبت کا نظارہ تم نے اس عورت میں اپنے بچے کے ساتھ دیکھا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتا ہے اور یہی اس تعلق کا نتیجہ ہے جو ایک مومن اپنے اللہ سے کرتا ہے اور پھر اپنے اللہ سے انعامات بھی پاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور سچا تعلق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان پورا وفادار اور مخلص ہو جو شخص وفادار نہیں اگر وہ ہر روز اس قدر روتا رہے کہ اس کے آنسوؤں کا ایک چھپڑ لگ جاوے تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ہے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمہارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل وفاداری کا نمونہ ہو۔“

`(ملفوظات جلد 7 صفحہ 401 ایڈیشن 1984ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی معنوں میں اپنے رب سے اپنے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین

۞۞۞۞

﴿4﴾ ﴿مشاہدات۔ 791﴾

سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ کا نادر و نایاب نسخہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَھُوَاللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَ جَھْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ (الانعام:4)

اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے ہوئے کو جانتا ہے اور تمہارے ظاہر کو بھی اور جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

سامعین! میری گزارشات کا موضوع ہے "**سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ کا نادر و نایاب نسخہ**"

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے موعود بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (رضی اللہ عنہ) کے قرآنِ کریم کا پہلا دور مکمل کرنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور جذبات تشکّر پیش کرنے اور اپنے بیٹے کو اِس اہم روحانی و علمی سنگِ میل عبور کرنے پر ناصحانہ انداز میں اور اللہ کے حضور تضرّعانہ دعاؤں پر مشتمل ایک منظوم نظم بعنوان "محمود کی آمین" تحریر فرمائی۔ یہ منظوم کلام اکثر ہماری محفلوں، جلسوں اور بالخصوص شادی بیاہ و آمین کی تقاریب پر پڑھا جاتا ہے اور ایک انسان جس قدر گہرائی میں اُتر کر اِس کو سنتا یا پڑھتا ہے اس پر خدا کی یکتائی کا اظہار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی مہربانیوں، فضلوں اور احسانات کو یاد کرنے سے اِس حد تک وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے وجود سے نکل کر ایک اَور دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ انسان کا جوروں روں اور بال بال احسانات الٰہی میں ڈوبا پڑا ہے اِس کو دیکھ کر یہی الفاظ کہنے کو دل کرتا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے اِس نظم میں کہے ہیں۔

سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے

حضرت مسیح موعودؑ اِس نظم میں خدا تعالیٰ کے احسانات، قرآن پر ایمان، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر پختہ ایمان کا ذکر کر کے بار بار **سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ** کا اظہار فرمایا ہے جو در حقیقت اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا ایک پیارا انداز ہے۔ جیسے فرمایا۔

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا
ہم کو وہی پیارا دلبر وہی ہمارا
اُس بِن نہیں گزارا غیر اُس کے جھوٹ سارا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یعنی اے اللہ! تُو ہی ہم کا سہارا ہے جس کی طرف سے رحمت بار بار ملتی ہے۔ اب تو ہم اِس رحمت کے اِس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ایک تو اِس کے بغیر اب زندہ نہیں رہ سکتے۔ اب تو اِس خدا کے بغیر سب جھوٹ دکھائی دیتا ہے۔ اِس لئے ہم اب اپنے اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ ایسی رحمتوں کی بارش روزانہ ہی ہم پر نازل فرماتا ہم اِس کامل یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ یہ وہ مبارک ذات ہے جو مجھے ہر وقت دیکھ رہی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

اے دوستو پیارو! عقبیٰ کو مت بسارو
کچھ زادِ راہ لے لو کچھ کام میں گزارو
دنیا ہے جائے فانی دل سے اسے اُتارو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

پھر قرآن کی اہمیت، افادیت اور برکات کا ذکر یوں فرمایا۔

قرآن کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا

اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

اِس قطعہ میں کمال حکمت سے قرآنِ کریم سے اپنی محبت و عشق کا اظہار کر کے احبابِ جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ یہی قرآن اور اِس کی تعلیمات تمہارے لئے زادِ راہ ہے اور روحانی علاج کے لئے ایک اکسیر اور دوا ہے۔ جس کو پکڑ کے رکھنا لازم ہے۔ پس اے اللہ! اِس قرآن کی برکات کا نزول روزانہ ہی ہم پر نازل کرنا **تاہم اِس کامل یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ یہی وہ مبارک ذات ہے جو مجھے ہر وقت دیکھ رہی ہے۔**

سامعین!

کر انکو نیک قسمت دے انکو دین و دولت
کر انکی خود حفاظت ہو ان پر تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزت
یہ روز کر مبارک سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ
اے میرے بندہ پرور کر انکو نیک اختر
رتبہ میں ہوں یہ برتر اور بخش تاج و افسر
تو ہے ہمارا رہبر تیرا نہیں ہے ہمسر
یہ روز کر مبارک سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ
شیطاں سے دور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پر ز نور رکھیو دل پر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

یعنی جب ہم اپنی آل اولاد کے حق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اِن دعاؤں کو پورا ہوتا دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر **سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ کہہ کر ادا کرتے ہیں کہ ہماری محنت اور ہماری دعائیں ہماری اولاد کے حق میں رنگ لائی ہیں یہ سب کچھ اُس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے جو مجھے دیکھ رہی ہے۔**

پیارے بھائیو! ایک اور اہم امر جس کی اِس منظوم کلام میں نشاندہی کی گئی ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بار بار یعنی شعروں کے ہر بند کے آخر میں سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ کے الفاظ ہیں جو آپ نے 44 بار اس منظوم کلام میں استعمال فرمائے ہیں۔ جن میں سے 43 بار تو اُس خدائے واحد یگانہ کے شکر کے انداز میں ہیں کہ اے اللہ! یہ عظیم دن تو نے ہی دکھلایا لہٰذا یہ روز کر مبارک یعنی اِس دن کو مبارک کر دے میرے لیے۔ ایسے دن ہماری زندگیوں میں بار بار لا، میری اولاد کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جو بچے کا حوصلہ بڑھانے اور ہم سب کے مشترکہ تشکّرِ الٰہی کے جذبات اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لئے یہاں حاضر ہیں اور صرف ایک بار آغاز پر پہلے بند میں جہاں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی صفات کا ذکر کر کے نہایت عاجزی وانکساری سے اپنے خدا کے حضور عرض کرتے ہیں کہ

دل میں میرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یہ الفاظ قابل غور ہے جس کے معنی ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جو مجھے ہر آن اور ہر لحاظ سے دیکھ رہی ہے اور مَیں نے اس عظیم قوت اور ذات کو اپنے دل میں جگہ دے رکھی ہے۔ اگر ہم مومن اس عظیم معنی اور فلسفہ کو سمجھ لیں تو ہمارا معاشرہ بُرائیوں سے پاک، منزّہ اور جنت نظیر معاشرہ بن سکتا ہے۔ حقیقت میں اِس مادہ پرست دَور میں ہم اپنے خالق حقیقی کو نہ صرف بُھلا بیٹھے ہیں بلکہ اِس سے بہت دور ہوتے جا رہے ہیں اور ہم میں سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ گمان پیدا ہونے لگا ہے کہ ہم جو ترقیات حاصل کر رہے ہیں اور فتوحات ہمارے قدم چوم رہی ہے۔ یہ جو پیسوں کی ہمارے گھروں میں ریل پیل ہے۔ ہم جو پڑھ لکھ گئے ہیں۔ یہ محض ہماری اپنی صلاحیتوں اور کوششوں کی وجہ سے ہے یا ہم جو اعلیٰ سے اعلیٰ اسکولز اور کالجز میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ ہمارے ماں باپ کی محنت کا نتیجہ ہے اور وہ ذات جو ماں باپ سے بڑھ کر رحیم ومہربان ہے جس نے رحمان ذات کی صورت میں بعض ایسی نعمتوں سے بھی متمتع کر رکھا ہے جو ہم نے اپنے خدا سے نہیں مانگی تھیں بلکہ اُس نے ماں باپ کی طرح بلکہ اُس سے کہیں بڑھ کر ہماری ضروریات

کو سمجھا اور وہ تمام نعمتیں ہمارے لیے مہیا کر دیں۔ اگر ہم اپنے دلوں میں اپنے خدا کو بسا لیں اور اس تصور کو پختہ کریں کہ ایک ذات ہے جو مجھے دیکھ رہی ہے تو ہم اپنے جسموں سے، اپنی زندگی سے چمٹی آلائشوں اور گندگیوں کو دور کر سکتے ہیں۔ اگر کسی کام کا آغاز کرنے سے قبل اپنے خدا کی ذات کو اپنے دل میں اُتاریں، اُس کا خوف پیدا ہو تو ہم جھوٹ بولنا ترک کر دیں، ہم چوری چکاری سے دُور چلے جائیں۔ ہم اپنے والدین سے اور والدین اپنے بچوں سے محبت اور شفقت کا سلوک شروع کر دیں۔ میاں بیوی کے تعلقات درست ہو جائیں۔ بہو، ساس اور نند، بھابھی کے تعلقات مثبت انداز میں اُستوار ہونے شروع ہو جائیں تو ہمارا معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔

ہم دنیوی قوانین اور اُن کے رکھوالوں سے ڈرتے ہیں۔ موٹروے پر گاڑی تیز بھگاتے ہیں اور جونہی پولیس والوں کو دیکھتے ہیں، رفتار آہستہ کر لیتے ہیں۔ بلکہ روزمرہ کا سفر اختیار کرنے والوں کو اس امر کا بھی یقین ہو گیا ہوتا ہے کہ پولیس کہاں کہاں بیٹھی ہے۔ یورپ میں ڈرائیور حضرات کیمرہ سے بہت ڈرتے ہیں۔ بھئی! ایک کیمرہ آپ کے دل میں بھی لگا ہوا ہے۔ جہاں سے خدا آپ کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے دل و دماغ کے درمیان اللہ تعالیٰ نے سسٹم قائم فرمایا ہوا ہے جو آپ کو اچھے اور بُرے کی تمیز کر کے دکھاتا رہتا ہے اس کو ضمیر کہتے ہیں اس سے فائدہ اُٹھانا ہمارے لئے روحانی لحاظ سے سود مند ہے اور ہم خدا سے نہیں ڈرتے۔ مجازی خداؤں سے ڈرنا شروع کر دیا ہے۔ شاید یہ محاورہ اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ''خدا الاگے کہ ڈنڈا''

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا تھا جو ہر بُرائی میں ملوث تھا۔ چوری بہت کرتا تھا۔ ڈاکہ بھی ڈالتا تھا۔ زنا بھی کرتا تھا اور جھوٹ بھی بولتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہی نصیحت فرمائی تھی کہ جھوٹ ترک کر دو۔ وہ جھوٹ ترک کرنے کے پختہ عزم کے ساتھ دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوا اور جب بھی بُرائی کی طرف بڑھا۔ ہمیشہ یہی خیال دل میں جنم لیتا کہ اگر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ کام کیا ہے؟ اگر وہ بُرا کام کیا ہو اور مَیں کہوں کہ نہیں کیا تو یہ جھوٹ ہو گا جبکہ خدا مجھے دیکھ رہا ہو گا اور اگر کہا۔ کیا ہے تو یہ اپنی ذات میں قابل سرزنش ہے اور یوں اس نے تمام بُرائیوں اور بدیوں کو خیر آباد کہہ دیا۔ اس کے سامنے ایک ذات سیدنا حضرت محمد

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور اگر اس عظیم ذات کو پیدا کرنے والی ہستی کو ہم اپنی زندگیوں میں مد نظر نظر رکھیں تو کیا کایا نہیں پلٹ سکتی۔

حضرت عبد القادر جیلانیؒ کے متعلق ایک واقعہ ہم اپنی درسی کتب میں پڑھتے آئے ہیں کہ ایک قافلہ پر جاتے ہوئے آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی قمیض کی آستین میں چالیس دینار سی دئے جو تعلیم حاصل کرنے کے دوران کام آئیں گے اور ساتھ نصیحت کی کہ جھوٹ نہیں بولنا۔ اگر کوئی پوچھے تو بتا دینا کہ میرے پاس رقم ہے۔ راستے میں ڈاکو قافلہ کو لوٹنے لگے اور جب جیلانیؒ سے ڈاکو نے پوچھا تو آپ نے سچائی سے کام لیتے ہوئے بتا دیا کہ میری قمیض کی اس آستین میں اتنی رقم ہے۔ ڈاکوؤں نے اِس نونہال بچے سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو آپ نے کہا کہ میری ماں نے مجھے ہمیشہ سچ بولنے کی نصیحت کی تھی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اس بچے سے کہا کہ اِس وقت تمہاری ماں تو ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی وہ تجھے دیکھ رہی ہے تو آپ نے فرمایا اگر ماں نہیں تو میرا خدا تو مجھے دیکھ رہا ہے اس لئے مَیں نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔ آپ کے اس نیک فعل سے ڈاکوؤں کا سردار اِس حد تک متاثر ہوا کہ اُس نے اپنے اِس بُرے فعل سے توبہ کر لی اور نیکی کا راستہ اپنا لیا تو مفہوم ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی کا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نماز ایسے ادا کرو کہ تم اپنے خدا کو دیکھ رہے ہو اگر اس اعلیٰ مقام کو نہیں پا سکتے تو کم از کم یہ گمان نماز پڑھتے ضرور آپ کے دلوں میں ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ پس شجر احمدیت کی سر سبز شاخو! یہی پہلا عظیم اور بنیادی سبق ہے جسے ہمیں پلّے باندھ لینا چاہیے اور ہم اپنی زندگیوں کو سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی سے آراستہ کر لیں تو خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی محبتیں اور شفقتیں تو ضرور ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دنیاوی کاموں میں بھی برکت ڈال دے گا اور تمام کام سنور جائیں گے۔

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

✿✿✿✿

﴿5﴾ ﴿مشاہدات۔546﴾

احکامِ الٰہی کی حفاظت کرو تا اللہ کو اپنے سامنے پاؤ (الحدیث)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان:31)

اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے۔

قرآن کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکر معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ احکامِ الٰہی کی حفاظت کرو تا اللہ کو اپنے سامنے پاؤ (الحدیث)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سواری پر) پیچھے تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں، (اللہ تمہاری حفاظت فرمائے اور تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو)، اگر تم اللہ کے احکامات کی حفاظت کرو گے تو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ پس جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سے اور جب مدد چاہو تو صرف اللہ سے۔ یہ بات سمجھ لو کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر تمام امت تمہیں کچھ نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

(ترمذی کتاب صفة القیامة والرقائق والورع باب ما جاء فی صفة أوانی الحوض)

سامعین! اس ارشاد نبویؐ میں درج ذیل چھ امور بیان ہوئے ہیں۔

1. جو احکام الٰہی کی حفاظت کرے گا اس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے گا۔
2. جو اللہ کے احکام کی حفاظت کرے گا تو وہ اللہ کو اپنے سامنے پائے گا۔
3. تم جو چیز بھی مانگو تو اپنے اللہ سے مانگو۔ مدد بھی اُسی سے چاہو۔
4. اللہ کے مقرر کردہ نفع سے بڑھ کر کوئی (اللہ سے) زیادہ نفع نہیں پہنچا سکتا۔
5. جو نقصان اللہ نے کسی کے لئے لکھ رکھا ہے اس سے بڑھ کر کوئی شخص کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
6. اور آخری بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ "قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں" ان الفاظ میں خدا کی تقدیر کا مضمون بیان ہوا ہے کہ اب کوئی نیا قانون، نیا صحیفہ نہیں آئے گا اور یہ کہ قرآن خاتَمُ الکتب ہے اور اللہ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی کہ یہ اللہ کی تقدیر ہے کہ وہ اور اس کے رسول لازماً غالب آئیں گے۔

ان چھ امور میں سے تین کا تعلق اللہ کے دیئے گئے احکام سے ہے اور تین کا تعلق اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہے اور اس دوسرے نمبر پر بیان امور اللہ کی پہچان، اس کی عبادت کرنے، اس کو یکتا جاننے، اس کی طرف جھکنے، سجدہ کرنے، اس سے مانگنے وغیرہ وغیرہ کے احکامِ الٰہی سے ہی ملتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں بھی احکامِ الٰہی کی حفاظت کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایسا کرو گے تو اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ گویا خدا کو دیکھنے اور پانے کا پہلا ذریعہ احکام الٰہی پر عمل کرنا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم ان پر عمل پیرا رہو گے کبھی ناکام و نامراد نہ ہو گے اور وہ کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب اور سنتِ رسولہ یعنی اس کے رسول کی سنت ہے۔

(الموطا)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قرآن پر عمل کرنے والے کے والدین کو بھی ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز دو تاج پہنائے جائیں گے جن کی روشنی سورج کی چمک سے بھی زیادہ ہو گی۔

(ابو داؤد)

ایک اور مقام پر فرمایا۔ قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے لئے قیامت کے روز قرآن شفاعت کرے گا۔

(مسلم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 26)

پھر فرماتے ہیں۔

”جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہو گا۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 548)

ایک اور موقع پر فرمایا۔

”قرآن شریف میں اول سے آخر تک اوامر و نواہی اور احکام الٰہی کی تفصیل موجود ہے اور کئی سو شاخیں مختلف قسم کے احکام کی بیان کی ہیں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 655)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

” تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ بنی نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13-14)

سامعین! فرمایا:

”سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ بڑے تاسف کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتناء اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔“

(ملفوظات جلد اول ایڈیشن 1988ء صفحہ 386)

” قرآن شریف پر تدبر کرو اس میں سب کچھ ہے۔ نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ہے اور آئندہ زمانہ کی خبریں ہیں وغیرہ۔ بخوبی سمجھ لو کہ یہ وہ مذہب پیش کرتا ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے برکات اور ثمرات تازہ بہ تازہ ملتے ہیں۔ انجیل میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اُس کی تعلیم اُس زمانہ کے حسب حال ہو تو ہو لیکن وہ ہمیشہ اور ہر حالت کے موافق ہرگز نہیں۔ یہ فخر قرآن مجید ہی کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر مرض کا علاج بتایا ہے اور تمام قویٰ کی تربیت فرمائی ہے اور جو بدی ظاہر کی

ہے اس کے دُور کرنے کا طریق بھی بتایا ہے اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور دعا کرتے رہو اور اپنے چال چلن کو اس تعلیم کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 102 ایڈیشن 1988ء)

احکام الٰہی پر عمل کرنے کے صحابہ رسولؐ اس قدر مشّاق تھے کہ بعض صحابہؓ نے احکامِ خداوندی کی فہرستیں تیار کر رکھی تھیں تا ان پر عمل ہو سکے۔ یہی کیفیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کی تھی۔ حضرت حکیم مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے متعلق ذکر ہے کہ آپؓ نے اپنے زیر استعمال قرآن پر احکام خداوندی کی نشان دہی کر رکھی تھی۔

ایک روایت ہے کہ ایک مہاجر صحابیؓ نے قرآنی حکام کی فہرست تیار کر رکھی تھی اور اُن کی کوشش رہتی کہ کوئی ایسا حکم قرآن کا نہ رہ جائے جس پر وہ عمل پیرا نہ ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ قرآنی حکم "اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو" پر تعمیل کی غرض سے مَیں ساری عمر کوشاں رہا۔ مدینہ کے ہر گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ کوئی مجھے کہہ دے کہ مَیں اس وقت ملاقات نہیں کرنا چاہتا تم واپس لوٹ جاؤ تو مَیں واپس لوٹ آؤں۔ مگر مجھے ایسی آواز سنائی نہ دی اور یہ حکم بغیر عمل کے رہ گیا۔

(جامع البیان فی تفسیر القرآن از ابو جعفر محمد بن حریر الطبری جلد 18 زیر آیت سورۃ النور: 28 از 700 احکام خداوندی صفحہ 37)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو حرزِ جان بنانے کا سہرا آج کے دور میں جماعت احمدیہ کے سر ہے۔ مَیں نے تقریر کے آغاز پر جس آیت کی تلاوت کی ہے اُس کے فٹ نوٹ پر حضرت خلیفۃُ المسیح الرابعؒ نے تحریر فرمایا۔

"یہ آیت صحابہ کے متعلق تو یقیناً نہیں ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بلکہ اس کے بعد تین صدیوں تک آنے والے صحابہ اور تابعین و تبع تابعین نے قرآن کو نہیں چھوڑا۔ لازماً یہ ایک پیشگوئی ہے جو آئندہ زمانہ میں پوری ہونے والی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم عملاً قرآن کو چھوڑ دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کریں گے۔"

(قرآن کریم ترجمہ از حضرت خلیفہ المسیح الرابع رحمہ اللہ صفحہ 617)

اللہ تعالیٰ ہم احمدیوں کو صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دیتا رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں۔

”انسان کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ میرا مقصد اور میرا کام صرف یہ ہے کہ مَیں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے احکامات پر عمل کرنا ہے اور اس کے بے شمار احکامات ہیں۔ ایک درجے کا آپ کو کس طرح پتہ چل سکتا ہے؟ پہلے قرآن کریم سے تلاش کریں۔ قرآن کریم کے 700 حکم ہیں یا بعض جگہ پر 1200 بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ تو کیا ان 700 یا 1200 حکموں پر عمل کر لیا ہے؟ کیا ان کی تلاش کر لی ہے؟ جب ان حکموں کی تلاش کر لی ہے اور ان پر عمل کر لیا ہے تو پھر اگلی بات آپ کریں کہ کیا اب مَیں کوئی اور درجہ دیکھوں گا تو پھر خدا تعالیٰ خود وہ درجہ عطا فرماتا ہے۔ انسان کی کوششوں سے عطا نہیں ہوتا۔ اس لئے ایک مومن کا کام یہ ہے کہ.... اس کے حکموں پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں احکام الٰہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: زاہد محمود)

۞۞۞۞

﴿6﴾ ﴿مشاہدات۔552﴾

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر:36)

کہ جو بھی عزت کا خواہاں ہے تو اللہ ہی کے تصرف میں سب عزت ہے۔

رنگ تقویٰ سے کوئی رنگ نہیں ہے خوب تر
ہے یہی ایمان کا ذریعہ یہی دین کا سنگھار

معزز سامعین! آج مجھے فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا پر روشنی ڈالنی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں لوگوں نے اپنے آپ کو دوسروں کے لئے عزت کا مقام دے رکھا ہے اور بعض جگہوں پر وڈیروں کو عزت کا مقام دے کر اپنا مستقبل داؤ پر لگا رکھا ہے نیز بعض قرآنی تعلیمات کے برعکس رسومات اور بدعات کو معزز سمجھ کر اپنے معاشرے کا حصہ سمجھ لیا ہے۔

اللہ کے مقابل پر وڈیروں کو عزت و تکریم دینے کے حوالہ سے قرآن کریم اور احادیث نبوی میں حوصلہ شکنی پر مشتمل تعلیمات موجود ہیں۔ ویسے تو تمام دنیا میں اکثر بادشاہوں، حکمرانوں اور وڈیروں کا طرز عمل اور رکھ رکھاؤ متکبرانہ رہا ہے اور وہ اپنے آپ اور اپنے تاج و عروس کو ہی عزت سمجھتے اور فخریہ انداز میں اس کا اظہار بھی کرتے رہے ہیں اور عوام کالانعام سے کرواتے بھی رہتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے مسلمان دنیوی جاہ و جلال رکھنے والے جابر حکمرانوں نے بھی اپنی حکمرانی میں متکبرانہ انداز میں حد ہی کر دی ہے۔ اپنی رعایا کو بھیڑ بکریوں کا درجہ دیا۔ اپنے جاہ و جلال و مقام، مال و ثروت اور فخر و مباہات اور سستی شہرت کو طول دینے کے لئے بلند و بالا محلات اور گھر بنائے۔ اپنے آباؤ اجداد کے مقبرے اور پختہ قبریں

بنائیں۔ اپنے ہاں منعقد ہونے والی تقریبات اور مجالس میں اپنی عزت و تکریم قائم رکھنے کے لئے غیر اسلامی رسومات کو رواج دیا تا اپنی ناک قائم رہے۔ انہوں نے عالی شان اور خوبصورت مساجد اپنے نام ونمود کی خاطر بنوائیں۔ ان پر نقش و نگار کروائے۔ بیل بوٹے ڈلوائے اور آج اگر یہ مساجد موجود ہیں تو نمازی نہیں ملتے اور بعض مساجد کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں یا بعد میں آنے والی حکومتیں ان مساجد سے کوئی اور کام لے رہی ہیں اور آج بھی فخر ومباہات کا یہ سلسلہ مسلمان حکمرانوں میں قدرے تبدیلی کے ساتھ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایسے فسادی حکمرانوں کو سورۃ البقرہ آیت 207 میں تقویٰ کی تلقین کا ذکر ملتا ہے مگر ظاہری عزت کی انا نے ان کو گناہ پر قائم رکھا۔ جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا دَور کتنا سادگی پر مشتمل تھا۔ خانہ کعبہ کتنی سادگی کا مظہر ہے۔ مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کھجور کے پتوں سے ڈھانپی گئی تھی۔ جس کی چھت بارش کے دوران ٹپکتی تھی اور فرش کے طور پر پتھریلے پتھر (سنگریزے) بچھائے گئے تھے جو سجدہ کرتے چبھن پیدا کرتے تھے اور صحابہؓ سجدہ کرنے سے قبل ان کو سیدھا کر لیا کرتے تھے۔ خود آپؐ کی قبر سادہ تھی۔ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ فلاں قبیلہ کی ایک خاتون مجھ سے رابطہ کرتے ہوئے ڈرتی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ مَیں تو اُس خاتون کا بیٹا ہوں جو روٹی کے سوکھے ٹکڑے بھگو کر کھایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا وَابْغُوْنِیْ فِی الضُّعَفَاءِ کہ مجھے کمزور اور غریبوں میں تلاش کرو۔ یہ فرما کر آپؐ نے اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار فرمایا۔ حضرت عمرؓ راتوں کو اپنے کاندھوں پر راشن لے کر غریب رعایا کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے گھر ایک دفعہ مہمان آگئے۔ رات کا وقت تھا۔ گفتگو کے دوران دیا بجھ گیا۔ آپ حاضرین کے اصرار کے باوجود خود اُٹھے اور تیل ڈال کر آگ جلا کر دیے کو لے آئے اور فرمایا۔ دیے میں تیل ڈالنے سے قبل بھی مَیں عمر بن عبد العزیز تھا اور تیل ڈالنے کے بعد بھی مَیں عمر بن عبد العزیز ہوں۔

سامعین! یہ تھا اُن مسلمان حکمرانوں کا شیوہ اور طریق جن کی تربیت براہ راست آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اور وہ تمام عزت و تکریم کی آماجگاہ اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتے تھے۔ اور جو عزت ان حکمرانوں اور دیگر مسلمانوں نے کمائی وہ سورۃ المنافقون کی آیت 9 وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کہ عزت تمام تر اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کی ہے کے تحت حصہ میں آئی کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو ان کے مقام

کا حق دیں گے وہی عزت پائیں گے۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب عبد اللہ بن ابی سلول (رئیس المنافقین) نے اپنے ساتھیوں سے مل کر یہ کہا تھا کہ ہم مدینہ پہنچ کر معزز ترین شخص (حضرت محمدؐ) کو نکال باہر کریں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ معزز وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو عزت دیتے ہیں۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ میں بھی بیان فرمایا ہے۔

الغرض خداوند قدوس ہی اصل اور حقیقی عزت کا سرچشمہ ہے جو اس سے فیض پائے گا اور وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ کے تحت باعزت ٹھہرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں 5 سے زائد مقامات پر عزت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور وہ بھی مختلف معنوں میں۔

پہلا ذکر سورۃ النساء آیت 140 میں ہوا ہے۔ جس میں مومنوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست اس غرض سے بنانے کا ذکر ہے کہ انہیں عزت ملے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عزت تو تمام تر اللہ کے قبضے میں ہے اور سورۃ مریم آیت 89 میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے معبود بنانے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ یہ تمام تر عزت بڑھانے کے لئے کرتے ہیں اور سورۃ ص آیت 2 میں کفار کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جھوٹی عزت وانا میں مبتلا ہیں۔

دوسری جگہ سورۃ یونس آیت 66 سے پہلے اولیاء اللہ اور ان کے اوصاف، ان پر ہونے والے انعامات کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان کے مخالفین کی باتیں تمہیں غمگین نہ کریں یقیناً عزت تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

اولیاء اللہ اپنی عزت نہیں چاہتے وہ تو خدا کا جلال اور خدا کی عزت کے طالب رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں ریاء کا نام تک نہیں ہوتا۔

(حقائق الفرقان جلد 2 صفحہ 342)

سورۃ فاطر آیت 11 میں فرماتا ہے کہ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعاً کہ جو بھی عزت کا خواہاں ہے تو اللہ ہی کے تصرف میں سب عزت ہے۔

اس آیت کے تحت فٹ نوٹ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ تحریر فرماتے ہیں۔

”بعض لوگ دنیا کے بڑے لوگوں سے میل ملاپ رکھنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں مگر مومنوں کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ عزت اللہ ہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور مخالف ان کو دنیا میں ذلیل کرنے کی جو بھی کوششیں کرے گا وہ رائیگاں جائیں گی۔“

(ترجمہ قرآن صفحہ 763)

اسی ضمن میں سورۃ المنافقون آیت 9 کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے کہ عزت کے مستحق مومنوں کی جماعت انبیاء ہیں جن کو عزت، ان کے اعمال صالح کی وجہ سے ان کے خدا کی طرف سے آتی ہے۔ ترمذی کتاب الدعوات میں حضرت ابوہریرۃؓ سے اللہ تعالیٰ کے جو 99 صفاتی نام درج ہیں۔ ان میں ایک صفت اَلْمُعِزُّ بھی ہے جس کے معانی عزت دینے والے کے ہیں جبکہ وہ خود رب العزت (الصافات:181) اور العزیز (ترمذی کتاب الدعوات) تو ہے ہی۔ عزت کے معانی غلبہ اور قوت کے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ عزت کا لفظ ہمیشہ ذلت کے مقابل پر استعمال ہوتا ہے۔ پس ذلت کے مقابل جو چیز ہے اسے عزت کہا جائے گا۔

(تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 356)

سامعین! عربوں میں دَورِ جاہلیت میں خاندانوں میں جاہ و مقام کا خیال رکھا جاتا تھا۔ وہ اپنے قد کاٹھ اور مال وثروت کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے۔ اسلام نے آکر اس طریق کو ختم کر کے اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو مقام دیا۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرب کے اعلیٰ اور معزز خاندانوں کے متعلق پوچھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوا

(بخاری کتاب الانبیاء)

کہ اُن میں سے جو جاہلیت میں معزز تھے اسلام میں بھی معزز ہیں بشرطیکہ وہ دین کو سمجھیں اور اس کا فہم رکھیں۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے زندگی میں بہت بُرے عمل کئے گناہ کرتا رہا۔ مگر وفات سے قبل اپنے بچوں سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے جلا کر میری راکھ سمندروں اور ہواؤں میں بکھیر دینا۔ خدا کے لئے اس کا اکٹھا کرنا مشکل ہوگا اور مَیں اُس کے عذاب سے بچ جاؤں گا۔ لیکن خدا نے اس کی راکھ کے ذرات کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ پورے جسم کے ساتھ خدا کے حضور لرزاں ترساں حاضر ہوا اور ایسا کروانے کی وجہ پوچھنے پر کہا۔ اے خدا! تیری خشیت اور خوف اور کبرائی نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ خدا کو اس کا یہ احساسِ ندامت پسند آیا اور اسے بخش دیا۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 164-165)

یہ واقعہ بظاہر خدا سے خوف کھانے کے متعلق ہے لیکن نتیجہ خدا کو معزز گرداننے کا نکلتا ہے۔ خدا کو معزز جانا اور خود عزت پائی کیونکہ عزت تو خدا کی لونڈی ہے۔ یہ تو خدا کو اس کا مقام اور درجہ دے کر عزت پانے کا مقام ہے۔ آئیں! دیکھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معزز جاننے اور ان کو ان کا مقام دینے پر خدا تعالیٰ کا ان خدا کے بندوں سے کیا سلوک ہوتا ہے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ بلند آواز تھے۔ جب لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات:3) کہ نبی سے اپنی آوازیں بلند نہ کرنے کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو یہ اِس خدشہ سے گھر بیٹھ گئے کہ کہیں مَیں گنہگار نہ بن جاؤں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چند دن محفل میں نہ آنے کی وجہ دریافت کرنے کے لیے ان کے گھر صحابہ کو بھیجا تو آپؐ نے حضرت ثابتؓ کو بلوا کر یہ خوش خبری سنائی کہ اے ثابت! تو دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر)

سامعین! تاریخ نے بہت سے ایسے واقعات محفوظ کئے ہیں کہ صحابہؓ نے اپنے حسب و نسب کو خیر آباد کہا۔ اللہ کے تمام احکام کے تابع زندگی بسر کی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہی اپنی عزت سمجھی۔ یہ ظاہری حسب و نسب صرف پہچان کا ذریعہ رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان آیت 55 میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو ایک (گدلے) پانی سے پیدا کیا اور نسب و صہر جان پہچان کا ذریعہ ہیں۔ ان کی کوئی بڑائی نہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے نسب سے مراد آبائی شجرہ اور صہراً سے مراد سسرالی شجرہ مراد لیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا ایک کامیاب مقصد جماعت احمدیہ میں خاندانوں کی بڑائی ختم کرکے

تمام احباب جماعت کو نیکی اور تقویٰ کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا تھا۔ ہمارے اکثر و بیشتر رشتے خاندانوں کی بڑائی سے الگ رہ کر نیکی و تقویٰ پر قائم ہوتے ہیں۔ جونہی رشتے کی کوئی دس (اطلاع) پہنچتی ہے فوراً اس لڑکے یا لڑکی کے خاندان کا جماعت سے تعلق، نمازوں اور چندوں کا معیار دیکھا جاتا ہے۔ پھر ایک اور جگہ سورۃ المومنون آیت 102 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتے داری اور حسب ونسب کام نہیں دے گا۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"اس دن (جس دن صور پھونکا جائے گا) کسی دوسرے کی مدد کام نہیں دے گی۔ بلکہ انسان کے اپنے ہی اعمال اس کے کام آئیں گے۔ اگر نیک اعمال زیادہ ہوئے تو انسان نجات پا جائے گا۔ اگر نیک اعمال کم ہوئے تو وہ گھاٹے میں پڑے گا۔"

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 229)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت سے اسلام میں آنے والوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت و غرور کو ختم کر دیا اور باپ دادا کے نام لے کر فخر کرنے سے روک دیا۔

(سنن ابن داؤد 5116)

ایسا کرنے پر ایک اور موقع پر ایسے لوگوں پر اللہ، رسول اور فرشتوں کی لعنت دی گئی ہے۔ انبیاء کی مخالفت بھی اسی نظریے کو لے کر کی جاتی ہے کہ ہم اس نبی سے بہتر ہیں۔ انبیاء اپنی مخالفت میں حسب ونسب کے طعنہ کی زد میں آتے رہے ہیں۔

پاکستان و دیگر بعض مسلم ممالک میں جماعت احمدیہ کو جس مخالفت کا سامنا ہے اُس میں حقارت آمیز رویہ شامل ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ سورۃ یٰسٓ آیت 15 میں واضح رنگ میں فرماتا ہے کہ انبیاء دراصل قوموں کے لئے تقویت اور عزت کا باعث بنتے ہیں۔ اور تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ (اٰل عمران:27) میں عزت افزائی کا ذکر

کر کے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہم جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں۔ اور اس عزت کے حاصل کرنے کے لئے ایک مسلمان کو ہر وقت مستعد رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی اور سچی عزت کا حقدار بنائے رکھے۔

﴿7﴾　﴿مشاہدات۔558﴾

توکل علی اللہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ　(التغابن:14)

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

محمود اگر منزل ہے کٹھن　تو راہ نما بھی کامل ہے
تم اس پہ توکل کر کے چلو، آفات کا خیال ہی جانے دو

معزز سامعین! مجھے آج آپ حاضرین سے توکّل علی اللہ پر گفتگو کرنی ہے۔

توکُّل کے لغوی معنی بھروسہ کرنا یا اپنے کام کو کسی کے حوالے کرنا کے ہیں۔ کسی کام کے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو طریق اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اس کے مطابق پوری کوشش کرنا اور پھر نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے دعاؤں میں لگ جانا توکّل علیٰ اللہ کہلاتا ہے۔ توکل میں دعا کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے۔ توکل ظاہری اسباب چھوڑنے کا نام نہیں۔

توکل علی اللہ ایک نہایت اعلیٰ وصف ہے۔ ہر حال میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا اور اسی پر توکل رکھنا انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ (آل عمران:160)

کہ جب تو کسی بات کا پختہ ارادہ کرلے تو اللہ پر توکل کر۔ اللہ توکل کرنے والوں سے یقیناً محبت کرتا ہے۔

سامعین! حصولِ تقویٰ کا ایک بنیادی ذریعہ توکل علی اللہ ہے۔ جو مومن اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (الطلاق:4) جو کوئی اللہ پر

توکل کرتا ہے تو وہ اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر میدان کے شہسوار تھے۔ عبادات کا میدان ہو، اخلاق کا میدان ہو، جنگ کا میدان ہو یا فتح کا موقع، آپؐ نے تمام میدان نہایت بہادری اور توکل علی اللہ سے سر کئے۔

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
عَلَیْكَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْكَ السَّلَام

توکل علی اللہ کا خُلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اعلیٰ شان ہے جس کے بارہ میں آپؐ کو مخاطب ہو کر کہا گیا کہ

"تو میرا بندہ اور رسول ہے مَیں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔"

(بخاری کتاب البیوع باب کراھیۃ الشغب فی السوق)

حق یہ ہے کہ اس نصیحت پر سب سے زیادہ جس وجود نے عمل کیا وہ خود آپؐ کا وجود مبارک تھا۔

راہ ہدیٰ پہ ہم کو چلایا ہے آپؐ نے
در صدق و راستی کا دکھایا ہے آپؐ نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم اللہ پر حقیقی توکل کرتے تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام پیٹ بھرے (اپنے گھونسلوں میں) آجاتے ہیں۔

(جامع الترمذی کتاب الزھد باب فی التوکل علی اللہ)

یہی توکل ہے جس کا عرفان ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت سے مِلتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی ذات پر کامل توکل تھا اور آپؐ ہر لمحہ اسی توکل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا آغاز اس دعا سے ہوتا تھا کہ میں نے تجھ پر توکل کیا۔

(صحیح البخاری کتاب التہجد باب التہجد باللیل)

گھر سے نکلتے تو یہ دعا کرتے۔ بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

(سنن ابی داؤد ابواب النوم باب ما یقول اذا خرج من بیتہ)

رات کو سونے سے پہلے کامل توکل کی یہ دعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ بِاِسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ

(صحیح البخاری کتاب الدعوات)

کہ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مَیں مرتا ہوں اور تیرے نام سے ہی زندہ ہوتا ہوں۔

ہمیں تو قُوتِ بازو سے کام لینا ہے
پھر اس کے بعد کرشمے دعا کے دیکھیں گے

سامعین! توکل میں دعا کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ہجرت مدینہ کے وقت بعض تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور اِس طرح تدبیر کرتے ہوئے اللہ پر توکل کر کے کامیاب ہجرت فرمائی اور دشمن آپؐ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ ہجرتِ مدینہ میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے قدموں کی چاپ سن لینے اور پاؤں دیکھ لینے کے باوجود اپنے ساتھی سے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے بیان کیا کہ جب ہم غار ثور میں پناہ گزیں تھے تو مَیں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اگر مشرکین میں کوئی جھک کر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو بکرؓ! تمہارا ان دو اشخاص کے بارہ میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے۔

(بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب مناقب الانصار)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

”یہ جرأت و بہادری کا سوال نہیں بلکہ توکل کا سوال ہے، خدا پر بھروسہ کا سوال ہے۔ اگر جرأت ہی ہوتی تو آپؐ یہ جواب دیتے کہ خیر پکڑ لیں گے تو کیا ہوا ہم موت سے نہیں ڈرتے۔ مگر آپؐ کوئی معمولی جرنیل یا

میدان جنگ کے بہادر سپاہی نہ تھے آپؐ خدا کے رسول تھے۔ اس لئے آپؐ نے نہ صرف خوف کا اظہار کیا بلکہ حضرت ابو بکرؓ کو بتایا کہ دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ خدا ہمارے ساتھ ہے، ان کو طاقت ہی کہاں مل سکتی ہے کہ یہ آنکھ نیچی کر کے ہمیں دیکھیں۔"

(سیرۃ النبیؐ از انوار العلوم جلد 1 صفحہ 495-496)

مکہ سے مدینہ ہجرت کا واقعہ غیر معمولی عظمت اور اہمیت کا واقعہ ہے، جن حالات اور جس انداز میں آپؐ نے ہجرت فرمائی اس میں قدم قدم پر توکل علی اللہ کے ایمان افروز مناظر نظر آتے ہیں۔ تصور کی آنکھ سے دیکھیے وہ کیا نظارہ تھا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم توکل علی اللہ کی وجہ سے اطمینان اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر تنِ تنہا گھر سے اس حالت میں نکلے کہ کفارِ مکہ نے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ایسے توکل علی اللہ اور نصرت الٰہی کی مثال دنیا میں کہاں نظر آتی ہے؟

توکل کا یہ منظر بھی ملاحظہ فرمائیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ جا رہے ہیں اور سراقہ سو سرخ اونٹوں کے لالچ میں لحہ بہ لحہ آپ کے قریب پہنچ رہا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہیں تو اسی وقت آپؐ کی دعا سے سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس جاتا ہے اور وہ آپؐ کی خدمت میں امان کا طالب ہوتا ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 43)

اور ساتھ ہی کس شانِ توکل سے آپؐ نے سراقہ کے حق میں یہ عظیم الشان پیشگوئی کی کہ سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں ہونگے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ بار بار دیکھتے جاتے ہیں کہ اب دشمن کس قدر نزدیک پہنچ گیا ہے۔ کیا اس بھروسہ اور توکل کی کوئی اور نظیر بھی مل سکتی ہے۔ کیا کوئی انسان ہے جس نے اس خطرناک وقت میں ایسی بے توجہی اور لاپرواہی کا اظہار کیا ہو۔ اگر آپ کو دنیاوی اسباب کے استعمال کا خیال بھی ہوتا تو کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہئے تھا کہ آپ اس وقت یا تو سراقہ پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے یا وہاں سے تیز نکل جانے کی کوشش کرتے لیکن آپؐ نے ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں اختیار کی۔ نہ تو آپؐ تیز قدم

ہوئے اور نہ ہی آپؐ نے یہ ارادہ کیا کہ کسی طرح سراقہ کو ماردیں بلکہ نہایت اطمینان کے ساتھ بغیر اظہارِ خوف وہراس اپنی پہلی رفتار پر قرآن شریف پڑھتے ہوئے چلے گئے۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے اس وقت آپؐ کے دل کو ایسا مضبوط کر دیا۔ کونسی طاقت تھی جس نے آپؐ کے حوصلہ کو ایسا بلند کر دیا۔ کونسی روح تھی جس نے آپؐ کے اندر اس قسم کی غیر معمولی زندگی پیدا کر دی؟ یہ خدا پر توکل کے کرشمے تھے اس پر بھروسہ کے نتائج تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ظاہری اسباب میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ دنیا کی طاقتیں مجھے ہلاک نہیں کر سکتیں کیونکہ آسمان پر ایک خدا ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے جو ان سب اسباب کا پیدا کرنے والا ہے پس خالق اسباب کے خلاف اسباب کچھ نہیں کر سکتے یہ توکل آپؐ کا ضائع نہیں گیا بلکہ خدا نے اسے پورا کیا اور سراقہ جو دوسو اونٹ کے لالچ میں آیا تھا آپؐ سے معافی مانگ کر واپس چلا گیا اور خدا نے اس کے دل پر ایسا رعب ڈالا کہ اس نے اپنی سلامتی اس میں سمجھی کہ خاموشی سے واپس چلا جائے بلکہ اس نے اور تعاقب کرنے والوں کو بھی واپس لوٹا دیا۔

(سیرۃ النبیؐ از انوار العلوم جلد 1 صفحہ 491-493)

حاضرین! سفر طائف میں بھی دنیا نے آپؐ سے ایک عجیب شانِ توکل کا نظارہ دیکھا۔ خدا کا نبی تنِ تنہا کس مردانگی اور شجاعت سے ایک اجنبی دیس میں جا کر سردارانِ طائف کو مخاطب کرتا اور بے دھڑک خدا کا پیغام پہنچاتا ہے۔ نہ اپنی جان کا خوف ہے نہ کسی اور خطرے کی پرواہ۔ بس ایک ہی لَو لگی ہے کہ کس طرح حقِ تبلیغ ادا ہو جائے۔ بھروسہ ہے تو ایک اللہ کی ذات پر۔ سفر طائف سے واپسی پر بھی رسول اللہؐ کے توکل کا عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔

آپؐ کا خاندان اور اصحاب کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصوری کا تین سالہ دور، ہجرت مدینہ کا سفر، سفر طائف، غزوہ بدر میں سخت کمزوری کا عالم کہ 313 نہتوں کا ایک لشکر جرار سے مقابلہ، غرض کہ زندگی میں ہر موقع پر آپؐ کے توکل علی اللہ کی عجیب شان ظاہر ہوئی اور پھر خدا تعالیٰ کی ذات نے بھی ہر موقع پر غیب سے آپؐ کی نصرت فرمائی۔ آپؐ نے زندگی میں ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ کیا اور اپنی امت کو بھی اسی بات کی نصیحت کی کہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں۔

میں تجھ سے نہ مانگوں تو نہ مانگوں گا کسی سے
میں تیرا ہوں تو میرا خدا میرا خدا ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی خدا پر توکل کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ تقویٰ کی سب راہیں آپؐ نے طے کیں اور توکل علی اللہ کے تمام دروازوں میں سے گزرے۔ صبح سے شام تک نہ صرف خود خدا کے فرائض ادا کرنے میں لگے رہتے بلکہ ہزاروں کی نگرانی بھی فرماتے کہ وہ بھی اپنے فرائض ادا کرتے ہیں یا نہیں مگر اپنی تمام تر کوششوں اور عبادتوں کے باوجود آپؐ کا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر تھا۔ رات کو اپنے مولیٰ کے حضور عاجزی سے کھڑے ہو جاتے اور مناجات کرتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں یعنی خدا پر توکل رکھنا اور جزع فزع سے کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلا دیئے جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جب تک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 447-448)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا پر توکل کی ایک حیرت انگیز مثال جنگِ بدر کی ہے جب آپؐ ایک مختصر سے قافلہ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے تو ایک مشرک حاضرِ خدمت ہوا جس کی جرأت و بہادری کے بڑے چرچے تھے۔ اُس نے آپ کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کی اجازت چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں اس موقع پر ایک مشرک سے مدد نہیں لینا چاہتا۔

(صحیح مسلم کتاب الجهاد باب کراهة الاستعانة فی الغزو)

اس موقع پر مسلمان لشکر کو ایک ایک فرد کی ضرورت تھی۔ مگر اس جنگِ مقدس میں جو توحید کے نام پر اور توحید کے قیام کی خاطر لڑی جارہی تھی کسی مشرک کی شمولیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت کو

گوارہ نہ تھی۔ جنگ کے وقت آپ نے خدائے واحد کے آگے دعا اور مدد کے لئے ایسا سر جھکایا کہ جب تک فتح کی خوشخبری نہ مل گئی اس دَر سے نہیں اٹھے۔

آپؐ کی دعا ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ اے خدا! مَیں نے ہر آن تجھ پر توکل کیا اور ہمیشہ اللہ کی ذات ہی آپؐ کا پہلا اور آخری سہارا رہی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل کے معنی اپنی اُمّت کو یوں سمجھائے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مَیں اونٹ کو کھلا چھوڑ آیا ہوں اور اللہ پر توکل کیا ہے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو اور پھر توکل کرو۔ یعنی تدابیر کا اختیار کرنا توکل کے لئے ضروری ہے۔

(جامع الترمذی کتاب صفۃ القیامہ)

سامعین! آخری زمانہ میں دجّالی فتنوں سے بچنے کے لئے بھی رسول کریمؐ نے خدا پر توکل کی تعلیم دی اور فرمایا کہ جو شخص دجّال سے متأثر ہو کر اسے اپنا ربّ تسلیم کر بیٹھے گا وہ فتنہ میں مبتلا ہو گا اور جو اس کی ربوبیت کا انکار کر دے گا اور کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے اسی پر میرا توکل ہے تو اسے دجّالی فتنہ کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

(مسند احمد جلد 4 صفحہ 20)

مومن ہمیشہ اللہ پر توکل کرتے ہیں اسی مقامِ توکل کے باعث کبھی تو وہ طوفانوں میں کشتیاں ڈالنے کو تو کبھی آگ میں کودنے کو تیار ہو جاتے ہیں تو کبھی بے آب و گیاہ وادی میں اہل و عیال کو چھوڑ آتے ہیں۔ توکل علی اللہ کا مضمون بندے اور خالق کو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ زندگی کی تپتی زمین پر جب تلوے ہی کیا روح تک سلگنے لگے ایسے میں آسمان سے چھلکا پانی کا ایک قطرہ جسم و جاں میں امید اور شادابی بھر دیتا ہے، آنکھیں آسمان کی طرف دیکھنے لگتی ہیں، آسمان کو تکنے کے اس عمل کو ہی توکل کہتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ کی صفا و مروہ پر سعی اور اللہ پر یقین کہ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ نے پتھروں سے مزین گھر کو مقام عالی بنا دیا، سنگلاخ زمین سے لازوال چشمہ جاری کر دیا۔

اُٹھ	باندھ	کمر	کیا	ڈرتا	ہے
پھر	دیکھ	خدا	کیا	کرتا	ہے

اپنے معاملے کو خالق کے سپرد کر دو اصل طاقت اور قوت کی مالک ذات صرف اللہ کی ہے۔ وقت کی آنکھ نے دیکھا کہ دودھ پیتے موسیٰ غرق نہیں ہوئے حالانکہ وہ اپنی کمزوری کی انتہا پر تھے اور فرعون غرق ہو گیا حالانکہ وہ اپنی طاقت کی انتہا پر تھا۔ توکل کی فصل وفاؤں کے پانی سے سیر اب ہوتی ہے دعاؤں اور اخلاص سے نشوو نما پاتی اور مضبوط ہوتی ہے۔ توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا، آزمائشیں توکل کا حصہ ہوتی ہیں اگر توکل سے یہ مراد ہو کہ اِدھر خدا پر توکل کیا اُدھر فوراً وہ چیز میسر آگئی، پھر تو ہر دنیا دار بھی توکل کی طرف دوڑے گا، توکل میں کچھ اخفاء بھی ہوتا ہے کچھ آزمائشیں بھی ہوتی ہیں لیکن انجام کار توکل کرنے والے دوسروں کی نسبت کبھی پیچھے نہیں رہا کرتے ہر بات میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔

انسان کی زندگی میں اونچ نیچ آتے رہتے ہیں۔ توکل علی اللہ انسان کی زندگی اور حالات میں ایک مثبت اثر ڈالتا ہے۔ توکل علی اللہ انسان کو منزل کی طرف بڑھنے میں مدد کرتا ہے، توکل علی اللہ سے تمام راستے ہموار ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کی خاطر بے شمار اسباب پیدا کر رکھے ہیں۔ توکل ظاہری اسباب چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ ان تمام اسباب کو اختیار کرنے اور بہترین حکمتِ عملی اپنا کر رب پر بھروسہ کا نام ہے۔ اسباب کو اختیار کرنا تو امر لازم ہے مگر ان تمام اسباب اور بہترین حکمتِ عملی کے باوجود کامیاب کرنے والی ذات صرف رب کی ہے۔ یعنی اصل بھروسہ ان اسباب پر نہیں بلکہ ان تمام اسباب کو پیدا کرنے والی ہستی یعنی اللہ تعالیٰ پر کرنا ہے۔ اس کا نام توکل ہے۔ انسان اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے اپنے مُسَبّبُ الاسباب خدا کو پہچان لے یہ شناخت ہے جو حقیقی معنوں میں توکل پیدا کرتی ہے۔

اِس دَورِ آخرین میں جب دنیادار اپنے پیدا کرنے والے رب پر توکل کرنے کی بجائے اپنے وسائل پر بھروسہ کرتے ہوئے اللہ سے دور جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دنیا کی رہنمائی کے لئے مقرر فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ

توکل علی اللہ سے معمور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں) کہہ کر آپ کو توکل علی اللہ کا سبق دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”انسان کو چاہیے کہ تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھے تو پھر اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کے یہ معنی نہیں کہ انسان تدبیر کو ہاتھ سے چھوڑ دے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ تدبیر پوری کر کے پھر انجام کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اس کا نام توکل ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 566)

توکّل کا مضمون زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ توکّل کرنے والے اور نہ توکّل کرنے والوں میں بہت نمایاں فرق ہوتا ہے۔ جو سچا توکّل کر کے چلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نقصانات سے بچاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”معاشرے میں آج کل بہت سارے جھگڑوں کی وجہ طبیعتوں میں بے چینی اور مایوسی کی وجہ سے ہوتی ہے جو حالات کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہے اور یہ مایوسی اور بے چینی اس لئے بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ دنیاداری اور مادیت پرستی اور دنیاوی چیزوں کے پیچھے دوڑنے کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کم ہو گیا ہے اور دنیاوی ذرائع پر انحصار زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے اگر اپنی زندگیوں کو خوشگوار بنانا ہے تو جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دعاؤں پر زور دیں اور اسی سے آپ کی دنیا اور عاقبت دونوں سنوریں گی۔ اور یہی توکل جو ہے آپ کا آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کی نسلوں میں بھی آپ کے کام آئے گا۔“

(خطبات مسرور جلد 1 صفحہ 252)

پس ہمیں چاہئے کہ ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توکل کے مضمون کو سمجھنے اور اس پر صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

﴿8﴾ ﴿مشاہدات۔870﴾

اَلْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ (حضرت محمدؐ)

یقین میری قوّت ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ۔حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِین۔لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ۔ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ۔ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۔(التکاثر:2-9)

تمہیں غافل کر دیا ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی دوڑ نے۔ یہاں تک کہ تم نے مقبروں کی بھی زیارت کی۔ خبر دار! تم ضرور جان لوگے۔ پھر خبر دار! تم ضرور جان لوگے۔ خبر دار! اگر تم یقینی علم کی حد تک جان لو۔ تو ضرور تم جہنّم کو دیکھ لوگے۔ پھر تم ضرور اُسے آنکھوں دیکھے یقین کی طرح دیکھوگے۔ پھر اس دن تم ناز و نعم کے متعلق ضرور پوچھے جاؤ گے۔

مَیں غلاموں کے غلاموں کا غلام
مَیں بھلا کس منہ سے لوں احمدؐ کا نام
میم کے پردے میں ہے جس کا مقام
اس پہ ہوں لاکھوں درود، اربوں سلام
"سالکاں را نیست غیر از وَے اِمام
رہرواں را نیست جُز وَے رہبرے"

معزز سامعین! ربیع الاوّل کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تقاریر تیار کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اِس ضمن میں مجھے الشفاء لقاضی عیاض بن موسیٰ میں درج حضرت علیؓ کی ایک روایت ملی ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق 20 خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ آج ان 20 خصوصیات میں سے

تیرھویں صفت اور خصوصیت اَلْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ کہ یقین میری قوّت ہے پر کچھ کہنے کے لئے مَیں آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ آگے بڑھنے سے قبل اِس پوری روایت کا جاننا ضروری ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی سیرت کے حوالے سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

اَلْمَعْرِفَةُ رَاسُ مَالِیْ وَالْعَقَلُ اَصْلُ دِیْنِیْ ، وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ، وَالثِّقَةُ کَنْزِیْ ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ، وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ، وَالیَّقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ، وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ ، وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ وَثَمْرَةُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَمِّیْ لِاَجلِ اُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

(الشِّفَاءِ لقاضی عیاض بن موسٰی صفحہ 81)

کہ معرفت میرا سرمایہ ہے اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے اور محبت میری اساس ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے اور وثوق میرا خزانہ ہے اور غم میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر ہے اور زُہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا شفیع اور اطاعت میرا حسب، جہاد میرا خلق اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّ وجلّ کی طرف ہے۔

سامعین! آج کی تقریر کے عنوان میں ہر دو الفاظ یقین اور قوّت عام طور پر قابلِ فہم ہیں لیکن یہاں اِن دونوں الفاظ کے لغوی معانی جان لیتے ہیں۔ یقین ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو گمان و شک سے پاک ہو۔ جس کے برپا ہونے میں ذرا بھر شک و شبہ کا شائبہ تک نہ ہو۔ اردو زبان کا مقولہ ہے کہ "یقین بڑا رہبر ہے" یعنی انسان کو اگر یقین ہو تو اُسے کامیابی مل ہی جاتی ہے۔ ہم اِس دنیا میں دیکھتے آئے ہیں اور آئندہ بھی دیکھتے چلے جائیں گے کہ مادی اور روحانی ہر دو دنیا میں کامیابیاں کامل یقین رکھنے والے کو ملتی ہیں۔ کیونکہ ایمان و ایقان میں ترقی اور اِس میں مضبوطی کامل یقین سے ہی آتی ہے۔ کیونکہ یقین، کامل توکّل، اطمینان، اعتماد اور اعتبار کو کہتے ہیں۔

جبکہ قوّت، طاقت، توانائی، سہارا، اعانت اور کُمک کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور اَلْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ کے معانی یہ ہوں گے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ پر یقین اور اسلام کی کامیابیوں پر یقین ایک ایسی خدائی طاقت اور قوّت ہے جو مجھے مزید ترقیات اور آگے بڑھنے کے لئے کُمک مہیا کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے پاکیزہ لٹریچر میں مختلف مقامات پر اپنی آمد کی اغراض بیان کی ہیں جن میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ "تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں" ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں روایت ہے کہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ فرماتے ہیں: "مجھے خوب یاد ہے اور مَیں نے اپنی نوٹ بک میں اس کو لکھ رکھا ہے کہ جالندھر کے مقام پر ایک شخص نے حضرت اقدس امام صادق حضرت میرزا صاحبؑ کی خدمت میں سوال کیا کہ آپ کی غرض دنیا میں آنے سے کیا ہے؟" آپؑ نے فرمایا کہ "مَیں اس لئے آیا ہوں **تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں۔**"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 1، ایڈیشن 2003ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام علم کی تین قسمیں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"ان آیات (سورت التکاثر کی آیات جن کی تلاوت مَیں اوپر کر آیا ہوں) میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ اِسی جہان میں بدکاروں کے لئے جہنمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اپنی دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لیں گے اور اس جگہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تین درجوں پر منقسم کیا ہے یعنی علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اور عام کے سمجھنے کے لئے ان تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دور سے کسی جگہ بہت سا دُھواں دیکھے اور دھویں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے اور آگ کے وجود کا یقین کرے اور اس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق لا ینفک اور ملازمت تامّہ ہے۔ جہاں دھواں ہو گا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو۔ پس اس علم کا نام علمُ الیقین ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھ لے تو اس علم کا نام عَینُ الیقین ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہو جائے تو اس علم کا نام حقُّ الیقین ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دنیا میں ہو سکتا ہے۔ پھر عالم برزخ میں عین الیقین حاصل ہو گا اور عالم حشر اجساد میں وہی علم، حقُّ الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچے گا۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 402)

سامعین! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اللہ تعالیٰ پر غیر معمولی توکّل اور بھروسہ کے واقعات اس طرح بھرے ہوئے ہیں جس طرح آسمان ستاروں سے بھرا ہوتا ہے۔ آج خاکسار اپنی تقریر میں کچھ ایسے ہی واقعات آپ کے سامنے پیش کرے گا۔

سب سے پہلے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے چچا نے جب کفار کے خوف سے آپؐ کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کے اظہار سے روکنے کی کوشش کی تو آپؐ نے کیا خوبصورت جواب دیا جس سے آپؐ کا اپنے اللہ پر مکمل یقین اور بھروسے کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں طرف چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی مَیں اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، مباداۃ رسول اللّٰہؐ قومہ وما کان منھم)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نجد سے واپسی پر دوپہر کو ایک خاردار وادی میں اُترے اور ایک درخت کے نیچے ستانے کے لئے رکے۔ آپؐ نے اپنی تلوار کیکر کے اُس درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ ایک بدّو کا اُدھر سے گزر ہوا اُس نے آپؐ ہی کی تلوار پکڑ کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کون تمہیں مجھ سے اِس وقت بچا سکتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اِس قدر تسلّی، پختہ یقین اور اللہ پر کامل بھروسہ سے فرمایا۔ میرا اللہ! آپؐ کی آواز میں اِس قدر رعب تھا کہ اُس کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر گئی۔

(بخاری کتاب المغازی)

ایک اور روایت میں یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے اور اِس میں مزید یہ لکھا ہے کہ جب تلوار اِس دشمنِ اسلام کے ہاتھ سے نیچے گری تو پھر اُسے پکڑ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مخاطب ہو کر پوچھا۔ اب تُم بتاؤ! تمہیں مجھ سے کون بچائے گا جس پر وہ بولا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ کے توکّل اور یقین کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ

”اللہ تعالیٰ پر توکّل کا یہ حال تھا کہ جب ایک شخص نے اکیلا پا کر آپ پر تلوار اُٹھائی اور آپ سے پوچھا۔ اب کون تُم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟ اُس وقت باوجود اِس کے کہ آپ بے ہتھیار تھے اور بوجہ لیٹے ہوئے ہونے کے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے نہایت اطمینان اور سکون سے جواب دیا۔ ”اللہ“۔ یہ لفظ اِس

یقین اور وثوق سے آپ کے منہ سے نکلا کہ اُس کافر کا دل بھی آپ کے ایمان کی بلندی اور آپ کے یقین کے کامل ہونے کا تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا اور اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ جو آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا تھا آپ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا ہو گیا۔"

(نبیوں کا سردار صفحہ 270)

سامعین! حدیقۃ الصالحین میں آپؐ کے اللہ پر کامل یقین کا واقعہ یوں درج ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے مدینہ میں پہرہ لگا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ آیت نازل ہوئی تو آپؐ خیمہ سے باہر آئے اور بلند آواز سے اللہ پر یقینِ محکم سے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تُم لوگ گھر جاسکتے ہو میری حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود لے لی ہے۔

(حدیث نمبر 58)

آپؐ جب ہجرتِ مدینہ کرتے ہوئے غارِ ثور میں تھے تو تعاقب کرنے والوں کے پاؤں دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ گھبرا گئے تو آپؐ نے کمال یقین سے فرمایا کہ اے ابو بکر! گھبراؤ مت۔ ہم دو نہیں بلکہ تیسرا خدا ہمارے ساتھ ہے۔

(بخاری کتاب المناقب)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

"اللہ اللہ! کیا توکّل ہے۔ دشمن سر پر کھڑا ہے اور اتنا نزدیک ہے کہ ذرا آنکھ نیچی کرے اور دیکھ لے لیکن آپؐ کو خدا تعالیٰ پر ایسا یقین ہے کہ باوجود سب اسباب مخالف کے جمع ہو جانے کے آپؐ یہی فرماتے ہیں کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ خدا تو ہمارے ساتھ ہے پھر وہ کیوں کر دیکھ سکتے ہیں؟"

(سیرۃ النبیؐ صفحہ 49)

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اُس کو سو اونٹ ملیں گے۔ سراقہ بن جعشم نے آپؐ کا تعاقب کیا اور اس قدر قریب پہنچ گیا کہ وہ آپؐ کو پا سکتا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار گھبرا کر ادھر دیکھ رہے تھے۔ لیکن ایک دفعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ سراقہ کس ارادہ سے آ رہا ہے۔ یہاں دل پر وہی سکینت ربانی طاری تھی اور لب ہائے

مبارک تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ سراقہ نے بیان کیا کہ مَیں ان کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ مجھے آپؐ کی تلاوت کی آواز سنائی دینے لگی۔ غم کے مارے ابو بکرؓ کا یہ حال تھا کہ اپنے محبوب کی جان کے خوف سے بار بار پلٹ کر دیکھتے۔ حضرت ابو بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ جذباتِ خوف سے مغلوب ہو کر مَیں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب تو پکڑنے والا بالکل سر پر آن پہنچا ہے اور مَیں اپنے لیے نہیں بلکہ آپؐ کی خاطر فکر مند ہوں۔ اس پر آپؐ کی زبانِ مبارک سے وہی بابرکت کلمات نکلے جن سے آپؐ کی روح کا خمیر اٹھایا گیا تھا۔ یعنی غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبة:40)۔ سراقہ اس تعاقب میں گھوڑے سے بار بار گرا اور سنبھلا اور بالآخر اپنا ارادہ ترک کر کے صلح کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے معافی کا خواستگار ہوا۔ اُس کا گھوڑا جو ریت میں دھنس گیا تھا، آپؐ کی دعا کی برکت سے باہر نکلا۔ سراقہ کو اپنے مشاہدے کی بِنا پر کامل یقین ہو گیا کہ بالآخر آپؐ یقیناً غالب آئیں گے۔ اس خیال سے اُس نے کمال دُوراندیشی سے درخواست کی کہ مجھے امن کی تحریر عطا فرمائیں۔ چنانچہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر لکھ کر اُسے دے دی گئی۔ وہ واپس جانے لگا تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر اُس کو فرمایا: سراقہ! اُس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے!

یہ سن کر وہ ششدر رہ گیا اور تعجب سے پوچھا: کسریٰ بن ہرمز شہنشاہِ ایران؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں!

دنیاوی انعام کے لالچ میں آپؐ کا تعاقب کرنے والا سراقہ حیرت کی تصویر بنا ہوا واپس روانہ ہوا اور یقین کامل سے آپؐ کی فرمائی ہوئی آسمانی خبر سترہ سال بعد حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ھجرۃ النبی و اصحابہ إلی المدینۃ)

سامعین! حضرت عمرؓ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلے تو خدا کی تقدیر اُنہیں اسی حالت میں دارِ ارقم کے دروازے پر لے گئی لیکن دل ایمان سے منور ہو چکا تھا۔ دار ارقم میں موجود صحابہؓ نے دشمنِ اسلام کو اس حالت میں دیکھا تو ڈرے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توکّل علی اللہ اور جرأت کا یہ عالم تھا کہ کسی توقّف کے بغیر صحابہ سے فرمایا کہ ڈرو نہیں اور دروازہ کھول دو۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو آپؐ نے پوچھا: عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟

عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مسلمان ہونے آیا ہوں۔ آپؐ نے بلند آواز سے اللہ اکبر فرمایا تو صحابہؓ کے پُرجوش نعروں سے مکّہ کی وادی گونج اُٹھی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تو شہنشاہِ فارس کسریٰ نے بڑے تکبّر سے آپؐ کا خط ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب آپؐ کو اس کا علم ہوا تو اپنے خدا پر کامل یقین کے ساتھ فرمایا: ''خدا خود ان لوگوں کو پارہ پارہ کر دے۔''

کسریٰ نے یمن کے گورنر کے ذریعے آپؐ کو گرفتار کرنے کے لیے دو سپاہیوں کو خط دے کر پہلے سے ہی بھجوا رکھا تھا۔ آپؐ نے خط کا مضمون سنا جس میں لکھا تھا کہ فی الفور اپنے آپ کو ان لوگوں کے سپرد کر دیں۔ اس خطرناک موقع پر آپؐ نے کسی گھبراہٹ کا اظہار کیے بغیر ایلچیوں سے فرمایا کہ آج رات یہاں ٹھہرو، کل تمہیں جواب دوں گا۔ پھر اگلی صبح آپؐ نے ان نمائندوں کو فرمایا: تم واپس چلے جاؤ اور اپنے آقا (والیٔ یمن) سے جا کر کہہ دو کہ میرے ربّ نے آج رات تیرے ربّ یعنی کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ وہ لوگ یہ بات سن کر ہکّا بکّا رہ گئے اور واپس چلے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اسی رات خسرو پرویز کو اُس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا تھا۔ یہ عظیم الشان واقعہ اللہ تعالیٰ کی معجزانہ حفاظت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اللہ پر یقین اور بے مثال توکّل کا مظہر ہے۔

سامعین! غزوہ حنین کے دوران ایک ایسا نازک موقع آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف چند صحابہؓ کھڑے رہ گئے۔ تین اطراف سے دشمن کے تیر اندازوں کا شدید حملہ تھا اور بچاؤ کے لیے صرف ایک تنگ راستہ تھا جس میں سے بیک وقت صرف چند آدمی گزر سکتے تھے۔ اس خطرناک راستے سے گزرے بغیر بچاؤ کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی۔ ایسے میں حضرت ابو بکرؓ نے آنحضورؐ کی حفاظت کے خیال سے نہایت لجاجت سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ تھوڑی دیر کے لیے پیچھے ہٹ جائیں تاکہ اسلامی لشکر کو پھر سے جمع ہونے کا موقع مل جائے۔ لیکن آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی نصرت پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے جو جرأت مندانہ اقدام فرمایا وہ ساری تاریخ میں عدیم النظیر ہے۔ آپؐ جس خچر پر سوار تھے، آپؐ نے اسے ایڑھ لگائی اور اُسی تنگ راستے پر آگے بڑھنا شروع کیا جس کے دائیں بائیں سے تیر برسائے جا رہے تھے۔

آپؐ کی زبان مبارک پر اُس وقت یہ الفاظ جاری تھے :

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ

اَنَا اِبْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

کہ مَیں خدا کا نبی ہوں اور بخدا مَیں اس دعوے میں جھوٹا نہیں، اسی لیے توکّل اور خدائی حفاظت کے نتیجے میں محفوظ ہوں وگرنہ مَیں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور عبد المطلب کا پوتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل مُتَبَتِّل تھے ویسے ہی کامل متوکّل بھی تھے اور یہی وجہ ہے کہ اتنے وجاہت والے اور قوم اور قبائل والے سرداروں کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور ان کی مخالفت سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ آپؐ میں ایک فوق العادت یقین خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ اسی لیے اس قدر عظیم الشان بوجھ کو آپؐ نے اٹھالیا اور ساری دنیا کی مخالفت کی اور ان کی کچھ بھی ہستی نہ سمجھی۔ یہ بڑا نمونہ ہے توکل کا جس کی نظیر اس دنیا میں نہیں ملتی۔"

(الحکم جلد 5 نمبر 37 صفحہ 1-3 پرچہ 10 اکتوبر 1901ء)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ پر یقین رکھنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"اے خدا کے طالب بندو! کان کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہیں یقین ہی ہے جو گناہ سے چھڑاتا ہے۔ یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے کیا تم گناہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو۔ کیا تم جذبات نفس سے بغیر یقینی تجلّی کے رُک سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو۔ کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کفّارہ اور ایسا فدیہ ہے جو تم سے گناہ ترک کرا سکے..... پس تم یاد رکھو کہ بغیر یقین کے تم تاریک زندگی سے باہر نہیں آسکتے اور نہ روح القدس تمہیں مل سکتا ہے۔ مبارک وہ جو یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہی خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک وہ جو شبہات اور شکوک سے نجات پا گئے ہیں کیونکہ وہی گناہ سے نجات پائیں گے۔ مبارک تم جب کہ تمہیں یقین کی دولت دی جائے کہ اس کے بعد تمہارے گناہ کا خاتمہ ہوگا۔"

(فتح اسلام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 10-11)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اپنے اللہ پر یقین کامل تھا۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

”اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو مَیں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ مَیں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ مَیں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا کبھی نہیں چھوڑے گا کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ مَیں اُس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اُس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اِس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اُس کا جلال چمکے اور اُس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اُس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہو۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔“

(انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 23)

حضرت مسیح موعودؑ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

”مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب مَیں کسی کتاب کا مضمون لکھنے بیٹھتا ہوں اور قلم اٹھاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی اندر سے بول رہا ہے اور میں لکھتا جاتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سلسلہ ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کو سمجھا بھی نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور میرا ایمان تو یہ ہے کہ جنت ہو یا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ پر پورا یقین ہونا ہی جنت ہے۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 270 ایڈیشن 1988ء)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”توکّل کی اعلیٰ ترین مثالیں تو حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رقم فرمائی ہیں اور کیوں نہ ہو، آپ ہی تو انسان کامل تھے اور ساتھ ہی امت کو بھی سبق دے دیا کہ میری پیروی کرو گے، خدا سے دل

لگاؤ گے، اس کی ذات پر ایمان اور یقین پیدا کرو گے تو تمہیں بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اور اپنے پر توکّل کرنے کے نتیجہ میں وہ تمہیں بھی اپنے حصار عافیت میں لے لے گا۔"

(خطبہ جمعہ 15 اگست 2003ء)

آپ ایدہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

جیسا کہ مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ روزمرہ کے معاملات میں بھی توکل کی کمی بہت سی برائیوں میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ مثلاً غلط بیانی ہے، جھوٹ ہے، جو انسان بعض دفعہ اپنے آپ کو کسی سزا سے بچانے کے لئے بول لیتا ہے۔ یا افسر کی ناراضگی سے بچنے کے لئے غلط بیانی سے یا جھوٹ سے کام لیتا ہے اور اس بات پر بڑے خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو مَیں نے عدالت کو یا افسر کو ایسا چکر دیا اور اپنے حق میں فیصلہ کروا لیا...... اپنا رازق ایسے لوگ اپنے افسروں کو ہی سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ذرا سا بھی توکل نہیں ہوتا۔ اس پر یقین ہی نہیں ہوتا اور پھر آہستہ آہستہ ایسے لوگ بندے کو بھی خدا کا درجہ دے دیتے ہیں۔ تو دیکھیں غیر محسوس طریقے سے جھوٹ اور جھوٹی خوشامد شرک کی طرف لے جاتی ہے اور پھر اس طرف دھیان ہی نہیں جاتا کہ وہ سمیع و علیم خدا بھی ہے جو میرے حالات بھی جانتا ہے، جس کے آگے مَیں جھکوں، اپنی تکالیف بیان کروں، اپنے معاملات پیش کروں۔ تو وہ دعاؤں کو سننے والا ہے، وہی میری مدد کرے گا، اور مشکلات سے نکالے گا اور نکالنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور اسی پر مَیں توکل کرتا ہوں.... پس ہر احمدی کو ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس طریق پر چلنا چاہئے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائے اور جن کو اس زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عمل سے ہمارے سامنے رکھا۔"

(خطبہ جمعہ 15 اگست 2003ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

﴿9﴾ ﴿مشاہدات۔926﴾

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

پس (اے جنّ وانس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن:14)

پس (اے جنّ وانس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے

ہے شکر رب عزّوجل خارج از بیان
جس کی کلام سے ہمیں اُس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اُس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہوگیا
وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

معزز سامعین! مَیں نے آج آپ حاضرین کو جو روحانی اور علمی مائدہ دینے جارہا ہوں وہ سورت الرحمٰن کی آیت فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کی تفسیر و تشریح ہے اور وہ عظیم سبق بیان کرنے ہیں جو اس سورۃ میں بار بار یعنی 31 دفعہ دہرا کر بیان کیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ برطانیہ 2025ء کے بعد یکم اگست 2025ء کو جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اُس میں حضور نے شکرِ الٰہی اور بندوں کا شکریہ ادا کرنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اُس کے شکر گزار بندے بنو اور جب تم شکر گزاری کروگے تو مَیں تمہیں اپنے فضلوں سے اور زیادہ نوازوں گا اور زیادہ فضل تم پر برساؤں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: 8) کہ اگر تم شکر کرو گے، شکر گزار بنو گے تو مَیں تمہیں اور بھی زیادہ دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا مزید وارث بننے کے لیے شکر گزاری کی ضرورت ہے۔"

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ جوں جوں شکرِ الٰہی اور بندوں کے شکریہ ادا کرنے کے مضمون کو لے کر آگے بڑھے۔ میر اذہن سورۃ الرحمان کی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کی طرف گیا جس کو آج خاکسار نے موضوعِ سخُن بنایا ہے۔ سورہ رحمن کی کل 79 آیات ہیں۔ جن میں سے 31 بار اِس آیت کو دہرایا گیا ہے۔ باقی 48 آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو اُس نے اپنے بندوں پر بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا تمیز مذہب و ملت نازل کی ہیں۔ اگر ان نعماء کا احاطہ کرنا چاہیں تو وہ ناممکنات میں سے ہے کہ ان کو جمع کیا جائے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر اُس کے لیے بنائی جانے والی ساری کائنات وَمَا فیہا کا ذکر کیا ہے جو انسان کی آسائش اور سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی اور بے شمار نعمتوں اور حسنات کا ذکر کیا ہے۔

نعمتِ الٰہی کا اقرار دل سے، زبان سے اور عمل سے کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ ایسا نہ کرنا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اسی لیے جیسے ہی یہ آیت فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ادا کیے :

لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعْمَكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ہمارے ربّ! ہم تیری کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرتے۔ پس سب تعریف تیرے لیے ہے۔

سامعین! آیت نمبر 13 کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے نعماء کے ذکر کی بوچھاڑ کی ہے تو ہر آیت کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے الفاظ لا کر انس و جنّ کو توجہ دلائی ہے کہ ان نعمتوں کو جھٹلاؤ مت اور اپنے اللہ کا ذکر اور اس کا شکر ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے رَبِّكُمَا کہہ کر جنّ و انس کا ذکر فرمایا ہے۔ عام انسانوں کے ساتھ جنوں کا ذکر اس لیے بالخصوص فرمایا کہ عام انسان تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے ہی رہتے ہیں۔ اُس کے حضور دعائیں بھی کرتے ہیں مگر معاشرے میں بسنے والے بڑے لوگ جو جنّ کہلاتے ہیں اور کم ہی معاشرہ میں نمودار ہوتے ہیں ان کو بھی ان تمام نعماء کو سامنے رکھ کر اپنے اللہ کے حضور جھکنا چاہیے اور شکر کے جذبات بھی اُبھرنے چاہییے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"جنّ امراء اور اِنس عوام۔ سو آج کل ایک طرف امرا کا گروہ ہے یعنی کیپٹل ازم اور دوسری طرف دلتاریت یعنی عوام کا، یا یوں کہو کہ روس کا۔"

(تفسیر صغیر فٹ نوٹ آیت 34)

سامعین! یہاں شکرِ الٰہی کی طرف توجہ دلانے کا جو نیا اور انوکھا انداز اللہ تعالیٰ نے اپنایا ہے وہ بھی بہت نرالا انداز ہے اور اِس پر بھی بات کرنا ضروری ہے۔ اِس انداز میں شکر گزار اور ناشکرے دونوں کو توجہ دلائی ہے اور شکر گزار نہ بننے والوں کو زیادہ مخاطب کیا ہے کہ باوجود تمہارے خالقِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ کے تُم پر ہونے والے بے شمار احسانات اور انعامات کے تُم کن کن انعامات کا انکار کروگے۔ تمہیں تو ہر نعمت پر شکر گزاری بجالانی چاہیے اور شکر گزار لوگوں کو مزید شکر گزار بندے بننے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اِسی لیے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس آیت کے تحت فٹ نوٹ ہی میں تحریر کرتے ہیں۔

"یعنی تباہی کے وقت پوچھیں گے کہ کیا بے انتہا نعمتیں ہیں تم پر نازل نہ ہوئی تھیں اور تم دین سے تمسخر نہ کرتے تھے۔ اس میں یہ تحدید بھی ہے کہ اگر ناشکرا پن دکھلاؤ گے جس کے بدلے عذاب آجائے تو پھر اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں گے۔ ان نعمتوں کا قبل اس کے کہ عذاب آجائے شکر ادا کرو تا اللہ تعالی کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔"

سامعین! کسی بات کو بار بار دہرانے سے اپنی بات کو مؤثر رنگ میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی اہم بات کو دو دو تین تین بار دُہرایا کرتے تھے۔ یہی کیفیت مامور زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہے۔ آپ علیہ السلام کے متعلق تو پیشگوئی بھی تھی کہ وہ بات کو دُہرائے گا۔ آپ علیہ السلام اِس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ، بار بار توجہ دلانے کے واسطے ہے۔ اِس تکرار پر نہ جاؤ قرآن شریف میں اور بھی تکرار ہے۔ مَیں خود بھی تکرار کو اِسی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔ میری تحریروں کو اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ اس تکرار کو بکثرت پائے گا۔ حقیقت سے ناخبر انسان اس کو منافی بلاغت سمجھ لے گا اور کہے گا کہ یہ بھول

کر لکھا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید پڑھنے والا پہلے جو لکھا ہے اسے بھول گیا ہو۔ اس لیے بار بار یاد دلاتا ہوں تاکہ کسی مقام پر تو اس کی آنکھ کھلے۔ اِنَّما الاعمالُ بالنِّیَّاتِ

علاوہ بریں تکرار پر اعتراض ہی بے فائدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی تو انسانی فطرت میں ہے کہ جب تک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور سُبْحانَ رَبِّیَ الْعَظِیمِ بار بار کیوں کہلوایا؟ ایک ہی بار کافی تھا۔ نہیں۔ اس میں یہی سِرّ ہے کہ کثرت تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورۃ الجمعہ:11)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ جس طرح پر ذہنی تعلق ہوتا ہے اور کثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کر دیتی ہے۔ اِسی طرح ایک روحانی تعلق بھی ہے اس میں بھی تکرار کی حاجت ہے۔ بدوں تکرار وہ روحانی پیوند اور رشتہ قائم نہیں رہتا.... حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخر وحی ہو جاتی ہے۔ صوفی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا کے یہ معنی ہیں کہ اس قدر ذکر کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ کا نام کنٹھ ہو جاوے۔ انبیاء علیہم السلام کے طرز کلام میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ ایک امر کو بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ تا مخلوق کو نفع پہنچے۔ مَیں خود دیکھتا ہوں میری کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اگر چار صفحے میری کسی کتاب کے دیکھے جاویں تو ان میں ایک ہی امر کا ذکر 50 مرتبہ آئے گا اور میری غرض یہی ہوتی ہے کہ شاید پہلے مقام پر اس نے غور نہ کیا ہو اور یوں ہی سرسری طور پر گزر گیا ہو۔

قرآن شریف میں اعادہ اور تکرار کی بھی یہی حکمت ہے۔ یہ تو احمقوں کی خشک منطق ہے جو کہتے ہیں کہ بار بار تکرار سے بلاغت جاتی رہتی ہے۔ وہ کہتے رہیں۔ قرآن شریف کی غرض تو ایک بیمار کا اچھا کرنا ہے۔ وہ تو ضرور ایک مریض کو بار بار دوا دے گا۔ اگر یہ قاعدہ صحیح نہیں تو پھر ایسے معترض جب کوئی ان کے ہاں بیمار ہو جاوے تو اسے بار بار دعا کیوں دیتے ہیں اور آپ کیوں دن رات کے تکرار میں اپنی غذا، لباس وغیرہ امور کا تکرار کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں مَیں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک انگریز نے محض اسی وجہ سے خودکشی کر لی تھی کہ بار بار وہی دن رات اور غذا مقرر ہے اور مَیں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

(الحکم جلد 9 نمبر 40 مورخہ 17 نومبر 1905 صفحہ 9)

سامعین! آلاء ایسی نعمتوں کو کہتے ہیں جو گنی نہ جا سکیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سورہ الرحمٰن کے تعارفی نوٹ میں اس تکرار کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اِس کے بعد جنّ و انس کو مخاطب کر کے اس بات کی بکثرت تکرار ہے کہ تم دونوں آخر خدا کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے اور اِسی تعلق میں جنّ و انس کی پیدائش کا فرق بھی بیان فرما دیا کہ جنّ کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا گیا۔ فی زمانہ جنّ کے لفظ کی مختلف تشریحات کی جاتی ہیں لیکن یہاں جنّ کی ایک تشریح یہ ہے کہ وائرس اور بیکٹیریا بھی جنّات ہیں جو ابتدائے افرینش میں آسمان سے گرنے والی آتشی ریڈیائی لہروں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ فی زمانہ اس بات پر تمام سائنسدان متفق ہو چکے ہیں کہ بیکٹیریا، بیکٹیریا اور وائرسز براہ راست آگ سے توانائی پا کر وجود پکڑتے ہیں۔"

(ترجمۃ القران صفحہ 973)

جنّ و انس کو کیوں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کو کہا گیا۔ اس کی ایک وجہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں۔

"پھر انسان کے متعلق ایک ایسی پیش گوئی فرمائی گئی جو عظیم الشان حکمت اور تخلیق کے گہرے رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ گیلی مٹی سے انسان کے پیدا کرنے کا تصوّر تو پچھلی سب کتابوں میں موجود ہے لیکن کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں سے انسان کا پیدا کیا جانا ایک ایسا تصوّر ہے جو قرآن مجید سے پہلے کسی کتاب نے بیان نہیں کیا یہاں تفصیل کا موقع نہیں لیکن سائنسدان جانتے ہیں کہ تخلیق کے دوران ایک ایسی منزل بھی آئی جب ضروری تھا کہ تخلیقی مادوں کو بجنے والی ٹھیکریوں کی صورت میں خشک کر دیا جائے اور پھر سمندر نے واپس اس خشک مادے کو اپنی لہروں میں لپیٹ لیا اور انسان کی کیمیائی ترقی کا ایک ایسا سفر شروع ہوا جس میں انسان کی تخلیق کے لیے یہ ضروری کیمیا بار بار اپنے ابتدائی دور کی طرف نہ لوٹیں۔"

(ترجمۃ القران صفحہ 973)

سامعین! ہمیں اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے انسان کو بے انتہا استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا اور پھر اُس کو بیان کرنے کی طاقت بھی عطا فرمائی۔ وہ ساری قوتیں اور طاقتیں عطا فرمائیں جو ہمیں حیوانوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ انسان کو عقل دی علم دی جس سے وہ تحقیق کے مراحل طے کرتا ہے اور

خدا تعالیٰ کی قدرت کی گواہی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو اس کی پرورش کے لئے اپنی نعمتیں بھی اتاری ہیں۔ ہمیں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ جو رزق مہیا ہو رہا ہے یہ اللہ کے سوا کوئی اور مہیا کر رہا ہے۔ اس رزق کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو رب العالمین ہے۔ زمین جو رزق پیدا کر رہی ہے اس رزق کے پیدا کرنے کے لئے بھی آسمان کی مدد کی ضرورت ہے۔ آسمانی پانی نہ ہو تو زمینی پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔ پس زمین سے رزق پیدا کرنے والا بھی خدا ہے اور آسمان سے ان ذرائع کا پیدا کرنے والا بھی خدا ہے جو زمینی رزق پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور ہمیں اُس رازق کا ہر لمحہ شکر گزار بننا ہے۔

سامعین! اب مَیں اختصار سے اس سورۃ میں بیان اللہ کی نعمتوں کا ذکر کر دیتا ہوں۔ آسمان کی رفعتوں میں توازن کا بر قرار رہنا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ایک نعمت کا ذکر یوں فرماتے ہیں کہ

"آیت رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ میں دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے انسان کو صرف ایک مشرق اور ایک مغرب کا علم تھا۔ اس بہت ہی چھوٹی سی آیت میں آئندہ زمانہ کی عظیم الشان دریافتوں کے بارے میں پیش گوئی ہے۔"

(ترجمۃ القران صفحہ 976)

شمس و قمر کی بناوٹ ان کی حرکت اور ہم آہنگی کو دیکھ کر انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ایک عظیم نظام ہے اور اس نظام کے اندر گہرے حقائق پوشیدہ ہیں اور اس سے نکلنے والے نتائج دُور رس ہیں۔ ہمارے لئے سورج ہی زیادہ اہم ہے یعنی ہم زمین کے باشندوں کے لئے کیونکہ انسان کی زندگی سورج کی حرارت کی مرہون منت ہے۔ اس طرح چاند جو اس زمین کا ایک چھوٹا سا سیارچہ ہے لیکن اسے بھی اس زمینی زندگی میں اہمیت حاصل ہے۔ سمندروں کے اندر مدّ و جزر اسی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ سورج زمین سے 5 لاکھ 29 میل دُور ہے۔ اگر یہ اس سے قریب تر ہوتا تو زمین جل جاتی اور تمام پانی بخارات میں بدل جاتا اور بخارات فضا میں بلند ہو جاتے اور اگر یہ ذرا اور دُور ہوتا تو تمام چیزیں منجمد ہو جائیں۔ ہم تک سورج کی جو حرارت پہنچتی ہے، وہ اس کی حرارت کے دو ملین حصوں میں سے ایک حصہ پہنچتی ہے اور ہماری موجودہ زندگی کے لئے یہی معمولی حرارت کافی ہے۔ اِسی طرح چاند کا حجم بھی ایک حساب کے مطابق

ہے۔ اگر یہ اس سے ذرا بھی بڑا ہوتا تو سمندر کے اندر اس قدر طوفان آتے کہ زمین بار بار ڈوبتی رہتی۔ اسی طرح اگر یہ ہم سے قریب ہو جاتا یعنی جہاں ہے تو بھی زمین پر طوفان مچا دیتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اُس نے جہاں سورج اور چاند کو رکھا ہے وہ وہاں سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

"اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ایک اصول ہے جو ایک رفتار پر ایک جہت میں ایک ہی زاویہ اور محور پر کار فرما ہے۔ زمین ایک ہی محور پر گردش کرتی ہے۔ اسی طرح چاند ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر چند نیزوں کے فرق سے زیادہ قریب ہوتی زمین سورج سے تو یہاں اتنی گرمی ہوتی کہ انسان زندہ نہ رہ سکتا اور اگر چند نیزوں کے فرق سے پرے ہوتی، دور ہوتی تو یہاں اتنی سردی ہوتی کہ انسان زندہ نہ رہ سکتا۔"

(انوار القرآن جلد 3 صفحہ 385)

پھر فرمایا وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ یعنی اور اسی کی (صنعت) وہ کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند کی جائیں گی۔ یہ اونچے اٹھے ہوئے جہاز اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہیں کیونکہ سمندروں میں یہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے چلتے ہیں۔ گہرے سمندروں اور امواج کے تھپیڑوں میں انہیں صرف اللہ ہی حفاظت دیتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی نگرانی اور نگہبانی ہے کہ یہ پانیوں کے اوپر تیرتے رہتے ہیں۔ یہ جہاز اس وقت بھی اور آج بھی اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے تھے اور ہیں۔ ان جہازوں نے لوگوں کی ضروریات نقل و حمل میں، سفر میں، سہولیات کی منتقلی میں اور تجارت اور کمائی میں اس قدر اہم کردار ادا کیا ہے کہ اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

پھر سمندر اور دریا ہیں۔ جن دو دریاؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ میٹھا سمندر اور کھارا سمندر ہیں۔ کھارے دریا سے مراد سمندر اور بڑے اور گہرے پانی ہیں اور میٹھے سے مراد چھوٹے دریا ہے۔ یہ باہم ملتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے حدود مقررہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ ہر ایک اپنے حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے نہر سویز اور نہر پانامہ سے بحر قلزم اور روم اور دوسری طرف بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے ملانے کا ذکر فرمایا ہے۔ (تفسیر صغیر آیت 20 فٹ نوٹ)

جب سمندر کے پانی پر سورج چمکتا ہے تو اس سے بخارات اٹھتے ہیں اور انہی بخارات سے بادل اور بارشیں بن کر خشکی پر میٹھے پانی کے دریا بہتے ہیں۔ اس میٹھے پانی ہی پر انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی زندگی موقوف ہے۔ تمام دریا جاکر سمندروں میں گرتے ہیں اور زمین کا نمک بہاکر یہ سمندر میں لے جاتے ہیں لیکن یہ سمندر کے پانیوں کو خراب نہیں کرسکتے۔ جتنے بھی دریا ہیں ان کی سطح سمندر کی سطح سے بلند ہوتی ہے۔ اس لئے سمندر بھی ان دریاؤں پر کوئی دست درازی نہیں کرسکتا کیونکہ یہ دریا سمندر ہی میں گرتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ پس (اے جن و اِنس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

پھر لؤلؤ اور مرجان کا ذکر ہے۔ مرجان (مونگا) بھی اللہ کی مخلوقات میں سے ایک عجیب مخلوق ہے۔ یہ سمندروں کے اندر تقریباً 3ء5 میٹر (3 اشاریہ 5 میٹر) کی گہرائی تک میں رہتا ہے۔ سرخ مرجان وہ گول اور مضبوط حصہ ہوتا ہے جو جانور کے مرجانے کے بعد رہتا ہے۔ موتی (لولو) بھی حیوان کی ایک قسم ہے یہ حیوان سیپی میں ہوتا ہے اور یہ سیپی چونے کے مواد سے بنی ہوتی ہے اور یہ سمندروں کی گہری تہوں میں اُتر جاتی ہے۔ یہ سیپی اسے خطرات سے بچاتی ہے۔ ان موتیوں اور مونگوں سے وہ زیورات بنائے جاتے ہیں جو نہایت شاندر اور قیمتی ہوتے ہیں۔

سامعین! اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنی مخلوق کے لئے بنایا۔ اس میں ہر طرح کے بکثرت پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے اور دانہ بھی) اس زمین میں بس کر اور رہ رہ کر ہمیں یہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ اس زمین کے حالات واطوار کو دیکھ کر اور اپنے حالات واحوال کو ہر وقت دیکھ دیکھ کر ہم اس کی کوئی چیز انوکھی نہیں پاتے جو دراصل عجوبہ ہوتی ہے اور دست قدرت کی عجب کارستانی ہوتی ہے۔ کھجور کے اونچے اونچے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں بند ہوتے ہیں۔ کم اس تھیلے کو کہتے ہیں جن کے اندر سے کھجور کا پھل باہر آتا ہے اور پھر دوسرے خوشے دار فصل اور دانے ہیں جن کے اوپر بھوسہ ہوتا ہے اور اسے ہٹا کر دانے نکال کر انسانوں کے لئے اور بھوسہ مویشیوں کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ریحان کا بھی ذکر فرماتا ہے کہ بعض

نباتات خوشبودار ہوتے ہیں اور ان خوشبودار نباتات میں سے کچھ انسانوں کی خوراک ہیں اور کچھ حیوانوں کی خوراک اور بعض محض خوشبوئیں ہیں۔

سامعین! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یعنی اور جو بھی اپنے ربّ کے مقام سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اسے دنیا کی جنت نصیب ہو گی اور آخرت کی بھی۔ جو لوگ سچے دل سے خالص ہو کر خدا تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں اور اپنی ہستی کو اُس کی راہ میں مٹا دیتے ہیں تو ان کو خدا تعالیٰ وہ روحانی غذائیں دیتا ہے جو اُن کی روح کو روشن کر دیتی ہیں اور اُس کو خدا تعالیٰ دو جنتوں سے نوازتا ہے۔ اوّل تو اسے اسی دنیا میں بہشتی زندگی عطا ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اس کے اندر پاک تبدیلی پیدا ہونے کی وجہ سے اُس کا متکفّل ہو جائے گا اور پھر دوسرے اس کے مرنے کے بعد اسے ایک جاودانی جنت عطا کی جائے گی کیونکہ اس نے خدا کے خوف اور اس کی محبت کو اپنے نفس اور دنیا پر مقدم کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جو شخص خدا تعالیٰ کے مقام اور عزّت کا پاس کر کے اور اِس بات سے ڈر کر ایک دن خدا کے حضور میں پوچھا جائے گا گناہ کو چھوڑتا ہے۔ اُس کو دو بہشت عطا ہوں گے۔ اوّل اِسی دنیا میں بہشتی زندگی اِس کو عطا کی جاوے گی اور خدا اُس کا متوّلی اور متکفّل ہو گا۔ دوسرے مرنے کے بعد جاودانی بہشت اُس کو عطا کیا جائے گا۔ یہ اِس لئے کہ وہ خدا سے ڈرا اور اِس کو دنیا پر اور نفسانی جذبات پر مقدّم کر لیا۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 158)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس کامل علم رکھنے والے خدا نے جو باتیں اس عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں اور اس کتاب میں جن کا ذکر ہوا جن میں سے بعض ایسی ہیں کہ چودہ سو سال تو دُور کی بات ہے، ماضی قریب کا انسان بھی اس بارہ میں سوچ نہیں سکتا تھا۔ بہت ساری پیشگوئیاں ہیں۔ مَیں یہاں ایک بیان کر رہا ہوں مثلاً سورۃ رحمن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (الرحمن:20) کہ وہ دونوں سمندروں کو ملا دے گا جو بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ) الرحمن:23-21 (کہ (سردست) اُن (دونوں سمندروں) کے درمیان ایک

روک ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ پس (اے جنّ وانس) تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔ دونوں میں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔ اب اس میں دو سمندروں کو ملانے کا ذکر ہے اور نشانی یہ بتائی کہ ان میں سے موتی اور مونگے یا مرجان نکلتے ہیں۔ ایک تو نہر سویز کے ذریعہ سے دونوں سمندروں کو ملایا۔ Red Sea اور میڈیٹرینین سی (Mediterian Sea) کو۔ اسی طرح پانامہ نہر نے دو سمندروں کو ملایا اور اس طرح بڑے سمندر آپس میں مل گئے۔ اب یہ علم آنحضرت کو خدا نے اس وقت دیا جب کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ علم تو علیحدہ بات ہے اس وقت کے زمانے کے عربوں کی تو سوچ بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی کہ کس جگہ پر سمندر رہوں گے اور کس طرح ملائے جائیں گے اور پھر 1300 سال کے انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم نظارہ دکھایا اور اس پیشگوئی کو کس شان سے پورا فرمایا۔ پس یہ ہیں اُس عالَم الغیب خدا کے علم کی باتیں جنہیں اس نے قرآن کریم کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمایا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 جنوری 2008ء)

معزز سامعین! ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے کہ ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ ہماری زندگی کا ہر پل، ہر ذرہ خدا تعالیٰ کا دیا ہوا ہے ہمیں اپنے رب کا ہی احسان مند ہونا چاہیے۔ اس وقت مجھے حضرت مظہر جانِ جاناں جو ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں اُن کا لڈو والا واقعہ یاد آرہا ہے کہ کیسے انہوں نے لڈو کو اپنے رومال پر رکھ کر اُس کا ایک ذرہ توڑا اور اسے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا سبحان اللہ سبحان اللہ واہ مظہرِ جان جاناں تجھ پر تیرے رب کا کتنا فضل ہے اور پھر لڈو کے متعلق پوچھا کہ اس میں کیا کیا شامل ہے اور ہر چیز پر غور کرتے ہوئے اُس کے ہر ذرے پر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ صرف ایک لڈو اللہ تعالیٰ نے جو اُن کو کھانے کو دیا وہ کیسے کتنے مراحل سے گزر کر اُن تک وہ پہنچا۔ تو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں ہر پل ہر لمحہ سوچنا چاہیے اور اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عطیۃ العلیم۔ ہالینڈ و مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿10﴾ ﴿مشاہدات۔790﴾

”زکریا والی توبہ کرو“

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

(الانبیاء:90-91)

اور زکریا (کا بھی ذکر کر) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تُو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ پس ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور اسے یحییٰ عطا کیا اور ہم نے اس کی بیوی کو اس کی خاطر تندرست کر دیا۔ یقیناً وہ نیکیوں میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے اور ہمیں چاہت اور خوف سے پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی سے جھکنے والے تھے۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اُسے دے چکے مال و جان بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

معزز سامعین! مجھے آج حضرت منشی عطا محمد صاحبؓ پٹواری کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نصیحت **”زکریا والی توبہ کرو“** پر گفتگو کرنا ہے۔

آپؓ خود بیان کرتے ہیں کہ مَیں سخت بے دین اور شرابی، کبابی، راشی، مرتشی ہوتا تھا...... حضورؑ کی نصیحت کہ **"زکریاوالی توبہ کرو"** سُن کر مَیں نے شراب وغیرہ چھوڑ دی اور رشوت بھی بالکل ترک کر دی اور صلوٰۃ وصوم کا پابند ہو گیا۔

(ماخوذ از سیرت المہدی حصہ اول صفحہ 220۔ 221 روایت نمبر 241)

سب سے پہلے عنوان میں بیان زکریا نامی بندے کا تلاش کرنا ہو گا اور آئیں! اِس کا ماخذ قرآنِ کریم کو بنا کر اِس میں تلاش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے صالح بندوں میں شمار کیا ہے اور آپؑ کا واقعہ بڑے پیار سے بیان کیا ہے کہ اُس کے بندوں میں سے ایک حضرت زکریا علیہ السلام بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ تیرے ربّ کی اُس کے بندے زکریا پر (ہونے والی) رحمت کا ذکر ہے" (مریم:3)

یعنی جو واقعہ اللہ تعالیٰ یہاں بیان کرنے لگا ہے یہ ایسا اہم ہے کہ ہر شخص کو یہ واقعہ یاد رکھنا چاہئے اور خدا تعالیٰ کی طاقتوں اور اُس کی قدرتوں پر ایمان لانا چاہئے۔

اِس رحمت میں سے یہ بھی ہے کہ اس اللہ کے بندے کا ذکر مستور ہی رہ جاتا اگر صرف بائبل کے بیان پر مدار رہتا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ

"اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو زکریاؑ کی سچائی کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں تھی"

(روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 308)

کیونکہ بائبل میں دو اشخاص کے نام زکریا کے لفظ سے آئے ہیں ایک وہ زکریا ہیں جن کی کتاب بائبل میں شامل ہے وہ زکریا 487 قبل مسیح گزرے ہیں اور یہ زکریا جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ ہیں جو حضرت مسیحؑ کے قریب زمانہ میں آپؑ کی والدہ کے کفیل تھے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زکریا بھی نبی تھے لیکن اناجیل میں ان کا ذکر بطور کاہن [یعنی جنّوں سے دریافت کر کے غیب کی خبریں دینے والا] کیا گیا ہے بطور نبی کے نہیں۔ ممکن ہے کہ ایسے نبی جو کسی دوسرے نبی کے کام کی تکمیل کے لئے آتے ہوں ان کے لئے بائبل میں کاہن کا لفظ استعمال ہوتا ہو۔ (تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 117-118)

بہر حال اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے علم غیب سے یہ خبر دیتا ہے (آل عمران:45)۔ یعنی اس طرح واضح اور سیدھا بیان کہیں اور نہیں ملتا اور وہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت پر بڑی بحثیں اور جھگڑے ہوئے تھے پھر لوگوں نے قرعہ ڈال کر اس بارے میں فیصلہ کیا تھا کہ اس قوم میں سے کون مریم کی کفالت کے لئے مناسب ہو سکتا ہے۔ اس طرح حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کے ذمے لگی تھی۔ (آل عمران:45) انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت بہت توجہ سے فرمائی پس جب کبھی بھی حضرت زکریا علیہ السلام اُن کے پاس محراب میں داخل ہوتے اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کوئی رزق پاتے تو ان سے دریافت فرماتے کہ اے مریم! تمہارے پاس یہ کہاں سے آتا ہے؟ تو وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہی ملتا ہے اور یہ بھی کہتیں کہ یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران:38)

سامعین! اس بات سے حضرت زکریاؑ کی توجہ اس طرف پھری کہ بالکل سب کچھ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے تو مجھے بھی جس ایک نعمت کی خواہش ہے وہ اپنے رب سے مانگتے ہوئے دعائیں کرنی چاہئیں اور اسی طرح انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اس قدر چھوٹی عمر میں کسی بچی کا نیکی میں یوں ترقی کرنا کہ جو بھی رزق ملے اُسے صرف خدا کی طرف ہی منسوب کیا جائے بڑی خوشکن حیرت کی بات تھی۔ جبکہ اُس وقت کی باقی قوم کی حالت نیکی میں بہت اچھی نظر نہ آتی تھی۔

چنانچہ یہ الفاظ کہ:

''مَیں یقیناً اپنے بعد اپنے شرکاء سے ڈرتا ہوں''۔(مریم:6)

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا میں اپنی ضرورتِ حقہ کا اظہار کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے اور انہیں اپنے بعد تعلیم کے مفقود ہونے کا ڈر تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام پروہت فیملی (یعنی مذہبی کاموں کو باقاعدہ کرنے اور کروانے والے) میں سے تھے اور اِن کے رشتہ دار بھی پروہت تھے جو بیت المقدس اور دوسری عبادت گاہوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اِن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الٰہی! ان میں ایسی دنیاداری آچکی ہے کہ ان کا کوئی قدم یہودیت اور مذہب کو بچانے کے

لئے نہیں اٹھتا اور عملی لحاظ سے وہ دین سے کوسوں دور ہیں۔ اس لئے کہا کہ خدایا! مَیں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے بھی ڈرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اِن کے اندر دین کی خدمت کا کوئی احساس نہیں۔

اس لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک چھوٹی بچی میں ایسی روحانی خوبصورتی کو دیکھ کر اپنے لئے بھی ایک نیک اور صالح بیٹے کی دعا ان الفاظ میں کی کہ

”اے میرے ربّ! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ ذریّت عطا کر۔ یقیناً تُو بہت دعائیں سننے والا ہے“۔

(آل عمران:39)

دوسری جگہ یہ دعا ان الفاظ میں ملتی ہے کہ:

”مجھے خود اپنی جناب سے ایک وارث عطا کر۔ جو میرا ورثہ بھی پائے اور آل یعقوب کا ورثہ بھی پائے اور اے میرے ربّ! اِسے بہت پسندیدہ بنا“۔ (مریم:6-7)

ایک اور مقام پر دعا کے الفاظ ہیں:

”اے میرے ربّ! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تُو سب وارثوں سے بہتر ہے“ (الانبیاء:90)

حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ بھی عرض کی کہ تیرے حضور دعا کرنے کی وجہ سے مجھے کبھی ناکامی نہیں ہوئی اور یہ بھی کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اس لئے تیرے مخصوص کر لینے کی وجہ سے اور تیرے انعامات کی وجہ سے مَیں نے یہ برکت پائی ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مشکلات میں مجھے ناکامی ہوئی ہو بلکہ ہمیشہ مجھے کامیابی ہوئی ہے اور مَیں نے اپنے مقصد کو حاصل کیا ہے۔

جیسا کہ یہ الفاظ اس پر دلیل ہیں:

”اے میرے رب! مَیں تیری دعا کے ساتھ کبھی شقی نہیں ہوا“۔ (مریم :5)

سامعین! حضرت زکریا علیہ السلام نے اِن دعاؤں پر مداومت اختیار کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبولیت سے نوازتے ہوئے فرشتوں سے کہا کہ میرے اِس بندے کو اُس کی دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری سنادو تو اِس پر فرشتوں نے اُسے آواز دی جبکہ ابھی تک وہ محراب میں کھڑے ہو کر عبادت کر رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے تو فرشتوں نے کہا کہ اے زکریا! اللہ تعالیٰ تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے جسے یحییٰ (زندہ رہنے والا) کا نام دینا (آل عمران:40) کیونکہ بعض اوقات نیکی کرنے

والے اپنے رب کے فضل سے زندہ بھی رکھے جاتے ہیں اور یہ بیٹا اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہو گا اور وہ سردار ہو گا اور اپنے نفس کی پوری حفاظت کرنے والا ہو گا اور صالحین میں سے ہو گا اور ایک نبی ہو گا (آل عمران:40)۔ اس بچے کی ان تمام نیکیوں کی وجہ سے اس کا نام زندہ رہے گا۔ آج دیکھئے! ہم اس خدا کے بندے کا ذکر کر رہے ہیں یہ خدا کے سچے کلام کا ایک زندہ نشان ہے۔

لیکن حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر اُس وقت بہت زیادہ ہو چکی تھی اور اسی طرح اُن کی بیوی بھی ادھیڑ عمر تھیں چنانچہ انہوں نے عرض کی کہ اے میرے ربّ! میرے کیسے بیٹا ہو گا جبکہ مجھے بڑھاپے نے آلیا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے یعنی ظاہری طور پر تو اس طرح کا واقعہ ہونا بہت مشکل لگتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے تسلی دی کہ آپ فکرمند نہ ہوں اور خدا تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کیا کرتا ہے۔ (آل عمران:41) اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کے انعام ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اور یہ کہ تیرے ربّ نے کہا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور یقیناً مَیں تجھے بھی تو پہلے پیدا کر چکا ہوں جبکہ تُو کچھ چیز نہ تھا۔(مریم:5)

اس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایسی عظیم خوشخبری کے وقوع پذیر ہونے کے لئے کوئی نشان مانگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا نشان یہ ہے کہ تم دیگر لوگوں سے بات چیت میں کمی کرو اور ذکر الٰہی میں زیادہ وقت صرف کیا کرو۔ فرمایا: تین دن تک آپ لوگوں سے صرف اشاروں میں باتیں کریں اور اپنے ربّ کو بہت کثرت سے یاد کریں اور شام اور صبح کو تسبیحات میں مصروف رہا کریں۔ (آل عمران:42)۔ تُو لوگوں سے مسلسل تین راتوں تک کلام نہ کرے۔ پس وہ اپنی قوم پر محراب سے ظاہر ہوا اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرو۔(مریم:10)

قرآن کریم نے اسی الزام کو دور کرنے کے لئے جو انجیل نے حضرت زکریا پر لگایا ہے کہ وہ گونگے ہو گئے تھے فرمایا اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا تیرا نشان یہ ہے کہ تو تین دن رات کلام نہیں کرے گا مگر ہو گا بے عیب اور تندرست جیسا کہ لفظ "سَوِیًّا" سے ظاہر ہے کہ اے زکریا! کوئی بیماری تجھے نہیں ہو گی۔ قرآنی بات کتنی سچی نظر آتی ہے کہ خدا نے جب حضرت زکریاؑ کی دعا قبول کی۔ تو انہوں نے کہا

خدایا! اب مجھے بھی شکریہ کا موقع دیجئے۔ خدا نے کہا تین دن مسجد میں اعتکاف بیٹھو اور ذکر الٰہی میں مشغول رہو یہ تمہاری طرف سے ہمارے شکریہ کا ایک نشان ہو گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ آپ کی وفات طبعی طور پر ہوئی تھی اور بعض روایات میں آپ کے قتل کئے جانے کا ذکر بھی ملتا ہے حضرت زکریاؑ کا مزار شام (سیریا) کے شہر حلب کی بڑی مسجد ''جامع کبیر''میں واقع ہے۔

(اطلس القرآن از شوقی ابو خلیل صفحہ 106-107)

حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ کے اختتام پر یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کبیر سے تین دن ذکر الٰہی کرنے کی وضاحت کر دی جائے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آیت کے معنے قرآن کریم میں کئی مقامات پر حکم کے بھی آئے ہیں۔ آیات قرآنیہ کو بھی اسی وجہ سے آیات کہا جاتا ہے کہ ان میں احکام الٰہیہ کا بیان ہوتا ہے پس:'' رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَۃً '' کے یہ معنے ہیں کہ خدایا! مجھے کوئی حکم دے جس کی میں تعمیل کروں۔ یعنی تو نے جو مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے مَیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اب تو مجھے کوئی ایسا حکم دے جو تیرے شکر کی ایک ظاہری علامت ہو اور جس کو پورا کر کے میرا دل خوش ہو جائے کہ مَیں نے رب کا حکم پورا کر دیا ہے۔ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں آئندہ کی خبروں کے لئے نشان مقرر ہوتے تھے جن میں سے بعض نشان تو آسمانی ہوتے تھے اور بعض میں صرف عبادت کا حکم ملتا تھا''

چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے (پیدائش باب 9 آیت 9 تا 17) (پیدائش باب 17 آیت 9 تا 11) اور (حزقیل باب 20) کے حوالہ جات لکھنے کے بعد فرمایا:''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی نیک کام کا کرنا پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے لئے ایک ظاہری نشان سمجھا جاتا تھا۔ اِسی رنگ میں حضرت زکریاؑ نے بھی خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! مجھے کوئی نشان دیا جائے یعنی مجھے کوئی ایسا حکم دیا جائے کہ جب مَیں اُسے پورا کروں تو یہ وعدہ اٹل ہو جائے کیونکہ جب بندہ اپنا وعدہ پورا کر دے تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرتا ہے اور اس کو کسی اور رنگ میں نہیں بدلتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے کہا تیرے لئے وہ حکم جو اس بات کی علامت ہو گا کہ تو نے خدا کا شکر ادا کر دیا ہے یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین راتیں کلام نہیں

کرے گا اس حالت میں کہ تو تندرست اور بے عیب ہو گا اور بغیر کسی بیماری کے ہو گا اور ان دنوں میں ذکر الٰہی کرتا رہے گا“

(تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 142-143)

سامعین! حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں تفصیل جاننے کے بعد اب اِس تقریر کے عنوان ”**زکریا والی توبہ کرو**“ کی طرف واپس لوٹتے ہیں اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت زکریاؑ نے کس طرح کی توبہ کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حضرت زکریاؑ کا ذکر مختلف جگہوں پر فرمایا ہے اور بڑی تفصیل سے فرمایا ہے حتّٰی کہ الگ سے تفصیلی ذکر کے ساتھ حضرت مریمؑ اور حضرت یحییٰؑ کے ذکر میں بھی کیا ہے۔ آپ کو بیٹے ”یحییٰ“ کی خوشخبری دینے کا ذکر بھی تین مختلف مقامات پر کیا ہے کیونکہ آپؑ دعاؤں میں مداومت کے ساتھ قائم رہے اور جو حکم اپنے خدا کی طرف سے ملے اُن پر پورے استحکام اور ثبات قدم سے عمل پیرا ہوئے جیسے تین دن مسجد کے محراب میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنا اور اِن دنوں کسی سے بات چیت بھی نہ کرنا۔ آپؑ نے اپنے اللہ سے مریمؑ جیسا نشان مانگا۔ گو آپؑ کی اہلیہ موجود تھیں اور آپؑ بطور خاوند بھی موجود تھے لیکن بڑھاپے کا شکار تھے اور بظاہر اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھے جس کا اظہار خود آپؑ نے اپنے اللہ سے بھی کیا۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ

”معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں پاک اولاد کی جو غیر معمولی خواہش پیدا ہوئی وہ حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزگی پر غور کے نتیجہ میں عطا ہوئی“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 79)

پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس مضمون کو نہایت ہی خوبصورت انداز میں یوں بیان فرمایا ہے کہ

”جہاں تک اعجازی پیدائش کا تعلق ہے وہ بعض دفعہ اِس رنگ میں ہوتی ہے کہ باپ اور ماں کے ملنے سے ہی بچہ پیدا ہوتا ہے مگر اِس عمر میں کہ بظاہر اولاد ہونا ناممکن ہو۔ یہی صورت حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش آئی۔ آپ کو اولاد کی خواہش تھی مگر خود اتنے بوڑھے ہو چکے تھے کہ سفیدی سے گویا سر بھڑک اُٹھا

تھا اور بیوی نہ صرف بوڑھی بلکہ بانجھ تھی۔ پس اعجازی پیدائش کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ کو اِن دونوں باتوں کے باوجود حضرت یحیٰؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرمائے گئے اور بیٹے کی خواہش اِن کو حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کے حالات پر غور کرنے سے پیدا ہوئی تھی جنہوں نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بِن باپ کی پیدائش کا معجزہ دکھانا تھا“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 505)

پھر اِسی پر بس نہیں بلکہ آپؑ کو جب بیٹے کی خوشخبری دے دی گئی تب بھی آپؑ نے عبادات اور دعاؤں کو نہیں چھوڑا بلکہ اپنے اللہ سے شکریہ کا نشان یوں مانگا کہ مجھے کوئی اور حکم دیں جس پر مَیں شکریہ کے طور عمل کروں۔

سامعین! الغرض زکریاؑ جیسی توبہ کرنے کو اگر خلاصہ کے طور پر پیش کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ خالصتاً اللہ کے لئے پاک وصاف ہو کر ثابت قدمی سے اللہ کی عبادت کی جائے اور دعاؤں میں جُت جائیں۔ مسجد کے محراب میں اگر میسّر نہ ہو تو تنہائی میں اللہ کی طرف جھکیں، دعائیں کریں، غیر ضروری باتوں سے پرہیز کریں اور ہر وقت ذکرِ الٰہی سے اپنی زبان کو تَر رکھیں نیز اللہ کی عنایات اور انعامات پر اُس کا شکر ادا کرنے کے لئے اللہ کے مزید احکامات پر قدم ماریں۔ اِس سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا یہ ارشاد ضرور مدّ نظر رہے۔

آپؑ فرماتے ہیں کہ

”سچی توبہ در حقیقت ایک موت ہے جو انسان کے ناپاک جذبات پر آتی ہے اور ایک سچی قربانی ہے جو انسان اپنے پورے صدق سے حضرت احدیت میں ادا کرتا ہے اور تمام قربانیاں جو رسم کے طور پر ہوتی ہیں اسی کا نمونہ ہے۔ سو جو لوگ یہ سچی قربانی ادا کرتے ہیں جس کا نام دوسرے لفظوں میں توبہ ہے۔ در حقیقت وہ اپنی سفلی زندگی پر ایک موت وارد کرتے ہیں تب خدا تعالیٰ جو کریم و رحیم ہے اِس موت کے عوض میں دوسرے جہان میں اُن کو نجات کی زندگی بخشتا ہے کیونکہ اس کا کرم اور رحم اس بخل سے پاک ہے جو کسی انسان پر دو موتیں وارد کرے۔ سو انسان توبہ کی موت سے ہمیشہ کی زندگی کو خرید تا ہے اور ہم اس زندگی

کی حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے کو پھانسی پر چڑھانے کے محتاج نہیں ہیں ہمارے لیے وہ صلیب کافی ہے جو اپنی قربانی دینے کی صلیب ہے۔

یادرہے کہ توبہ کا لفظ نہایت لطیف اور روحانی معنی اپنے اندر رکھتا ہے جس کی کی غیر قوموں کو خبر نہیں یعنی توبہ کہتے ہیں اس رجوع کو کہ جب انسان تمام نفسانی جذبات کا مقابلہ کر کے اور اپنے پر ایک موت کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ کی طرف چلا آتا ہے۔ سو یہ کچھ سہل بات نہیں ہے اور ایک انسان کو اُسی وقت تائب کہا جاتا ہے جبکہ وہ بکلی نفس امارہ کی پیروی سے دستبردار ہو کر اور ہر ایک تلخی اور ہر ایک موت خدا کی راہ میں اپنے لئے گوارا کر کے آستانۂ حضرتِ احدیت پر گر جاتا ہے تب وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ اِس موت کے عوض میں خدا تعالیٰ اُس کو زندگی بخشے.... جس طرح میلا کپڑا بھٹی پر چڑھنے سے اور پھر دھوبی کے ہاتھ سے آب شفاف کے کنارہ پر طرح طرح کے صدمات اٹھانے سے آخر کار سفید ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح یہ توبہ جس کے معنے میں بیان کر چکا ہوں انسان کو صاف پاک کر دیتی ہے۔ انسان جب خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ میں پڑ کر اپنی تمام ہستی کو جلا دیتا ہے تو وہی محبت کی موت اُس کو ایک نئی زندگی بخشتی ہے۔ کیا تم نہیں سمجھ سکتے کہ محبت بھی ایک آگ ہے اور گناہ بھی ایک آگ ہے۔ پس یہ آگ جو محبت الٰہی کی آگ ہے گناہ کی آگ کو معدوم کر دیتی ہے۔ یہی نجات کی جڑھ ہے۔“

(قادیان کے آریہ اور ہم، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 447-448)

توبہ جو در حقیقت ایک موت ہے کا بہترین وقت اور موقع رمضان کا مہینہ ہے جب ایک مؤمن بات چیت بھی کم کرتا ہے، فضول گوئی سے پرہیز کرتا ہے، ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے، دعائیں کثرت سے مانگتا ہے اور اعتکاف کرتا ہے جس کے معنی رُکنے کے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ صلوٰۃ کرنے اور صوم رکنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زکریا جیسی توبہ نصیب کرے۔ آمین

ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے
”اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے“

(اِس تقریر کا کچھ حصہ مکرم مرزا خلیل احمد بیگ صاحب استاد جامعہ احمدیہ گھانا کے ایک مضمون مطبوعہ روزنامہ الفضل آن لائن لندن 5 جولائی 2022ء سے لیا گیا ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

﴿11﴾ ﴿مشاہدات۔846﴾

وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ (مسیح موعودؑ)

صالحین میرے بھائی ہیں

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ (التوبہ:11)

یعنی اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کر لیں اور زکوٰۃ دیں (یعنی صالح بن جائیں) تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔

رہیں ہم دُور ہر بدکیش و بد سے
رہے صحبت ہمیں اہلِ وفا کی
بنائیں دل کو گلزارِ حقیقت
لگائیں شاخ زہد و اتّقا کی
رسول اللہ ہمارے پیشوا ہوں
ملے توفیق اُن کی اقتدا کی

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے ماننے والے صالح لوگوں کو اپنے بھائی قرار دینے کے الفاظ "وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ" ہے۔ جس کے معانی ہیں۔ صالحین میرے بھائی ہیں۔ حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم مؤرخ احمدیت نے تاریخ احمدیت میں حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تحریر یوں محفوظ کی ہے کہ حضورؑ فرماتے ہیں کہ

اَلْمَسْجِدُ مَکَانِیْ وَ الصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ
وَ ذِکْرُاللّٰہِ مَالِیْ وَ خَلْقُ اللّٰہِ عَیَالِیْ

کہ اوائل ہی سے مسجد میرا مکان، صالحین میرے بھائی، یادِالٰہی میری دولت ہے اور مخلوقِ خدا میرا عیال اور خاندان ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ 53)

جیسا کہ مَیں اوپر ذکر کر آیا ہوں کہ مندرج بالا مبارک فرمودہ الفاظ میں سے دوسرے حصہ یعنی صالح لوگ میرے بھائی ہیں پر گفتگو کرنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِن الفاظ میں در حقیقت آپ کا اپنے ماننے والوں سے پیار اور محبت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنے ماننے والوں کو اپنی صحبت اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ صالحون، صالح کی جمع ہے جس کے معانی نیک، پارسا، پرہیز گار، متقی، نیک چلن اور نیک بخت لوگ اور بیبیوں کے ہیں جبکہ اِخْوان، اَخٌ کی جمع ہے جس کے معانی بھائی، رفیق، ساتھی اور دوست کے ہیں۔ اپنے عزیزوں اور پیاروں کو پیار اور محبت سے بھائی کہہ کر پکارا بھی جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے یہ الفاظ دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن الفاظ کی عکاسی کرتے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ

”تمہارے بہترین ائمہ وہ ہیں جن سے تُم محبت کرتے ہو اور وہ تُم سے محبت کرتے ہیں۔ تُم اُن کے لئے دعا کرتے ہو وہ تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”در حقیقت جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے تو گویا اُسے پی لیتا ہے...اور اس کے اخلاق اور اس کے چال چلن کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے... یہاں تک کہ اسی کا رُوپ ہو جاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ یہی بھید ہے کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے وہ ظلّی طور پر بقدر اپنی استعداد کے اُس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں ہے اور شیطان سے محبت کرنے والے وہ تاریکی حاصل کر لیتے ہیں جو شیطان میں ہے“

(نورالقرآن نمبر2، روحانی خزائن جلد9 صفحہ 430)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”محبت کی حقیقت بالالتزام اس بات کو چاہتی ہے کہ انسان سچے دل سے اپنے محبوب کے تمام شمائل اور اخلاق اور عبادات پسند کرے اور ان میں فنا ہونے کے لئے بدل وجان ساعی ہو، تا اپنے محبوب میں ہو کر وہ زندگی پاوے جو محبوب کو حاصل ہے... محبت ایک عربی لفظ ہے اور اصل معنی اس کے پُر ہو جانا ہے... حَبٌّ جو دانہ کو کہتے ہیں وہ بھی اِسی سے نکلا ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ پہلے دانہ کی تمام کیفیت سے بھر گیا“

(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 431 - 432)

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن دوپہر کے وقت ہم مسجد مبارک میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ کسی نے اس کھڑکی کو کھٹکھٹایا جو کوٹھڑی سے مسجد مبارک میں کھلتی تھی۔ مَیں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تشریف لائے ہیں۔ آپؑ کے ہاتھ میں ایک طشتری ہے جس میں ایک ران بھنے ہوئے گوشت کی ہے۔ وہ حضور علیہ السلام نے مجھے دی اور حضور علیہ السلام خود واپس اندر تشریف لے گئے اور ہم سب نے بہت خوشی سے اسے کھایا۔ اس شفقت اور محبت کا اثر اب تک میرے دل میں ہے اور جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو میرا دل خوشی اور فخر کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔

(سیرت المہدی جلد دوم صفحہ 57-58)

جب حضرت حافظ معین الدین صاحبؓ کو حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کی عزت ملی۔ اُس وقت اُن کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی۔ حافظ صاحب نہایت سقیم حالت میں تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اُن کو اس حالت میں دیکھا اور اپنے ساتھ بلا کر لے گئے اور کھانا کھلایا اور پھر کہا کہ حافظ! تو میرے پاس رہا کر۔ حافظ صاحب کے لئے یہ دعوت غیر متوقع تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان چونکہ نہایت ممتاز اور پُر شوکت خاندان تھا اور کسی کو ان کے سامنے کلام کرنے کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی۔ حافظ صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی اس مہربانی اور شفقت کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور بڑی شکر گزاری سے آپؑ کی خدمت میں رہنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حافظ صاحب نے سمجھا کہ شاید مجھے کوئی کام کرنا پڑے۔ اس نے کہا کہ مرزا جی! (اس وقت ایسا ہی طریق خطاب تھا) مجھ سے کوئی کام تو ہو نہیں سکے گا۔ کیونکہ مَیں

معذور ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ حافظ !کام تم نے کیا کرنا ہے۔ اکٹھے نماز پڑھ لیا کریں گے اور تو قرآن شریف یاد کیا کر۔

(اصحاب جلد 13 صفحہ 287)

سامعین! بھائی، بھائی کی لاج بھی رکھتا ہے بالخصوص چھوٹا بھائی، بڑے بھائی کی عزت و احترام کو نہ صرف برقرار رکھتا ہے بلکہ اُسے مزید بڑھانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اِس مضمون کو مختلف انداز اور پیرائے میں بارہا بیان فرمایا ہے اور جب کہیں کسی قوم کی طرف رسول بھیجنے کا ذکر فرمایا ہے وہاں نبی کو بھائی کہہ کر پکارا ہے جیسے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اِسی طرح نبی پر ایمان لانے والے صالح لوگوں کو بھائی کہہ کر مخاطب کرنے کا طریق بھی ہمیں قرآنِ کریم میں سورۃ التوبہ آیت 11 سے ملتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کرلیں اور زکوٰۃ دیں (یعنی صالح بن جائیں) تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ کے الفاظ ہمیں قرآن میں اور جگہ پر بھی ملتے ہیں اور سب سے بڑھ کر دینی بھائیو کے لئے یہ دعا بھی سکھلائی۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر:11) کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔ اے ہمارے ربّ !یقیناً تو بہت شفیق (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اِس دعا میں مؤمن اپنے گزرنے والے مؤمن بھائیو کے لئے دعا کرتا ہے اُس میں گزرنے والے انبیاء بھائی بھی شامل ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد دَورِ اُخروی میں ایمان لانے والوں کو بھی بھائی کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے خطبہ جمعہ فرمودہ 9 مئی 2025ء میں فرمایا کہ

”ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں آنے والے لوگوں کا ذکر اِن الفاظ میں فرمایا کہ میرے بھائی جو میرے بعد آنے والے ہیں وہ ایسے ہوں گے۔ صحابہ کو یہ سن کر رشک پیدا ہوا اور انہوں نے عرض کیا کہ وہ بھائی ہوئے اور ہم نہ ہوئے۔ ہم آپ کے ساتھ رہتے ہیں ہمیں آپ نے بھائی نہیں کہا اور اُن کو جو بعد میں آنے والے ہیں آپؐ اپنا بھائی کہہ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم صحابہ ہو

اور وہ میرے بھائی ہیں۔ تم میرے صحابی ہو وہ میرے بھائی ہیں۔ تمہیں کیا یہ کم نعمت حاصل ہے کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو اور میرے ساتھ رہ کر خدمات دینیہ بجالا رہے ہو۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے جو تمہیں ملی ہوئی ہے اور وہ لوگ جو مجھے نہیں دیکھیں گے بعد میں آنے والے ہیں اور وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے مجھے کوئی لفظ اُن کے متعلق بھی تو بولنے دو۔ ان کے متعلق بھی تو مجھے کہنے دو۔ کیا لفظ استعمال کروں ان کے متعلق تا انہیں بھی تسلی ہو؟ اور اُن کے حوصلے بھی بلند ہوں۔ یہ اس طرح بعد میں آنے والوں کے حوصلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند کئے۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے حوصلے کس قدر بڑھا دیئے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مَیں نہیں جانتا میری امت کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ بہتر ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزّوجل فرماتا ہے (حدیث قدسی ہے) کہ مَیں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ذخیرہ کے طور پر وہ کچھ تیار کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی شخص کے دل میں اس کا خیال گزرا۔ اکتفا کرو اس پر جو اللہ نے تمہیں بتادیا ہے اور یہ آیت پڑھی فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔ پس کوئی ذی روح نہیں جانتا کہ اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے؟

(الصحيح المسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها)

سامعین! اب مَیں اپنی تقریر کے دوسرے پہلو یعنی صحبتِ صالحین کی طرف آتا ہوں جس میں نبی کی صحبت اوّل درجہ پر آتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو کیا ہی نفیس اور پُر حکمت انداز میں بیان فرمایا ہے کہ

"ایک شخص کستوری اٹھائے ہوئے ہو اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا ہو۔ کستوری والا مفت میں خوشبو دے جائے گا۔ اس کی مہک سے تو فائدہ اٹھا جائے گا اور بھٹی والے کے قریب بیٹھنے سے کپڑے جل جائیں گے اور اس کا بدبودار دھواں تنگ کرے گا۔"

(مسلم كتاب البرّ و الصلة)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ہم سب کو کستوری کی خوشبو بانٹنے والا بنائے اور ہمارے اندر وہ پاک تبدیلیاں پیدا ہوں جو نہ صرف ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہوں بلکہ لوگ بھی ہم سے فائدہ اٹھا رہے ہوں۔“

(خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 398)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر فرماتے ہیں۔

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ

(ابوداؤد کتاب الادب)

کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے یعنی دوست کے اخلاق کا اثر انسان پر ہوتا ہے اس لئے دوست بناتے وقت غور وخوض کرنا چاہیے۔

ایک عربی شاعر نے اس مضمون کو اپنے اشعار میں بھی بیان کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم کو کسی شخص کے متعلق تحقیق مقصود ہو تو اُس شخص کی تحقیق نہ کرو بلکہ اُس کے ہم نشینوں کو دیکھو کیونکہ دوست اپنے ہم نشینوں کا متبع ہوتا ہے جیسے ہم نشین ہوں گے ویسا ہی وہ شخص ہوگا۔ جب تم کسی قوم میں ہو تو اس قوم کے اچھوں کی صحبت اختیار کرو، ناکارہ لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

سامعین! قادیان میں کسی شخص نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے عرض کی کہ میرا بیٹا دہریت جیسی باتیں کرتا ہے۔ آپؓ نے فوراً ہدایت فرمائی کہ کلاس روم میں اُس کی جگہ تبدیل کر دو۔ اس پر اس کے کلاس فیلو کا اثر ہو رہا ہے چنانچہ جگہ تبدیل کرنے سے وہ بچہ دوبارہ ایمان کی راہیں اختیار کر گیا۔ بعض ماثورہ اقوال میں ”وَحْدَۃُ الْمَرْءِ خَیْرٌ مِنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ“ بھی ملتا ہے کہ اگر صالح ہم نشین اور اچھا ساتھی میسر نہ ہو تو پھر انسان کے لئے تنہائی ہی بہتر ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو ذکر کی مجالس کی تلاش رہتی ہے جب وہ ایسی مجلس کو پاتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو تو فرشتے وہاں بیٹھ کر مجلس کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ ساری فضا ان کے اس بابرکت سایہ سے مہک اٹھتی ہے اور جب مجلس برخواست ہوتی ہے تو

فرشتے بھی واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جیسی مجلس میں آئے شخص کو بھی انہی میں سے قرار دے کر ان مبارک لوگوں کے ساتھ شامل کر دیا جن پر فرشتے پَر پھیلائے سایہ کیے ہوئے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’جب انسان ایک راستباز اور صادق کے پاس بیٹھتا ہے تو صدق اس میں کام کرتا ہے لیکن جو راستبازوں کی صحبت کو چھوڑ کر بدوں اور شریروں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کرتی جاتی ہے۔ اسی لئے احادیث اور قرآن شریف میں صحبتِ بد سے پرہیز کرنے کی تاکید اور تہدید پائی جاتی ہے اور لکھا ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت ہوتی ہو اس مجلس سے فی الفور اُٹھ جاؤ ورنہ جو اہانت سُن کر نہیں اٹھتا اس کا شمار بھی ان میں ہی ہو گا۔

صادقوں اور راستبازوں کے پاس رہنے والا بھی ان میں ہی شریک ہوتا ہے۔ اس لئے کس قدر ضرورت ہے اس امر کی کہ انسان کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے پاک ارشاد پر عمل کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دنیا میں بھیجتا ہے وہ پاک لوگوں کی مجلس میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک مجلس دیکھی ہے جس میں تیرا ذکر کر رہے تھے مگر ایک شخص اُن میں سے نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں! وہ بھی ان میں سے ہی ہے کیونکہ اِنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کی صُحبت سے کس قدر فائدے ہیں سخت بدنصیب ہے وہ شخص جو صحبت سے دُور رہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 507)

ایک اور موقع پر صحبت صالحین کی غرض بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’بات یہ ہے کہ مُردوں سے مدد مانگنے کے طریق کو ہم نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ ضعیف الایمان لوگوں کا کام ہے کہ مُردوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور زندوں سے دور بھاگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں لوگ اُن کی نبوت کا انکار کرتے رہے اور جس روز انتقال کر گئے تو کہا کہ آج نبوت ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی مُردوں کے پاس جانے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ بلکہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:119) کا حکم دے کر زندوں کی صُحبت میں رہنے کا حکم دیا۔ یہی

وجہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو بار بار یہاں (قادیان) آنے اور رہنے کی تاکید کرتے ہیں اور ہم جو کسی دوست کو یہاں رہنے کے واسطے کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ محض اس کی حالت پر رحم کر کے ہمدردی اور خیر خواہی سے ہی کہتے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایمان درست نہیں ہوتا جبتک انسان صاحبِ ایمان کی صُحبت میں نہ رہے اور یہ اس لئے چونکہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں ہر قسم کی طبیعت کے موافقِ حال تقریر ناصح کے منہ سے نہیں نکلا کرتی۔ کوئی وقت ایسا آجاتا ہے کہ اس کی سمجھ اور فہم کے مطابق اُس کے مذاق پر گفتگو ہو جاتی ہے۔ جس سے اُس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے اور اگر آدمی بار بار نہ آئے اور زیادہ دنوں تک نہ رہے، تو ممکن ہے کہ ایک وقت ایسی تقریر ہو جو اُس کے مذاق کے موافق نہیں ہے اور اُس سے اُس میں بد دلی پیدا ہو اور وہ حسنِ ظن کی راہ سے دور جا پڑے اور ہلاک ہو جاوے۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 339)

پیارے بھائیو! مامور زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ اچھی اور بُری صحبت کی بہت عمدہ مثال یوں دی ہے کہ ایک مکھی گندگی پر بیٹھتی ہے اور گندگی اور بیماری پھیلاتی ہے جبکہ ایک دوسری مکھی جو شہد کی مکھی کہلاتی ہے وہ پھولوں پر بیٹھتی ہے اور ایک ایسی خوراک تیار کرتی ہے جو شہد کہلاتا ہے اور شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ہے۔ دونوں کہلاتی مکھیاں ہیں مگر اپنی اپنی صحبت سے وہ کیا مہیا کرتی ہیں؟

انگریزی زبان کا ایک مشہور محاورہ ہے۔

"A man is known by the company he keeps"

یعنی انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔

کسی نے صحبت کے مضمون کو گلاب اور دیگر پھولوں سے تشبیہ دی ہے کہ جہاں پھولوں کی کیاریاں ہوں وہاں سے آنے والی ہوائیں بھی خوشبودار ہو کر گزرتی ہیں اور فضا مہک جاتی ہے۔ یہاں تک کہ گلاب کی پتیاں جس زمین پر گرتی ہیں وہ زمین بھی گلاب کی خوشبو سے معطر ہو جاتی ہے۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے یہ تخمریزی کی طرح ہے۔ چاہیے کہ آپ اکثر مجھ سے ملاقات کریں اور اس تعلق کو مضبوط کریں جو آج قائم ہوا ہے جس شاخ کا تعلق درخت سے نہیں رہتا وہ آخر خشک ہو کر گر جاتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 37-38 ایڈیشن 1984ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

”صحبت میں بڑا اشرف ہے۔ اس کی تاثیر کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتی ہے۔ کسی کے پاس اگر خوشبو ہو تو پاس والے کو بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر صادقوں کی صحبت ایک روح صدق کی نفخ کر دیتی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ گہری صحبت نبی اور صاحب نبی کو ایک کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن شریف میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: 119) فرمایا ہے۔ اور اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ایک بے نظیر خوبی ہے کہ ہر زمانے میں ایسے صادق موجود رہتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 609 ایڈیشن 1988ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مقربین کی صحبت میں بیٹھنے سے متعلق فرماتے ہیں۔

”یہ مسلّمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے مقرب کے پاس رہنا گویا ایک طرح سے خود خدا تعالیٰ کے پاس رہنا ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 316 ایڈیشن 2016ء)

پیارے بھائیو! زیارت صالحین کے لیے سفر کرنا قدیم سے سنت سلفِ صالح چلی آئی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب قیامت کے دن ایک شخص اپنی بد اعمالی کی وجہ سے سخت مواخذہ میں ہو گا تو اللہ جلّ شانہ اس سے پوچھے گا کہ فلاں صالح آدمی کی ملاقات کے لیے کبھی تو گیا تھا۔ تو وہ کہے گا بالا رادہ تو کبھی نہیں گیا مگر ایک دفعہ ایک راہ میں اس کی ملاقات ہو گئی تھی تب خدا تعالیٰ کہے گا کہ جا! بہشت میں داخل ہو۔ مَیں نے اسی ملاقات کی وجہ سے تجھے بخش دیا۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 608)

پھر فرمایا:

"ہمیں بہت افسوس ہے کہ بعض لوگ کچے ہی آتے ہیں اور کچے ہی چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ اُن کا فرض ہے کہ یہاں آکر چند روز رہیں اور اپنے شبہات پیش کر کے پختگی حاصل کریں تو پھر ان سے دوسرے مخالف اور عیسائی ایسے بھاگیں گے جیسے لاحول سے شیطان بھاگتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 283-284 ایڈیشن 2016ء)

پھر فرمایا:

"کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:119) بھی اسی واسطے فرمایا گیا ہے۔ سادھ سنگت بھی ایک ضرب المثل ہے۔ پس یہ ضروری بات ہے کہ انسان باوجود علم کے اور باوجود قوت وشوکت کے امام کے پاس ایک سادہ لوح کی طرح پڑا رہے تا اس پر عمدہ رنگت آوے۔ سفید کپڑا اچھا رنگا جاتا ہے اور جس میں اپنی خودی اور علم کا پہلے سے کوئی میل کچیل ہوتا ہے اس پر عمدہ رنگ نہیں چڑھتا۔ صادق کی معیت میں انسان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اسے نشانات دیئے جاتے ہیں جن سے اس کا جسم منور اور روح تازہ ہوتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 262۔263 ایڈیشن 2016ء)

آپؑ فرماتے ہیں:

"صادقوں کی صحبت میں رہنا بہت ضروری ہے خواہ انسان کیسا علم رکھتا ہو۔ طاقت رکھتا ہو، لیکن صحبت میں رہنے سے جو اس کے شبہات دور ہوتے ہیں اور اسے علم حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے طور سے حاصل نہیں ہوتا۔"

(البدر جلد 2 نمبر 8 مورخہ 13 مارچ 1903ء صفحہ 59)

آپؑ فرماتے ہیں:

"وہ عظیم الشان ذریعہ جس سے ایک چمکتا ہوا یقین حاصل ہو اور خدا تعالیٰ پر بصیرت کے ساتھ ایمان قائم ہو ایک ہی ہے کہ انسان ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو خدا تعالیٰ کے وجود پر زندہ شہادت دینے والے ہوں خود جنہوں نے اس سے سن لیا ہے کہ وہ ایک قادر مطلق اور عالم الغیب تمام صفات کاملہ سے موصوف خدا ہے...... پس مَیں اس نور کو لے کر آیا ہوں اور دنیا میں قوتِ یقین کو پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اس

قوت کا پیدا ہونا صرف الفاظ اور باتوں سے نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ ان نشانات سے نشو نما پاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مقتدرانہ طاقت سے صادقوں کے ہاتھ پر ظہور پاتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 365۔366 ایڈیشن 2016ء)

"وہ آدمی جو کسی تریاقی صحبت میں رہے اور اس طرح رہے جو رہنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو ایسے زہروں سے بچا لیتا ہے اور یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی یا آسمانی کتابوں کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ بہت صاف امر ہے۔ دیکھو! آنکھ میں بھی ایک روشنی اور نور ہے، لیکن وہ سورج کی روشنی کے بغیر دیکھ نہیں سکتی۔ آنکھ خدا نے دی ہے ساتھ ہی دوسری روشنی بھی پیدا کر دی ہے، کیونکہ یہ نور دوسرے نور کا محتاج ہے۔ اسی طرح اپنی عقل جب تک آسمانی نور اور بصیرت اس کے ساتھ نہ ہو کچھ کام نہیں دے سکتی۔ نادان ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم مجرد عقل سے بھی کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے جو طریق مقرر کیا ہے۔ اس کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ بہت سے اسرار اور امور ہیں جو مجھ پر کھولے گئے ہیں۔ اگر میں ان کو بیان کروں تو خاص آدمیوں کے سوا جو صحبت میں رہتے ہیں باقی حیران رہ جائیں۔ پس ان لوگوں کو دیکھ کر حیرت اور رونا آتا ہے جو کسی صادق کی پاک صحبت میں نہیں رہے۔ ان لوگوں کو جو ذاتیات پر اعتراض کرتے ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ کوئی ایک اعتراض تو دکھائیں جو پہلے کسی نبی پر نہ کیا گیا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو اعتراض آریوں نے کئے ہیں کیا وہ ان اعتراضوں سے جو مجھ پر ہوئے بڑھے ہوئے نہیں ہیں؟ حضرت مسیح پر یہودیوں نے جس قدر اعتراض کیے ہیں یا آریوں نے کئے ہیں۔ وہ دیکھو کس قدر ہیں؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر جس قدر الزام لگائے جاتے ہیں ان کا شمار تو کرو۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 137۔138 ایڈیشن 2016ء)

اصل انسان کی کامیابی اسی میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو دَورِ اوّل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہیدؓ کو اس اُخروی دور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مختصر صحبت نے اِن کو سونے کی ڈلی بنا دیا اور وہ ایک ایسا مقام بنا گئے جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ سے آنحضور صلی االلہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنی تدفین کے لئے جو جگہ مانگی وہ بھی در حقیقت

صحبتِ صالحین ہی ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ زندوں کے ساتھ ساتھ مُردوں میں بھی صحبتِ صالحین مسلّمہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ سے کسی نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ

"سنا ہے کہ آپ کو کیمیاگری آتی ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ ہاں آتی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ہم غریب ہیں اور مقروض رہتے ہیں۔ آپ ہمیں بھی بتائیں۔

چنانچہ حضورؓ نے فرمایا:

لوگ اکسیر اور سنگ پارس تلاش کرتے پھرتے تھے۔ میرے لیے تو حضرت مرزا صاحب پارس تھے۔ مَیں نے انکو چھؤا تو بادشاہ بن گیا"

(تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 56)

اللہ تعالیٰ ہمیں صلحاء اور نیک بزرگوں کی صحبت بالخصوص خلیفۃ المسیح کی پاکیزہ صحبت یعنی ارشادات و نصائح کو سننے اور ان پر بھرپور عمل کرنے کی توفیق سے نوازتا رہے۔ آمین

﴿12﴾ ﴿مشاہدات۔850﴾

سادھ سنگت

(چند مثالوں کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (التوبہ:119)

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار
اِسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب؟
اُسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے

معزز سامعین! مجھے آج ایک ضربُ المثل "سادھ سنگت" پر روشنی ڈالنی ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے فرمودات میں استعمال فرمایا ہے۔ جیسے آپؑ فرماتے ہیں۔

"کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (التوبہ:119) بھی اسی واسطے فرمایا گیا ہے۔ سادھ سنگت بھی ایک ضرب المثل ہے۔ پس یہ ضروری بات ہے کہ انسان باوجود علم کے اور باوجود قوّت وشوکت کے امام کے پاس ایک سادہ لوح کی طرح پڑا رہے تا اس پر عمدہ رنگت آوے۔ سفید کپڑا اچھا رنگا جاتا ہے اور جس میں اپنی خودی اور علم کا پہلے سے کوئی میل کچیل ہوتا ہے اس پر عمدہ رنگ نہیں چڑھتا۔ صادق کی معیت میں انسان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اسے نشانات دئے جاتے ہیں جن سے اس کا جسم منور اور روح تازہ ہوتی ہے۔"

(ملفوظات جلد4 صفحہ 262۔263 ایڈیشن 2016ء)

سادھ سنگت ایک ہندی زبان کا محاورہ ہے جس میں سادھ کے معنی ہیں۔ نیک، پارسا اور پرہیز گار جبکہ سنگت کے معانی ہم نشینی، ہم صحبت اور رفاقت و دوستی کے ہیں۔ جسے ہم عُرفِ عام میں صحبتِ صالحین کہہ سکتے ہیں اِسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس محاورہ کے استعمال کے ساتھ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی آیت استعمال فرمائی ہے۔

سامعین! صحبت کے معنی دوستی، ہم جلیسی، ہم نشینی کے کئے جاسکتے ہیں اور اسلامی اصطلاح ''صحابی'' بھی اِسی سے مشتق ہے جس کے معنی ساتھی، دوست اور ہم مجلس کے ہیں اور جب ''صحابیِ رسولؐ'' کہا جاتا ہے تو اس کے معنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق، ساتھی اور صحبت یافتہ کے معنی لئے جاتے ہیں۔ جس نے سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھا ہو اور ہم صحبت رہ کر چند باتیں بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہوں۔ اس ہم نشینی کے بدلے اور صلے صحابہ، نیک، پارسا، پرہیز گار، نیک چلن اور متقی بنے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد بار نیک، صالح اور پارسا لوگوں کی صحبت رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ جیسے سورۃ توبہ کی آیت 119 جس کی تلاوت مَیں آغاز پر کر آیا ہوں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

سورۃ توبہ ہی کی آیت 71 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو اچھی باتوں کا حکم اور بُری باتوں سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں نیز اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ انہی پر اللہ ضرور رحم کرے گا۔ سورۃ ال عمران آیت 29 میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تاکیداً حکم دیا کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کی صحبت اختیار نہ کرو۔ ایسا کرنے والے کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔

احادیث میں سرور کائنات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو صحبت صالحین اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک موقع پر نیک اور بُرے ساتھی کی مثال دو اشخاص سے دے کر صحابہ کو اس اہم مضمون کی طرف یوں توجہ دلائی کہ ایک شخص کستوری اٹھائے ہوئے ہو اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا ہو۔ کستوری والا مفت میں خوشبو دے جائے گا۔ اس کی مہک سے تو فائدہ اٹھا جائے گا (یہ

ذکر الٰہی کی محافل ہیں) اور بھٹی والے کے قریب بیٹھنے سے کپڑے جل جائیں گے اور اس کا بدبودار دھواں تنگ کرے گا۔

(مسلم کتاب البّر والصلة)

اس حدیث کی تشریح میں دعا دیتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ہم سب کو کستوری کی خوشبو بانٹنے والا بنائے اور ہمارے اندر وہ پاک تبدیلیاں پیدا ہوں جو نہ صرف ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہوں بلکہ لوگ بھی ہم سے فائدہ اٹھا رہے ہوں۔''

(خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 398)

سامعین! اب مَیں صحبتِ صالحین کے مضمون کو مثالوں سے بیان کرتا ہوں۔ احادیث کے بعد سب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات سے کچھ آپ حاضرین کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپؑ درخت اور شاخ کے آپس کے تعلق کو صحبتِ صالحین سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے یہ تخمریزی کی طرح ہے۔ چاہیے کہ آپ اکثر مجھ سے ملاقات کریں اور اس تعلق کو مضبوط کریں جو آج قائم ہوا ہے جس شاخ کا تعلق درخت سے نہیں رہتا وہ آخر خشک ہو کر گر جاتی ہے۔''

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 37-38)

آپؑ اسی مضمون کو ایک اور جگہ خوشبو سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''صحبت میں بڑا اشرف ہے۔ اس کی تاثیر کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتی ہے۔ کسی کے پاس اگر خوشبو ہو تو پاس والے کو بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر صادقوں کی صحبت ایک روح صدق کی نفخ کر دیتی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ گہری صحبت نبی اور صاحب نبی کو ایک کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن شریف میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: 119) فرمایا ہے۔ اور اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ایک بے نظیر خوبی ہے کہ ہر زمانے میں ایسے صادق موجود رہتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 609 ایڈیشن 1988ء)

پیارے بھائیو! ماموِر زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ اچھی اور بُری صحبت کی بہت عمدہ مثال یوں دی ہے کہ ایک مکھی گندگی پر بیٹھتی ہے اور گندگی اور بیماری پھیلاتی ہے جبکہ ایک دوسری مکھی جو شہد کی مکھی کہلاتی ہے وہ پھولوں پر بیٹھتی ہے اور ایک ایسی خوراک تیار کرتی ہے جو شہد کہلاتا ہے اور شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ہے۔ دونوں کہلاتی مکھیاں ہیں مگر اپنی اپنی صحبت سے وہ کیا مہیا کرتی ہیں؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک اور مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مثل مشہور ہے۔ تخم تاثیر صحبت رااثر۔ اس کے اول جزو (حصہ) پر کلام ہو تو ہو، لیکن دوسرا حصہ "صحبت رااثر" ایسا ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ہر ایک شریف قوم کے بچوں کا عیسائیوں کے پھندے میں پھنس جانا اور مسلمانوں حتٰی کہ غوث و قطب کہلانے والوں کی اولاد اور سادات کے فرزندوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنا دیکھ چکے ہو۔ اُن صحیح النسب سیدوں کی جو اولاد اپنا سلسلہ حضرت امام حسینؓ تک پہنچاتے ہیں۔ ہم نے کرسچن (عیسائی) دیکھی ہے اور بانیٔ اسلام کی نسبت قسم قسم کے الزام (نعوذ باللہ) لگاتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی اگر کوئی مسلمان اپنے دین اور اپنے نبیؐ کے لئے غیرت نہیں رکھتا، تو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا؟

اگر تم اپنے بچوں کو عیسائیوں، آریوں اور دوسروں کی صحبت سے نہیں بچاتے یا کم از کم نہیں بچانا چاہتے، تو یاد رکھو کہ نہ صرف اپنے اوپر بلکہ قوم پر اور اسلام پر ظلم کرتے اور بہت بڑا بھاری ظلم کرتے ہو۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ گویا تمہیں اسلام کے لئے کچھ غیرت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت تمہارے دل میں نہیں۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 45)

اصلاحِ نفس کے لئے دعا اور صحبتِ صالحین کا نسخہ بتاتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں۔

"دو چیزیں ہیں ایک تو دعا کرنی چاہئے اور دوسرا طریق یہ ہے کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ راستبازوں کی صحبت میں رہو تا کہ ان کی صحبت میں رہ کر تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہارا خدا قادر ہے، بینا ہے، دیکھنے والا ہے، سننے والا ہے، دعائیں قبول کرتا ہے اور اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو صدہا نعمتیں دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ 62)

سامعین! حضرت مسیح موعودؑ صحبت میں بڑی تاثیر کے متعلق فرماتے ہیں:

”جو شخص شراب خانہ میں جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی پرہیز کرے اور کہے کہ مَیں نہیں پیتا ہوں لیکن ایک دن آئے گا وہ ضرور پیئے گا۔ پس اس سے کبھی بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ صحبت میں بڑی تاثیر ہے۔ جو شخص نیک صحبت میں جاتا ہے خواہ وہ مخالفت کے ہی رنگ میں ہو لیکن وہ صحبت اپنا اثر کئے بغیر نہ رہے گی اور ایک نہ ایک دن وہ اس مخالفت سے باز آجائے گا۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 505-506)

آپؑ فرماتے ہیں:

”دنیا میں دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی تعلقات۔ جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ کے تعلقات۔ دوسرے روحانی اور دینی تعلقات۔ یہ دوسری قسم کے تعلقات اگر کامل ہو جائیں تو سب قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہوتے ہیں اور یہ اپنے کمال کو تب پہنچتے ہیں جب ایک عرصہ تک صحبت میں رہے۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہؓ کی جماعت تھی، اس کے یہ تعلقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے جو انہوں نے نہ وطن کی پرواہ کی اور نہ اپنے مال واملاک کی اور نہ عزیز واقارب کی۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑی تو انہوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیئے۔ وہ شدائد ومصائب جو ان کو پہنچ رہے تھے، ان کے برداشت کرنے کی قوت اور طاقت ان کو کیونکر ملی۔ اس میں یہی سِرّ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا، جو آپؐ لے کر آئے تھے اور پھر دنیا اور اس کی ہر چیز ان کی نگاہ میں خدا تعالیٰ کے لقاء کے مقابلہ میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہیں تھی۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 140 ایڈیشن 2016ء)

سامعین! پھر آپؑ مقربین کی درگاہ میں بیٹھنے والوں کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

”یہ مسلمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے مقرب کے پاس رہنا گویا ایک طرح سے خود خدا تعالیٰ کے پاس رہنا ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 316 ایڈیشن 2016ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”جب انسان ایک راستباز اور صادق کے پاس بیٹھتا ہے تو صدق اس میں کام کرتا ہے لیکن جو راستبازوں کی صحبت کو چھوڑ کر بدوں اور شریروں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کرتی جاتی ہے۔ اسی لئے احادیث اور قرآن شریف میں صحبتِ بد سے پرہیز کرنے کی تاکید اور تہدید پائی جاتی ہے اور لکھا ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت ہوتی ہو اس مجلس سے فی الفور اُٹھ جاؤ ورنہ جو اہانت سُن کر نہیں اٹھتا اس کا شمار بھی ان میں ہی ہو گا۔

صادقوں اور راستبازوں کے پاس رہنے والا بھی ان میں ہی شریک ہوتا ہے۔ اس لئے کس قدر ضرورت ہے اس امر کی کہ انسان کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کے پاک ارشاد پر عمل کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دنیا میں بھیجتا ہے وہ پاک لوگوں کی مجلس میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک مجلس دیکھی ہے جس میں تیرا ذکر کر رہے تھے مگر ایک شخص اُن میں سے نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں! وہ بھی ان میں سے ہی ہے کیونکہ اِنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کی صُحبت سے کس قدر فائدے ہیں سخت بدنصیب ہے وہ شخص جو صحبت سے دُور رہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 507)

نیک اعمال کے لئے صحبتِ صالحین کے نسخہ کو آپؑ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

”خدا کے فضل کے سوا تبدیلی نہیں ہوتی اعمالِ نیک کے واسطے صحبت صادقین کا نصیب ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ خدا کی سنت ہے ورنہ اگر چاہتا تو آسمان سے قرآن شریف یونہی بھیج دیتا اور کوئی رسول نہ آتا۔ مگر انسان کو عمل درآمد کے لئے نمونہ کی ضرورت ہے۔ پس اگر وہ نمونہ نہ بھیجتا رہتا تو حق مشتبہ ہو جاتا۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 266 ایڈیشن 2016ء)

سامعین! آپؑ صحبت صالحین کو مسہل یعنی دست آور دوائی سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں:

”وہ عظیم الشان ذریعہ جس سے ایک چمکتا ہوا یقین حاصل ہو اور خدا تعالیٰ پر بصیرت کے ساتھ ایمان قائم ہو ایک ہی ہے کہ انسان ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو خدا تعالیٰ کے وجود پر زندہ شہادت دینے والے

ہوں خود جنہوں نے اس سے سن لیا ہے کہ وہ ایک قادر مطلق اور عالم الغیب تمام صفات کاملہ سے موصوف خدا ہے۔ ابتداء میں جب انسان ایسے لوگوں کی صحبت میں جاتا ہے تو اس کی باتیں بالکل انوکھی اور نرالی معلوم ہوتی ہیں وہ بہت کم دل میں جاتی ہیں گو دل اُن کی طرف کھینچی جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اندر کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے ان معرفت کی باتوں کی ایک جنگ شروع ہو جاتی ہے جو کچھ گرد و غبار دل پر بیٹھا ہوتا ہے صادق کی باتیں ان کو دور کر کے اسے جلا دینا چاہتی ہے تا اس میں یقین کی قوت پیدا ہو جیسے جب کبھی کسی آدمی کو مسہل دیا جاتا ہے تو دست آور دوائی پیٹ میں جا کر ایک گڑگڑاہٹ سی پیدا کر دیتی ہے اور تمام مواد ردّیہ اور فاسدہ کو حرکت اور جوش دے کر باہر نکالتی ہیں اسی طرح پر صادق ان ظنیات کو دور کرنا چاہتا ہے اور سچے علوم اور اعتقاد صحیحہ کی معرفت کرانی چاہتا ہے اور وہ باتیں اس دل کو جس نے بہت بڑا زمانہ ایک اور ہی دنیا میں بسر کیا ہوا ہوتا ہے ناگوار اور ناقابلِ عمل معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن آخر سچائی غالب آجاتی ہے اور باطل پرستی کی قوتیں مر جاتی ہیں اور حق پرستی کی قوتیں نشوونما پانے لگتی ہیں۔ پس میں اس نور کو لے کر آیا ہوں اور دنیا میں قوتِ یقین کو پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اس قوت کا پیدا ہونا صرف الفاظ اور باتوں سے نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ ان نشانات سے نشوونما پاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مقتدرانہ طاقت سے صادقوں کے ہاتھ پر ظہور پاتے ہیں۔ "

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 365-366)

آپؑ ایک موقع پر ماں اور بیٹے کی مثال دے کر فرماتے ہیں۔

"سنو! انسان کامل مومن اس وقت تک نہیں ہوتا، جب تک کفار کی باتوں سے متاثر نہ ہونے والی فطرت حاصل نہ کرلے اور یہ فطرت نہیں ملتی جب تک اس شخص کی صحبت میں نہ رہے جو گمشدہ متاع کو واپس لانے کے واسطے آیا ہے۔ پس جب تک وہ اس متاع کو نہ لے لے اور اس قابل نہ ہو جائے کہ مخالف باتوں کا اس پر کچھ بھی اثر نہ ہو تو اس وقت تک اس پر حرام ہے کہ اس صحبت سے الگ ہو کیونکہ وہ اس بچہ کی مانند ہے جو ابھی ماں کی گود میں ہے اور صرف دودھ ہی پر اس کی پرورش کا انحصار ہے۔ پس اگر وہ بچہ ماں سے الگ ہو جاوے تو فی الفور اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح اگر وہ صحبت سے علیحدہ ہوتا ہے تو خطرناک حالت میں جا پڑتا ہے۔ پس بجائے اس کے کہ دوسروں کو درست کرنے کے لئے کوشش کر سکتا ہو خود الٹا

متاثر ہو جاتا ہے اور اوروں کے لئے ٹھوکر کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے ہم کو دن رات جلن اور افسوس یہی ہے کہ لوگ بار بار یہاں آئیں اور دیر تک صحبت میں رہیں۔ انسان کامل ہونے کی حالت میں اگر ملاقات کم کر دے اور تجربہ سے دیکھ لے کہ قوی ہو گیا ہوں تو اس وقت اسے جائز ہو سکتا ہے کہ ملاقات کم کر دے کیونکہ بعید ہو کر بھی قریب ہی ہوتا ہے لیکن جب تک کمزوری ہے وہ خطرناک حالت میں ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 136 ایڈیشن 2016ء)

پیارے بھائیو! زیارت صالحین کے لیے سفر کرنا قدیم سے سنت سلفِ صالح چلی آئی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب قیامت کے دن ایک شخص اپنی بد اعمالی کی وجہ سے سخت مواخذہ میں ہو گا تو اللہ جلّ شانہ اس سے پوچھے گا کہ فلاں صالح آدمی کی ملاقات کے لیے کبھی تو گیا تھا۔ تو وہ کہے گا بالارادہ تو کبھی نہیں گیا مگر ایک دفعہ ایک راہ میں اس کی ملاقات ہو گئی تھی تب خدا تعالیٰ کہے گا کہ جا! بہشت میں داخل ہو۔ مَیں نے اسی ملاقات کی وجہ سے تجھے بخش دیا۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 608)

سامعین! حضرت اقدسؑ **برف کے تودوں پر چل کر صحبت اختیار کرنے کے حوالے سے** فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے کہ جب دنیا ختم ہونے پر ہو گی تو اس اُمّت میں سے مسیح موعود پیدا ہو گا۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس کے پاس پہنچیں خواہ ان کو برف پر چل کر جانا پڑے۔ اس لئے صحبت میں رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ سلسلہ آسمانی ہے۔ پاس رہنے سے باتیں جو ہوں گی ان کو سنے گا جو کوئی نشان ظاہر ہو اُسے سوچے گا۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 263-264)

آپؑ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی عظمت کو دل میں جگہ دیتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کو عزت دیتا اور خود اُن کے لئے ایک سپر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہ لَہٗ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاوے اللہ تعالیٰ اُس کا ہو جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 356)

ایک انگریز نے ایک دفعہ حضورؑ سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ کشمیر میں ایک بڑا ہوٹل بناؤں اور وہاں ہر ملک و دیار کے لوگ جو سیر و سیاحت کے لئے آتے ہیں ان کو تبلیغ کروں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ

"ہمیں اس سے دنیاداری کی بُو آتی ہے۔ اگر اُسے سچا اخلاص خدا کے ساتھ ہے اور اس کی غرض تحصیل دینی ہے تو اول یہاں (قادیان) آکر رہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 316)

صحبت صالحین کو ایک کیمیا قرار دیتے ہوئے آپؑ نے ایک دفعہ کسی بزرگ کا یہ فارسی شعر پڑھا۔

"ہر کہ روشن شُد دل وجان ودرُوں از حضرتش
کیمیا باشد بسر برون دمے در صحبتش

یعنی جس کے جان و دل اور باطن خدا کے حضور سے روشن کئے گئے ہیں اُن کی صحبت میں ایک لمحہ گزارنا بھی کیمیا ہے۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 485)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ سے کسی نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ "سنا ہے کہ آپ کو کیمیا گری آتی ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ ہاں آتی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ہم غریب ہیں اور مقروض رہتے ہیں۔ آپ ہمیں بھی بتائیں۔ چنانچہ حضورؓ نے فرمایا:

"لوگ اکسیر اور سنگ پارس تلاش کرتے پھرتے تھے۔ میرے لیے تو حضرت مرزا صاحب پارس تھے۔ مَیں نے انکو چھوُا تو بادشاہ بن گیا"

(تاریخ احمدیت جلد سوم)

کسی نے صحبت کے مضمون کو گلاب اور دیگر پھولوں سے تشبیہ دی ہے کہ جہاں پھولوں کی کیاریاں ہوں وہاں سے آنے والی ہوائیں بھی خوشبودار ہو کر گزرتی ہیں اور فضا مہک جاتی ہے۔ یہاں تک کہ گلاب کی پتیاں جس زمین پر گرتی ہیں وہ زمین بھی گلاب کی خوشبو سے معطر ہو جاتی ہے۔

سامعین! یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ اسے اپنے معاشرے کی تزئین و آرائش اور بہتری کے لئے قوم کے لیڈروں نے خواہ ان کا تعلق مشرکین سے ہو، دہریت سے ہو یا عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر مذاہب سے۔ اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اچھی صحبت اچھے لوگ مہیا کرتی ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ

گندم از گندم بروید جو از جو
از مکافات عمل غافل مشو

کہ گندم سے گندم اور جو سے جو اُگتے ہیں۔ تو مکافات عمل سے ہر گز غافل نہ ہو۔

اسی مضمون کو ایک انگریزی مثل میں یوں سمویا گیا ہے

"The duty of an apple is to ensure that an apple tree grow out of it".

سیب کے ذمہ لگایا گیا ہے کہ وہ ممکن بنائے کہ اس کے ذریعہ سیب کے درخت اُگیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے ماحول میں دیگر اُٹھنے بیٹھنے والے لوگوں سے ضرور اثر پکڑتا ہے اور باوجود نہ چاہنے کے بھی، اس میں ان لوگوں جیسی حرکات و سکنات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے دوستیاں بڑھائیں اور بدزبان اور بدکردار کے حامل انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والے پہلے بالکل جاہل اور اخلاق سے عاری تھے مگر آہستہ آہستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ الٰہی رنگ پکڑ گئے اور ساری دنیا پر اخلاق حسنہ کی تلوار سے حکومت کی۔

آپؑ فرماتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور بڑے بڑے نقصان برداشت کئے۔ اُن کو اس بات کا علم تھا کہ صحبت سے جو بات حاصل ہوتی ہے وہ اور طرح ہر گز حاصل نہ ہو گی۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 351)

پنجابی کے معروف صوفی شاعر میاں محمد بخش (مصنف منظوم مجموعہ کلام: سیف الملوک) نے حدیث کا منظوم کلام میں ترجمہ یوں کیا ہے۔

چنگے بندے دی صحبت یارو جیویں دکان عطاراں
سودا پاویں مول نہ لیئے ھُلے آن ہزاراں
بُرے بندے دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں
کپڑے پاویں کُنج کُنج بیٹھیے چنکاں آن ہزاراں

اِسی طرح بے شمار اِس حوالے سے ضرب المثل ہیں جیسے صحبت صالح ترا صالح کند مگر وقت مجھے اجازت نہیں دے رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک لوگوں کی صحبت میں رکھے۔ آمین

۞۞۞۞

﴿13﴾ ﴿مشاہدات۔851﴾

صحبتِ صالحین کے ذرائع

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:119)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

رہیں ہم دُور ہر بدکیش و بد سے
رہے صحبت ہمیں اہلِ وفا کی
بنائیں دل کو گلزارِ حقیقت
لگائیں شاخ زہد و اتّقا کی
رسول اللہ ہمارے پیشوا ہوں
ملے توفیق اُن کی اقتدا کی

سامعین! آج مجھے صحبتِ صالحین کے لئے وہ ذرائع بتانے ہیں جن کو ہم اپنا کر نیک اور پارسا لوگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اِس میں سب سے اول مساجد میں باجماعت نمازوں میں شمولیت ہے جہاں مومن محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ مساجد کے تسلسل میں درس القرآن، درس الحدیث اور درس ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ جب یہ درس ہو رہا ہو تو وہ محافل صحبتِ صالحین کی ہیں۔

ہفتہ میں جمعہ کے روز نہادھو کر حسب توفیق خوشبو لگا کر مساجد میں جا کر خطبہ جمعہ سننا بھی ایک اعلیٰ درجہ کی صادقین کی مجلس ہے۔ اِس دور میں اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ پر یہ احسان عظیم کر رکھا ہے کہ ہم MTA کے توسط سے اپنے پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ خطبات جمعہ سے براہ راست مستفیض ہوتے ہیں۔ صحبتِ صالحین کی یہ محافل 200 سے زائد ممالک میں بیک وقت جاری ہوتی ہیں۔

فرشتوں کا نزول ہو رہا ہوتا ہے۔ اذان بیک وقت نشر ہو رہی ہوتی ہے۔ صادقین کی اس محفل سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ حضور براہِ راست السلام علیکم ورحمۃ اللہ کا تحفہ احبابِ جماعت کو پیش کر رہے ہوتے ہیں اور ساری دنیا میں پھیلے کروڑہا احمدی اِس لائیو سلام کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کی صورت میں دیتے ہیں۔ یہ کیا ہی پیارا اور خوبصورت نظارہ ہے جو اکنافِ عالَم میں ایک ہی جگہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اِس وقت جبکہ ساری دنیا میں ایک دوسرے پر سلامتی کی دعائیں ہو رہی ہوں یہ صحبتِ صالحین کا ایک نادر موقع ہوتا ہے۔ بعض مخلصین اور خلیفۂ وقت کے محبّین تو خطبہ کے آغاز سے پہلے ہی ٹی وی کے سامنے بڑے تردّد کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں تا پیارے خلیفہ کا لائیو سلام قبول کریں۔

سامعین! ایم ٹی اے کی بات چلی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے جہاں سے 24 گھنٹے روحانیت کے شگوفے پھوٹتے ہیں۔ اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ نیکی کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر صحبتِ صالحین کی محافل نہیں ہوسکتیں۔ جماعتوں اور ذیلی تنظیموں کے ماہانہ اجلاسات ہیں۔ جو صادقین کی صحبت کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جلسے ہیں جن کی ابتداء یا بنیادی اینٹ آج سے **134** سال قبل الٰہی اذن سے قادیان میں رکھی گئی اور آج **100** کے قریب ممالک میں یہ جلسے بڑی شان کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔ یہ صادقین کی محافل ہیں۔ ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے 2 دسمبر 2005ء کو ماریشس کے جلسہ سالانہ پر خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے سے قبل سورۃ التوبہ کی آیت 119 كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کی تلاوت فرمائی اور ان جلسوں کو صحبتِ صالحین کا ذریعہ قرار دیا۔

آپ نے فرمایا:

”یہ آیت جو مَیں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ ہمیں نصیحت فرما رہا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کا غلامِ صادق ہی سب سے بڑا صادق ہے۔ پس اب جب آپ نے اس صادق کے ساتھ تعلق جوڑا ہے تو اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کریں اور آپؐ اپنی جماعت جیسی بنانا چاہتے تھے ویسی جماعت بننے کی کوشش کریں۔ دنیا کو بتادیں کہ تم ہمیں مسلمان سمجھو یا غیر مسلم اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس صادق کو پالیا ہے اور اب اس کی جماعت میں شامل ہوگئے ہیں اور اب ہم

ہی ہیں جن سے اسلام کی آئندہ تاریخ بننی ہے (ان شاء اللہ) اس لئے ہم اب تمہیں بھی کہتے ہیں کہ آؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عاشقِ صادق کی جماعت میں داخل ہو کر اپنی دنیا و آخرت سنوار لو۔ لیکن جب یہ دعویٰ کر کے آپ دنیا کو اپنی طرف بلائیں گے تو اپنے آپ پر بھی نظر ڈالنی ہو گی کہ ہم نے اپنے اندر کیا انقلاب پیدا کیا ہے۔ اِس زمانے کے مسیح ومہدی اور سب سے بڑے صادق کو مان کر ہمارے اپنے نمونے کیا ہیں۔ ہمارے اپنے تقویٰ کے معیار کیا ہیں۔"

(خطبات مسرور جلد سوم صفحہ 704)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"عجیب موثر نظارہ ہو گا جو زندگی میں ایک جماعت کے مرنے کے بعد بھی ایک جماعت ہی نظر آئے گی۔ یہ بہت ہی خوب ہے جو پسند کریں وہ پہلے سے بندوبست کر سکتے ہیں کہ یہاں دفن ہوں جو لوگ صالح معلوم ہوں ان کی قبریں دُور نہ ہوں۔ ریل نے آسانی کا سامان کر دیا ہے اور اصل تو یہ ہے وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ مگر اس میں یہ کیا لطیف نکتہ ہے کہ بِاَیِّ اَرْضٍ تُدْفَنُ نہیں لکھا۔ صلحاء کے پہلو میں دفن بھی ایک نعمت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ مرض الموت میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جو جگہ ہے انہیں دی جاوے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایثار سے کام لے کر وہ جگہ ان کو دے دی تو فرمایا مَا بَقِیَ هَمٌّ بَعْدَ ذَالِكَ یعنی اس کے بعد اب مجھے کوئی غم نہیں جبکہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں مدفون ہوں۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 286 ایڈیشن 1984ء)

سامعین! اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی کسی نیک بندے کی صحبت اختیار کرنا صحبتِ صالحین کی طرح ہے۔ تو رواں زندگی میں نیک بزرگوں اور صلحاء کے پاس بیٹھ کر فیض حاصل کرنا کتنا ضروری اور سودمند ہے۔ اب جبکہ دنیا **Global Village** بلکہ گلوبل ڈرائنگ روم کی صورت اختیار کر چکی ہے اور نیک، پرہیزگار، متقی اور صلحاء کی باتیں آڈیو، وڈیو اور تصاویر کی شکل میں موبائل فونز کے ذریعہ ہمارے پاس آ موجود ہوتی ہیں تو انٹرنیٹ اور مواصلاتی سیاروں کے یہ ذرائع بھی صحبت صالحین کے

زمرے میں آتے ہیں، یہ کہنا بھی عین حقیقت ہے کہ آج کے جدید ترین دور میں صحبت صالحین حاصل کرنے کے جو ذرائع ہمیں اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمائے ہیں وہ اس سے پہلے اتنے سہل اور آسان نہ تھے۔ جیسے قرآن کریم، اُس کے تراجم و تفاسیر، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یعنی احادیث اور اعمال یعنی سنتِ رسول اور بزرگانِ سلف کی سیرت و سوانح کے علاوہ آج کے دور کے حکم و عدل حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی مختلف تقریبات، مجالس اور قادیان کی خوش قسمت گلیوں اور محلوں میں چہل قدمی کے دوران کلمات طیبات، ملفوظات اور پُر معارف نکات اور دقیق علوم پر مبنی کتب کا سیٹ روحانی خزائن، عزیزوں اور قریبی احباب کو رقم کئے ہوئے مکتوبات اور خطوط نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی وحی والہام، رؤیا و کشوف اور سچی پیش خبریوں پر مشتمل اشتہارات کی صورت میں علموں بھرا خزانہ ہماری تعلیم و تربیت کرنے کے لئے نیک صحبت کے طور پر چھوڑا۔ اِن کو اپنے زیرِ مطالعہ رکھنا صحبتِ صالحین ہی تو ہے۔

حضور ایدہ اللہ اِس حوالے سے فرماتے ہیں:

”آپؑ کی کتب پڑھنے کی طرف بھی بہت توجہ دینی چاہئے یہ بات بھی صحبتِ صادقین کے زمرے میں آتی ہے کہ آپؑ کے علم کلام سے فائدہ اٹھایا جائے۔“

(خطبات مسرور جلد سوم صفحہ 394)

آپؑ کی وفات کے بعد آپؑ کے پانچوں خلفاء کے خطبات، خطابات اور کتب اپنے ورثہ میں ہماری روحانی حیات کو سنوارنے کے لئے چھوڑی ہیں۔ بالخصوص ہمارے موجودہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دور میں لائیو خطابات و خطبات، ورچوئل ملاقاتیں اور This week with Huzoor ایم ٹی اے کے ذریعہ ہم سنتے، دیکھتے، محظوظ ہوتے ہیں اور روحانی غذا کے طور پر ہم اسے اپنے دل و دماغ کا حصہ بناتے ہیں تو یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ خداوند کریم کا احسانِ عظیم اس صدی کا انقلابی جماعتی میڈیئم یعنی ایم ٹی اے صحبت صالحین کا ایک اہم ذریعہ آج کے دور میں بن کر سامنے آیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں دنیا کے مختلف کونوں سے شائع ہونے والے جماعتی اور ذیلی تنظیموں کے رسائل، میگزینز، ہینڈ بلز اور اخبارات کے ذریعہ جو انتشارِ روحانی ہو رہا ہے یعنی علمی، اخلاقی، دینی، تربیتی اور معلوماتی فیض بانٹا

جارہاہے اور لاکھوں احباب وخواتین اس سے روزانہ فیضیاب ہو رہے ہیں وہ ایک قسم کے ذرائع ہی ہیں جو آج کے دور میں صحبت صالحین حاصل کرنے کے ہیں۔ جسے احباب جماعت اور قارئین آج کی جدید اور انوکھی ”تربیت گاہ“ کا نام دے رہے ہیں۔ صالحین کی صحبت کا فیض بانٹنے والی ایسی بیٹھک سے موسوم کر رہے ہیں جہاں سے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر ہر کس وناکس اپنی جھولیاں بھر کر گھر کو لوٹ رہا ہے پھر اپنے امام سے خطوط کے ذریعہ رابطہ رکھنا بھی صحبت صالحین کا اہم ذریعہ ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ خط لکھنا نصف ملاقات کے برابر ہوتا ہے۔

پیارے حضور کا 22 اکتوبر 2021ء کا ایم ٹی اے کے معروف اور ہر دلعزیز پروگرام **This week with Huzoor** میں کینیڈا سے ایک نوجوان واقفِ نو نے جب حضور سے کوئی سوال عرض کیا تو حضور نے استفسار فرمایا کہ

”آپ ہی ہیں جو کچھ عرصے سے مجھے خط لکھ رہے ہیں جس میں بعض سوالات ہوتے ہیں۔“۔ اِسی طرح مؤرخہ **4** مئی **2025**ء کو جامعہ احمدیہ برطانیہ کی سالانہ تقسیم اسناد کے موقع پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک فارغ التحصیل ہونے والے مربّی صاحب سے استفسار فرمایا کہ ”آپ بیمار تھے؟“۔ گویا یہ خوش قسمت نوجوان اپنے محترم آقا سے خطوط کے ذریعہ رابطے میں ہو گا۔ اِسے صحبتِ صالحین نہ کہیں تو کس نام سے یاد کریں؟ اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہماری تابناک تاریخ میں موجود ہیں کہ ہمارے خلفاء نے خطوط کے ذریعہ احباب کو پہچانا اور ہزاروں لاکھوں میں یاد رکھا۔ ہمیں بھی صحبت صالحین کے اس بہت فائدہ مند ذریعہ کو اپنانے اور اپنے پیارے آقا کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے خطوط تحریر کرتے رہنا چاہئے۔

سامعین! گھروں میں نوافل ادا کرنا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ احادیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے ارشادات پڑھنا اور دوسروں کو سنانا بھی صحبتِ صالحین کی محافل ہیں۔ ان تمام محافل صحبت صالحین کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس زمانے میں جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا کہ دعاؤں کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود کی تفاسیر اور علم کلام سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر قرآن کو سمجھنا ہے یا احادیث کو سمجھنا ہے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ یہ تو بڑی نعمت ہے ان لوگوں کیلئے جن کو

اردو پڑھنی آتی ہے کہ تمام کتابیں اردو میں ہیں۔ اکثریت اردو میں ہیں، چند ایک عربی میں بھی ہیں۔ پھر جو پڑھے لکھے نہیں ان کیلئے مسجدوں میں درسوں کا انتظام موجود ہے ان میں بیٹھنا چاہئے اور درس سننا چاہئے۔ پھر ایم ٹی اے کے ذریعہ سے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور ایم ٹی اے والوں کو بھی مختلف ملکوں میں زیادہ سے زیادہ اپنے پروگراموں میں یہ پروگرام بھی شامل کرنے چاہئیں جن میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباسات کے تراجم بھی ان کی زبانوں میں پیش ہوں۔ جہاں جہاں تو ہو چکے ہیں اور تسلی بخش تراجم ہیں وہ تو بہرحال پیش ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اردو دان طبقہ جو ہے، ملک جو ہیں، وہاں سے اردو کے پروگرام بن کے آنے چاہئیں۔ جس میں زیادہ سے زیادہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کلام کے معرفت کے نکات دنیا کو نظر آئیں اور ہماری بھی اور دوسروں کی بھی ہدایت کا موجب بنیں۔"

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 401-402)

پھر فرمایا:

"ایسی نیک مجالس ہیں جو سلامتی کی مجلسیں ہیں۔ ان میں عام گھریلو مجالس، اجتماعات اور جلسے بھی ہو سکتے ہیں۔ جماعت احمدیہ خوش قسمت ہے کہ اس میں ایک ہاتھ پر اکٹھا ہونے کی وجہ سے اس قسم کے مواقع میسر آتے رہتے ہیں۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں کا جلسہ بھی آنے والا ہے اس سے بھی بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے تاکہ ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کی بارش ہم پر پڑتی رہے۔"

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 490)

پھر فرمایا:

"یہ بھی ان مجالس کے ضمن میں ہے کہ ہمیشہ ایسی مجالس میں بیٹھنا اور اٹھنا چاہئے جہاں سے نیکی کی باتیں پتہ لگیں۔ تقویٰ کی باتیں پتہ لگیں، اللہ اور رسولؐ کے احکامات کا علم ہو۔ اگر اپنی اصلاح کرنی ہے اور اپنی زندگی سنوارنا چاہتے ہیں اور دینی علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیشہ جیسا کہ حدیث میں آیا اپنی صحبت نیک لوگوں میں رکھنی چاہئے اور ایسی مجالس کی تلاش میں رہنا چاہئے۔ اس بات کو ایک حدیث میں یوں بھی بیان

فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم مومن کے سوا کسی اور کے ساتھ نہ بیٹھو اور متقی آدمی کے سوا اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔"(ترغیب و الترھیب بحوالہ صحیح ابن حبان)

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 491)

پھر ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ احبابِ جماعت کو صحبتِ صالحین کی تلقین و نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر یہ بھی نظر رکھنی چاہئے کہ بچوں کے دوست کون ہیں بچوں کے دوستوں کا بھی پتہ ہونا چاہئے۔ یہ مثال تو ابھی آپ نے سن ہی لی۔ اس سیٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے ہی صرف اس طالبعلم پر دہریت کا اثر ہو رہا تھا۔ لیکن یہ مثالیں کئی دفعہ پیش کرنے کے باوجود، کئی دفعہ سمجھانے کے باوجود، ابھی بھی والدین کی یہ شکایات ملتی رہتی ہیں کہ انہوں نے سختی کر کے یا پھر بالکل دوسری طرف جا کر غلط حمایت کر کے بچوں کو بگاڑ دیا۔ ایک بچہ جو پندرہ سولہ سال کی عمر تک بڑا اچھا ہوتا ہے جماعت سے بھی تعلق ہوتا ہے، نظام سے بھی تعلق ہوتا ہے، اطفال الاحمدیہ کی تنظیم میں بھی حصہ لے رہا ہوتا ہے۔ جب وہ پندرہ سولہ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو پھر ایک دم پیچھے ہٹنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر ہٹتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایسی بھی شکایات آئیں کہ ایسے بچے ماں باپ سے بھی علیحدہ ہو گئے۔ اور پھر بعض بچیاں بھی اس طرح ضائع ہو جاتی ہیں۔ جن کا بہر حال افسوس ہوتا ہے۔ تو اگر والدین شروع سے ہی اس بات کا خیال رکھیں تو یہ مسائل پیدا نہ ہوں۔

پھر بچوں کو بھی مَیں کہتا ہوں کہ اپنے دوست سوچ سمجھ کر بناؤ۔ یہ نہ سمجھو کہ والدین تمہارے دشمن ہیں یا کسی سے روک رہے ہیں بلکہ سولہ سترہ سال کی عمر ایسی ہوتی ہے کہ خود ہوش کرنی چاہئے، دیکھنا چاہئے کہ ہمارے جو دوست ہیں بگاڑنے والے تو نہیں، اللہ تعالیٰ سے دور لے جانے والے تو نہیں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے دور لے جانے والے ہیں وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ تمہارے ہمدرد نہیں ہو سکتے، تمہارے سچے دوست نہیں ہو سکتے اور ایک احمدی بچے کو تو کیونکہ صادقوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانا ہے اس لئے یاد رکھیں کہ یہ گروہ شیطان کا گروہ ہے صادقوں کا گروہ نہیں اس لئے ایسے لوگوں میں بیٹھ کے اپنی بدنامی کا باعث نہ بنیں، ایسے بچوں یا نوجوانوں سے دوستی لگا کے اپنے خاندان کی بدنامی کا باعث نہ بنیں اور ہمیشہ نظام سے

تعلق رکھیں۔ نظام جو بھی آپ کو سمجھاتا ہے آپ کی بہتری اور بھلائی کیلئے سمجھاتا ہے۔ نمازوں کی طرف توجہ دیں۔ قرآن پڑھنے کی طرف توجہ دیں اللہ تعالیٰ ہمارے ہر بچے کو ہر شیطانی حملے سے بچائے۔"

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 396-397)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مومن کی ہر ایک چیز بابرکت ہو جاتی ہے جہاں وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسروں کے لئے موجب برکت ہوتی ہے۔ اس کا پس خوردہ اوروں کیلئے شفا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک گنہگار خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جاوے گا۔ خدا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے کوئی نیک کام کیا؟ وہ کہے گا کہ نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ اس کو کہے گا کہ فلاں مومن تو ملا تھا وہ کہے گا خداوند مَیں ارادتاً تو کبھی نہیں ملا وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ میں مل گیا۔ خدا تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ پھر ایک اور موقعہ پر حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرے گا کہ میرا ذکر کہاں پر ہو رہا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک حلقہ مومنین کا تھا جہاں دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا؛ البتہ ذکر الٰہی آٹھوں پہر ہو رہا ہے۔ اُن میں ایک دنیا پرست شخص تھا۔ للہ تعالیٰ فرمائے گا کہ مَیں نے اس دنیادار کو اس ہم نشینی کے باعث بخش دیا۔ اِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جہاں ایک مومن امام ہو اس کے مقتدی پیش ازیں کہ وہ سجدہ سے سر اُٹھاوے بخش دیئے جاتے ہیں۔

مومن وہ ہے کہ جس کے دل میں محبتِ الٰہی نے عشق کے رنگ میں جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلت میں بھی خدا تعالیٰ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اب جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کب کسی کا کانشنس کہتا ہے کہ وہ ضائع ہو گا کیا کوئی رسول ضائع ہوا؟ دنیا ناخنوں تک اُن کو ضائع کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن وہ ضائع نہیں ہوتے جو خدا تعالیٰ کے لیے ذلیل ہو وہی انجام کار عزت و جلال کا تخت نشیں ہو گا۔ ایک ابو بکرؓ ہی کو دیکھو! جس نے سب سے پہلے ذلت قبول کی اور سب سے پہلے تخت نشین ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے کچھ نہ کچھ دکھ اٹھانا پڑتا ہے کسی نے سچ کہا ہے:

عشق اول سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

عشق الٰہی بے شک اول سرکش و خونی ہوتا ہے تاکہ نااہل دور ہو جاوے۔ عاشقانِ خدا تکالیف میں ڈالے جاتے ہیں۔ قسم قسم کے مالی اور جسمانی مصائب اُٹھاتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے دل پہچانے جاویں۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 31)

حضرت مسیح موعودؑ صحابۂ رسولؐ کی صحبتِ رسول کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں۔

اِنَّ		الصَّحَابَةَ	كُلَّهُمْ	كَذُكَاءِ
قَدْ	نَوَّرُوْا	وَجْهَ	الْوَرٰى	بِضِيَاءِ
يَا	رَبِّ	فَارْحَمْنَا	بِصَحْبِ	نَبِيِّنَا
وَاغْفِرْ	وَ	اَنْتَ	اللّٰهُ	ذُوْالَاءِ

یقیناً صحابہ سب کے سب سورج کی مانند ہیں۔ انہوں نے مخلوقات کا چہرہ اپنی روشنی سے منور کردیا۔ اے میرے رب! ہم پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے طفیل رحم کر اور ہماری مغفرت فرما اور تو ہی نعمتوں والا اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صلحاء اور نیک بزرگوں کی صحبت بالخصوص حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی پاکیزہ صحبت یعنی ارشادات و نصائح کو سننے اور ان پر بھرپور عمل کرنے کی توفیق سے نوازتا رہے۔ آمین

﴾14﴿ ﴾مشاہدات۔852﴿

صحبتِ صالحین کی اہمیت

(خلفاء کے اِرشادات کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:119)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔" خلفائے احمدیت کے ارشادات کی روشنی میں صحبتِ صالحین کی اہمیت۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:

"تقویٰ کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی سچا متقی انسان بن نہیں سکتا جب تک صادقوں اور راستبازوں کی صحبت میں رہنے کا اس کو موقع نہ ملے اور اُن کی معیت اختیار نہ کرے کیونکہ تقویٰ اللہ کی حقیقت منحصر ہے اوّلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پر اور یہ یقین بجز خدا تعالیٰ کے راست بازوں کی صحبت میں رہنے کے پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس صحبت میں رہ کر وہ اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت کو مشاہدہ کرتا ہے اور خارق عادت امور کو دیکھتا ہے جو انسانی طاقتوں اور ارادوں سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ان امور اور عجائبات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان پیدا ہونے لگتا ہے اور پھر اس کی صفات پر یقین آتا ہے جس سے تقویٰ اللہ کی حقیقت اُس پر کھلنے لگتی ہے اور وہ متقی بننے لگتا ہے۔"

(خطبات نور صفحہ 44)

آپؓ فرماتے ہیں:

"مجھے اپنے طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد ہے جب میں ہندوستان میں تعلیم پاتا تھا تو میرے ایک مہربان تھے جو بڑے ہی پرہیز گار اور صالح آدمی تھے۔ ان کا نام شاہ عبد الرزاق تھا۔ رام پور روہیل کھنڈ میں رہتے تھے اور یہ سید احمد بریلوی کے معتقد تھے۔ مَیں عموماً ان کی ملاقات کے واسطے جایا کرتا تھا اور اُن کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ کئی دن تک مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نہ ملا۔ اس غیر حاضری کے بعد جب مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تم اتنے دنوں تک کیوں نہیں آئے۔ مَیں نے عرض کی کہ یونہی آنا نہیں ہو سکا۔ اس پر مجھے فرمایا کہ کیا تم کبھی قصاب کی دکان پر بھی نہیں گئے ہو؟ دو تین مرتبہ اس فقرہ کو دہرایا مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس سے آپ کا کیا مطلب ہے اور میری غیر حاضری اور حاضری کو اس سے کیا تعلق؟ پھر آپ نے ہاتھ کے اشارے سے سمجھایا کہ دیکھو قصاب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اپنی دونوں چھریوں کو کس طرح باہم رگڑ تا لیتا ہے حالانکہ بظاہر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے عارف کو سبق لینا چاہیے کہ دنیا کے دھندوں اور تعلقات میں انسان کے قلب پر ایک قسم کا زنگ چڑھ جاتا ہے اور معرفت کی تیزی جلد کند ہونے لگتی ہے جس کے واسطے ضروری ہے کہ انسان وقتاً فوقتاً صادقوں کی صحبت میں رہ کر اس زنگ کو دور کرتا رہے اور ان کی نیک صحبت سے اس تیزی اور جلا کو قائم رکھے۔"

(خطبات نور صفحہ 52-53)

آپؓ فرماتے ہیں:

"ضروری بات یہ ہے کہ انسان عرصہ دراز تک خدا تعالیٰ کے معمور کی صحبت میں حسنِ ظن اور ارادت کے ساتھ بیٹھے اور وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اس کے نمونہ کو اختیار کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر فضل کرے اور اُس کو نیکیوں اور اخلاقِ فاضلہ کا وارث بناوے۔ مَیں کسی اور کی بابت کوئی رائے نہیں دے سکتا اپنی نسبت کہتا ہوں اور اپنی کمزوریوں پر کر کے خیال کرتا ہوں کہ مَیں اس گاؤں سے ایک گھنٹہ کے لیے بھی باہر جانا اپنی موت سمجھتا ہوں۔ بجز ایسی حالت اور صورت کے کہ مجھے حضرت امام نے حکم دیا ہو۔"

(خطبات نور صفحہ 106)

آپؓ فرماتے ہیں:

”جس طرح گندا کوڑا کرکٹ اعلیٰ مقامات میں جا کر اچھا ہو جاتا ہے اسی طرح اچھی صحبت میں گندہ انسان اپنی حالت کو تبدیل کر لیتا ہے۔ اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:119) راستبازوں کا ساتھ ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ وہ عرب جو سوائے اونٹ چرانے کے کچھ نہیں جانتے تھے جب انہوں نے دنیا میں اسلام کا نور پھیلایا تو کس طرح خدائے تعالیٰ نے اُن پر فضل و کرم فرمایا اور انہوں نے کیسی عزت حاصل کی۔ وہ صحبت کا نتیجہ تھا۔“

(خطبات نور صفحہ 536)

سامعین! حضرت مصلح موعودؓ نے صالحین کی صحبت میں بیٹھنے کے فلسفہ کو نہایت عمدگی کے ساتھ اپنے ایک لیکچر میں یوں بیان فرمایا ہے:

”اسی لئے صحبت صالح کا حکم ہے اس میں یہی حکمت ہے خدا کے برگزیدہ بندوں کی بات تو تحریر کے ذریعہ یا دوسروں کی زبانی بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ پھر کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ (التوبہ:119) میں صادقوں کی صحبت میں رہنے کا کیوں اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کرنے یا مسیح موعود کا اپنی صحبت میں رہنے کی تاکید کرنے کا کیا مطلب ہے؟ در حقیقت بات یہ ہے کہ صرف الفاظ اس قدر اثر نہیں رکھتے جس قدر وہ رَو رکھتی ہے جو قلب سے نکلتی ہے اور چونکہ ہر قلب ایسا نہیں ہوتا جو اسے دور سے محسوس کر سکے اس لئے قریب ہونے کی وجہ سے چونکہ رَو کی شدت بڑھ جاتی ہے اور جلدی اثر ہو جاتا ہے اس لئے قرب کا حکم دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو بتایا گیا کہ جو تیرے زمانہ کے لوگ ہوں گے وہ اچھے ہوں گے اور جو ان سے بعد کے ہوں گے وہ ان سے کم درجہ کے ہوں گے اور جو ان سے بعد کے ہوں گے وہ ان سے کم درجہ کے ہوں گے...... اب سوال ہوتا ہے کہ ان سب کی اصلاح تو قرآن کریم اور احادیث کے ذریعہ ہوئی اور اسی طرح سے وہ پاک۔ وصاف ہوئے پھر وجہ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ کے لوگ اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں اور ان کے بعد کے ان سے کم اور ان کے بعد کے ان سے بھی کم۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلوں پر جس قدر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعودؑ کے وجود پاک سے نکلی ہوئی لہر کا اثر ہوا وہ

بُعدِ زمانی کی وجہ سے بعد والوں پر کم ہوتا گیا۔ دیکھو! پانی میں جب پتھر پھینکا جائے تو قریب قریب کی لہریں بہت نمایاں اور واضح ہوتی ہیں اور جوں جوں لہریں پھیلتی جاتی ہیں مدھم ہوتی جاتی ہیں یہی حالت روحانی لہروں کی ہوتی ہے ان پر جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اور وہ پھیلتی جاتی ہیں تو گو مٹتی نہیں مگر ایسی کمزور اور مدھم ہوتی ہیں کہ ہر ایک دل انہیں محسوس نہیں کرتا اور جو محسوس کرتا ہے وہ بھی پورے طور پر محسوس نہیں کرسکتا۔ اس لئے جن لوگوں کو روحانیت کی لہر پیدا کرنے والے وجود کا قربِ مکانی یا قربِ زمانی حاصل ہوتا ہے وہ اس لہر سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعد میں آنے والوں سے بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

قربِ مکانی اور زمانی کے اثر کا عام اور ظاہری ثبوت اس سے مل سکتا ہے کہ آپ لوگوں نے کئی دفعہ تجربہ کیا ہوگا اگر کسی کو کوئی کام کرنے کے لئے خط لکھا جائے تو وہ انکار کر دیتا ہے اگر خود اس کے پاس جاکر کہا جائے تو کام کر دیتا ہے۔ ہر ایک کہنے والا نہیں جانتا کہ اس کی کیا وجہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ منہ دیکھے کا لحاظ کیا گیا ہے لیکن دراصل وہ رَو کا اثر ہوتا ہے جو قرب کی وجہ سے زیادہ پڑتا ہے اور اس طرح جس کو کچھ کہا جائے وہ مان لیتا ہے۔ اسی طرح وہی تقریر جو ایک جگہ مقرر کے منہ سے سنی جائے جب چھپی ہوئی پڑھی جائے تو اس کا وہ اثر نہیں ہوتا جو سننے کے وقت ہوتا ہے۔ اس وقت بڑا مزا اور لطف آتا ہے لیکن چھپی ہوئی پڑھنے سے ایسا مزا نہیں آتا۔ جس پر کہہ دیا جاتا ہے کہ لکھنے والے نے اچھی طرح نہیں لکھی لیکن بات یہ ہوتی ہے کہ لکھنے والا تو صرف الفاظ ہی لکھتا ہے۔ وہ لہریں جو تقریر کرنے والے سے نکل رہی ہوتی ہیں ان کو محفوظ نہیں کرسکتا۔ اس لئے صرف الفاظ کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا لہروں کے ساتھ ملنے سے ہوتا ہے جو قرب کی وجہ سے سننے والے تک پورے طور پر پہنچ رہی ہوتی ہیں۔ اس لئے تقریر سننے سے زیادہ اثر ہوتا ہے اور پڑھنے کے وقت ایک تو بُعد ہوتا ہے اور دوسرے صرف لفظ ہوتے ہیں اس لئے وہ لطف نہیں آتا نہ اتنا اثر ہوتا ہے۔"

(اصلاح اعمال کی تلقین، انوار العلوم جلد 4 صفحہ 171-173)

سامعین! حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحبت صالحین کے متعلق میں فرماتے ہیں کہ

”انسان ہمیشہ اپنے گندے جلیسوں کی وجہ سے تباہی کے گڑھے میں گرا کرتا ہے۔ وہ پہلے تو اپنے دوستوں کی مصاحبت پر فخر کرتا ہے۔ مگر جب اسے کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا کہ اے کاش! مَیں فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا اس نے تو مجھے گمراہ کر دیا۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے مومنوں کو خاص طور پر نصیحت فرمائی ہے کہ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (التوبہ:119) یعنی اے مومنو! تم ہمیشہ صادقوں کی معیت اختیار کیا کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے گردوپیش کی اشیاء سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر وہ اپنی دوستی اور ہم نشینی کے لئے ان لوگوں کا انتخاب کرے گا جو اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوں گے اور جن کا مطمح نظر بلند ہو گا تو لازماً وہ بھی اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرے گا اور رفتہ رفتہ اس کی یہ کوشش اس کے قدم کو اخلاقی بلندیوں کی طرف بڑھانے والی ثابت ہو گی۔ لیکن اگر وہ بُرے ساتھیوں کا انتخاب کرے گا تو وہ اسے کبھی راہ راست کی طرف نہیں لے جائیں گے۔ بلکہ اسے اخلاقی پستی میں دھکیلنے والے ثابت ہوں گے۔“

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 481)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن چند قسم کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہو گا اور ان آدمیوں میں سے ایک وہ دو شخص ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی لیے اُن لوگوں کو جو ابتدائی زمانہ میں بیعت کرتے تھے حُبّیِ فِی اللّٰہِ لکھا کرتے تھے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہوتا تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے اور قیامت کے روز آپ اللہ تعالیٰ کے سایہ کے نیچے ہوں گے۔ لیکن جہاں دوستی اور محبت ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے سایہ کا مستحق بنا دیتی ہے وہاں مَیں دیکھتا ہوں یہی بعض اوقات تباہی اور بربادی کا موجب بھی ہو جایا کرتی ہے۔ میرا روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور قریباً ہر روز کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ میرے سامنے آجاتا ہے کہ شخص اچھا نیک دیندار اور مخلص ہوتا ہے مگر ابھی ایسے اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت میں ہو۔ وہ اپنی ذات میں خوبیاں رکھتا ہے مگر کسی دوست یا رشتہ دار کی

وجہ سے ٹھوکر کھا کر کہیں کا کہیں جا نکلتا ہے۔ اس کے اندر اپنی ذات میں تباہی کے سامان نہ تھے مگر اس کے دوست نے اسے تباہ کر دیا۔ کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ ایسی دوستی کسی مصرف کی ہو سکتی ہے جو کسی کو بچانا تو الگ رہا خود کو بھی تباہ کر دے۔"

(خطبات محمود صفحہ 204 سال 1931ء)

حضورؓ فرماتے ہیں:

"صادقین کی صحبت ایسی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان پاک کیا جاتا ہے۔ صحبت کا اثر ایک مانی ہوئی بات ہے۔ لوگ اکسیر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں میرے نزدیک دنیا میں اگر کوئی اکسیر ہے تو صحبت صادقین۔ مبارک وہ جو اس سے فائدہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:119) یعنی اے مومنو! تقویٰ اختیار کرو اور اس تقویٰ کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ یہ کہ تم صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ صادقوں میں ایک برقی اثر ہوتا ہے جس سے گناہوں کے جراثیم مارے جاتے ہیں۔ صادق خدا کے حضور ایک عزت رکھتا ہے۔ اس کے طفیل صادق سے تعلق رکھنے والا بھی باریاب ہو جاتا ہے۔"

(زریں ہدایات برائے مبلغین صفحہ 29 جلد اوّل)

حضرت مصلح موعودؓ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک سکھ طالبعلم تھا جس کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑی عقیدت تھی۔ تو اس نے آپؑ کو لکھا کہ پہلے تو مجھے خدا کی ہستی پر بڑا یقین تھا لیکن اب مجھے کچھ کچھ شکوک و شبہات پیدا ہونے لگ گئے ہیں۔ تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو جواب دیا کہ تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی دہریت کے خیالات رکھتا ہے جس کا تم پہ اثر پڑ رہا ہے، اس لیے اپنی جگہ بدل لو۔ چنانچہ اس نے اپنی سیٹ بدل لی اور خود بخود اس کی اصلاح ہو گئی۔ فرماتے ہیں کہ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان پر کتنا بُرا اثر پڑتا ہے۔ یعنی یہی حکمت ہے جس کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی مجلس میں تشریف رکھتے تھے تو بڑی کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تھے تا کہ کوئی بُری تحریک آپؐ کے قلبِ مُطہّر پر اثر انداز نہ ہو۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 481-482)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ وقت سے ملاقات کو بھی صحبت صالحین قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لیے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے سو اس بات کے لیے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیے اور دعا کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیے کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور ایک رسم کے طور پر ہوگی۔“

(خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 16 خطبہ جمعہ 26 نومبر 1965ء)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صحبت صالحین سے متعلق فرماتے ہیں:

”مَیں نے جماعت کو نصیحت کی تھی کہ بدوں سے پرہیز کرو اور جتنا حصہ بھاگ سکتے ہو بدوں سے دور بھاگو اور نیکوں کی مجلس میں بیٹھو کیونکہ بدوں سے خالی بھاگنا کافی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کس طرف بھاگو۔ اگر بدوں سے بھاگو گے تو اس سے بہتر مجلس پیش نظر ہونی چاہیے۔“

آپؒ فرماتے ہیں:

”جب انبیاء کی صحبت نصیب ہو جائے تو بڑی شان سے اس حقیقت کو آپ جلوہ گر دیکھیں گے کہ آپ واقعتاً خدا کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یا خدا کے قریب ہونے کی خاطر، خدا کے کسی پاک بندے کے قریب ہوئے تو اللہ آپ کو وہاں دکھائی دے گا۔ صبح شام ہر فعل میں خدا اُن کے ساتھ دکھائی دے گا۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ نے اپنے تجربہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے کس طرح ہم پہلے دُور سے ایمان لانے والے تھے جب قریب آئے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ رہے تو اس ساتھ نے زندگی کی کیسی کایا پلٹ دی۔“ (خطبات طاہر جلد 17 صفحہ 124 خطبہ جمعہ 20 فروری 1998ء)

آپؒ نے فرمایا:

”نیک کی صحبت اپنے اندر ایک غلبہ رکھتی ہے، ایک طاقت رکھتی ہے۔ نیکی میں جو غلبہ کی طاقت ہے اگر تم نیک نیتی سے اس نیک کے پاس بیٹھو گے تو خواہ تمہارا باقی سارا وجود نیکی سے بے تعلق ہی کیوں نہ ہو یقین رکھو کہ اگر پیار اور محبت کے نتیجہ میں کسی نیک کے پاس بیٹھے رہو گے تو اس کا خمیر تمہارے سارے وجود پر غالب آجائے گا۔ اب اس ایک سرّ میں ہمارے بے انتہا مسائل بیان ہو گئے ہیں۔ بارہا میں نے جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے وجود کے اندر ہر پہلو پر نظر ڈالو، ہر پہلو سے نیک ہونا ضروری ہے ورنہ کلیۃً خدا کے حضور قبول نہیں کیے جاسکتے...... یہ ایک راستہ مجھے بہت ہی پیارا لگا ہے اتنا آسان کہ اس میں کوئی زور بھی نہیں لگتا کوئی مصیبت پیش نہیں آتی محنت کے ساتھ قدم نہیں اٹھانے پڑتے خمیر از خود لگتا چلا جاتا ہے اور اگر آپ کسی نیک کی صحبت اس کی نیکی کی وجہ سے اختیار کریں گے تو آپ حیران ہوں گے کہ آپ کے اندر تبدیلی ہو رہی ہے، ہوتی چلی جارہی ہے۔ پتا بھی نہیں لگ رہا کہ کیسے ہوئی مگر بغیر مشقت، بغیر محنت کے اگر کوئی انسان نیک ہونا چاہتا ہے تو اس نکتہ کو پکڑ لے۔“

(خطبات طاہر جلد 17 صفحہ 302 خطبہ جمعہ 1 مئی 1998ء)

پیارے سامعین! ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ جماعت کو صحبت صالحین کی تلقین و نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”پھر بچوں کو بھی مَیں کہتا ہوں کہ اپنے دوست سوچ سمجھ کر بناؤ۔ یہ نہ سمجھو کہ والدین تمہارے دشمن ہیں یا کسی سے روک رہے ہیں بلکہ سولہ سترہ سال کی عمر ایسی ہوتی ہے کہ خود ہوش کرنی چاہئے، دیکھنا چاہئے کہ ہمارے جو دوست ہیں بگاڑنے والے تو نہیں، اللہ تعالیٰ سے دور لے جانے والے تو نہیں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے دور لے جانے والے ہیں وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ تمہارے ہمدرد نہیں ہو سکتے، تمہارے سچے دوست نہیں ہو سکتے اور ایک احمدی بچے کو تو کیونکہ صادقوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانا ہے اس لئے یاد رکھیں کہ یہ گروہ شیطان کا گروہ ہے صادقوں کا گروہ نہیں اس لئے ایسے لوگوں میں بیٹھ کے اپنی بدنامی کا باعث نہ بنیں، ایسے بچوں یا نوجوانوں سے دوستی لگا کے اپنے خاندان کی بدنامی کا باعث نہ بنیں اور ہمیشہ نظام سے

تعلق رکھیں۔ نظام جو بھی آپ کو سمجھاتا ہے آپ کی بہتری اور بھلائی کے لئے سمجھاتا ہے۔ نمازوں کی طرف توجہ دیں۔ قرآن پڑھنے کی طرف توجہ دیں اللہ تعالیٰ ہمارے ہر بچے کو ہر شیطانی حملے سے بچائے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11ء جون 2004ء)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی تدفین کے حوالے سے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ **22** اکتوبر **2021**ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات سے درج ذیل حوالہ پڑھا جس کو "صلحاء کے پہلو میں دفن ہونا بھی ایک نعمت ہے" کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

"عجیب موثر نظارہ ہوگا جو زندگی میں ایک جماعت تھے۔ مرنے کے بعد بھی ایک جماعت ہی نظر آئے گی۔ یہ بہت ہی خوب ہے جو پسند کریں وہ پہلے سے بندوبست کر سکتے ہیں کہ یہاں دفن ہوں جو لوگ صالح معلوم ہوں ان کی قبریں دُور نہ ہوں۔ ریل نے آسانی کا سامان کر دیا ہے اور اصل تو یہ ہے وَمَا تَدۡرِی نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ۔ مگر اس میں یہ کیا لطیف نکتہ ہے کہ بِاَیِّ اَرۡضٍ تُدۡفَنُ نہیں لکھا۔ صلحاء کے پہلو میں دفن ہونا بھی ایک نعمت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ مرض الموت میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جو جگہ ہے انہیں دی جاوے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایثار سے کام لے کر وہ جگہ ان کو دے دی تو فرمایا مابقی ھَمٌّ بعد ذالك یعنی اس کے بعد اب مجھے کوئی غم نہیں جبکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں مدفون ہوں۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 286 ایڈیشن 1984ء)

اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی کسی نیک بندے کی صحبت اختیار کرنا صحبت صالحین کی طرح ہے۔ تو رواں زندگی میں نیک بزرگوں اور صلحاء کے پاس بیٹھ کر فیض حاصل کرنا کتنا ضروری اور سودمند ہے۔

آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پاک مجالس میں تو بیٹھتے ہیں لیکن ان مجالس کی نیکیوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی سوچ ہی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کوئی بُری بات نظر آئے تو اس کو لے کر زیادہ شور مچایا جاتا

ہے۔ تو ایسے لوگوں کی ہی مثال دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی مثال جو حکمت کی بات سنے اور پھر سنی ہوئی باتوں میں سے سب سے شر انگیز بات کی پیروی کرے ایسے شخص کی ہے جو ایک چرواہے کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے ریوڑ میں سے مجھے ایک بکری کاٹ دو۔ تو چرواہا اسے کہے کہ اچھا! ریوڑ میں سے تمہیں جو بکری سب سے اچھی لگتی ہے اسے کان سے پکڑ لو۔ تو وہ جائے اور ریوڑ کی حفاظت کرنے والے کتے کو کان سے پکڑ لے۔ (مسند احمد باقی مسند المکثرین باقی المسند السابق) تو ایسے لوگ جو اس سوچ کے ہوتے ہیں اور اس سوچ سے مجلسوں میں آتے ہیں باہر نکل کر اچھی باتوں کا ذکر کرنے کی بجائے اگر انہوں نے کسی کی وہاں بُرائی دیکھی ہو تو اس کا زیادہ چرچا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی صلاحیت ہی یہی ہے اور ان کی کم نظری یہ ہے کہ انہوں نے کتے کے علاوہ کچھ دیکھا ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے آگے بڑھ کر صرف کتے کا کان ہی پکڑتے ہیں۔ اچھی مجلسوں سے فائدہ اٹھانا بھی مومن کی شان ہے۔"

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 492-493)

ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے 2، دسمبر 2005ء کو ماریشس کے جلسہ سالانہ پر خطبہ جمعہ کے آغاز میں سورۃ التوبہ کی آیت 119 كُونُوا مَعَ الصَّادِقِيْنَ کی تلاوت فرمائی اور ان جلسوں کو صحبت صالحین کا ذریعہ قرار دیا۔ آپ نے اس خطبہ جمعہ میں فرمایا: "یہ آیت جو مَیں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ ہمیں نصیحت فرما رہا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا غلامِ صادق ہی سب سے بڑا صادق ہے۔ پس اب جب آپ نے اس صادق کے ساتھ تعلق جوڑا ہے تو اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کریں اور آپؑ اپنی جماعت جیسی بنانا چاہتے تھے ویسی جماعت بننے کی کوشش کریں۔ دنیا کو بتادیں کہ تم ہمیں مسلمان سمجھو یا غیر مسلم اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس صادق کو پالیا ہے اور اب اس کی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اور اب ہم ہی ہیں جن سے اسلام کی آئندہ تاریخ بنی ہے (ان شاء اللہ) اس لئے ہم اب تمہیں بھی کہتے ہیں کہ آؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عاشق صادق کی جماعت میں داخل ہو کر اپنی دنیا و آخرت سنوار لو۔ لیکن جب یہ دعویٰ کرکے آپ دنیا کو

اپنی طرف بلائیں گے تو اپنے آپ پر بھی نظر ڈالنی ہو گی کہ ہم نے اپنے اندر کیا انقلاب پیدا کیا ہے۔ اس زمانے کے مسیح و مہدی اور سب سے بڑے صادق کو مان کر ہمارے اپنے نمونے کیا ہیں۔ ہمارے اپنے تقویٰ کے معیار کیا ہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2؍ دسمبر 2005ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 23؍ دسمبر 2005ء)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایسی مجلسوں سے ہمیشہ بچنا چاہئے جو دین سے دور لے جانے والی ہوں، جو صرف کھیل کود میں مبتلا کرنے والی ہوں۔ ایسی مجلسیں جو اللہ تعالیٰ سے دُور لے جانے والی مجلسیں ہیں وہ یہی نہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہیں بلکہ بعض دفعہ مکمل طور پر، بعض دفعہ کیا یقینی طور پر انسان کی ہلاکت کا سامان پیدا کر دیتی ہیں۔ اس لئے ہمیشہ ایسی مجالس کی تلاش رہنی چاہئے جہاں سے امن و سکون اور سلامتی ملتی ہو۔ تو سلامتی والی مجالس کیسی ہیں۔ اس بارے میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم نشیں کیسے ہوں۔ کن لوگوں کی مجلس میں ہم بیٹھیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا مَنْ ذَكَّرَكُمُ اللّٰهَ رُؤْيَتُهٗ وَزَادَ فِيْ عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهٗ وَذَكَّرَكُمْ بِالْآخِرَةِ عَمَلُهٗ یعنی اُن لوگوں کی مجلس میں بیٹھو جن کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آئے اور جن کی گفتگو سے تمہارا دینی علم بڑھے اور جن کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔ (ترغیب) تو ایسی مجالس سے ہی سلامتی ملتی ہے جہاں ایسے لوگ ہوں جہاں خدا کا ذکر ہو رہا ہو، اس کے دین کی عظمت کی باتیں ہو رہی ہوں۔ ایسے مسائل پیش کئے جا رہے ہوں اور ایسی دلیلیں دی جا رہی ہوں جن سے انسان کا اپنا دینی علم بھی بڑھے اور دعوت الی اللہ کے لئے دلائل بھی میسر آئیں اور قرآن کریم کا عرفان بھی حاصل ہو رہا ہو اور ایسی باتیں ہوں جن سے صرف اس دنیا کی چکا چوند ہی نہ دکھائی دے بلکہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس دنیا کو چھوڑ کر بھی جانا ہے۔ اس لئے ایسے عمل ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 جولائی 2004ء)

مزید فرمایا:

”ہمیشہ ایسی مجالس میں بیٹھنا اور اٹھنا چاہئے جہاں سے نیکی کی باتیں پتہ لگیں۔ تقویٰ کی باتیں پتہ لگیں، اللہ اور رسولؐ کے احکامات کا علم ہو۔ اگر اپنی اصلاح کرنی ہے اور اپنی زندگی سنوارنا چاہتے ہیں اور دینی علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیشہ جیسا کہ حدیث میں آیا اپنی صحبت نیک لوگوں میں رکھنی چاہئے اور ایسی مجالس کی تلاش میں رہنا چاہئے۔“

سامعین! اپنے گھروں میں باجماعت نمازیں ادا کرنا، نوافل ادا کرنا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ احادیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے ارشادات پڑھنا اور اپنے بچوں کو باقی گھر والوں کو سنانا بھی صحبت صالحین کی محافل میں شامل ہونا ہی ہے۔

ان تمام صحبت صالحین کی محافل کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس زمانے میں جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا کہ دعاؤں کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود کی تفاسیر اور علم کلام سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر قرآن کو سمجھنا ہے یا احادیث کو سمجھنا ہے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ یہ تو بڑی نعمت ہے ان لوگوں کے لئے جن کو اردو پڑھنی آتی ہے کہ تمام کتابیں اردو میں ہیں۔ اکثریت اردو میں ہیں، چند ایک عربی میں بھی ہیں۔ پھر جو پڑھے لکھے نہیں ان کیلئے مسجدوں میں درسوں کا انتظام موجود ہے ان میں بیٹھنا چاہئے اور درس سننا چاہئے۔ پھر ایم ٹی اے کے ذریعہ سے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اور ایم ٹی اے والوں کو بھی مختلف ملکوں میں زیادہ سے زیادہ اپنے پروگراموں میں یہ پروگرام بھی شامل کرنے چاہئیں جن میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباسات کے تراجم بھی ان کی زبانوں میں پیش ہوں۔ جہاں جہاں تو ہو چکے ہیں اور تسلی بخش تراجم ہیں وہ تو بہرحال پیش ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اردو دان طبقہ جو ہے، ملک جو ہیں، وہاں سے اردو کے پروگرام بن کے آنے چاہئیں۔ جس میں زیادہ سے زیادہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کلام کے معرفت کے نکات دنیا کو نظر آئیں اور ہماری بھی اور دوسروں کی بھی ہدایت کا موجب بنیں۔“

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 401-402)

ایک طالب علم جامعہ احمدیہ برطانیہ نے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ آج کے دور میں صحبتِ صالحین کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اس کے جواب میں حضورِ انور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ

”آج کے دور میں صحبتِ صالحین حاصل کرنے کا ذریعہ جماعتی کُتب ہیں حضرت اقدس مسیحِ موعودؑ اور بزرگانِ اُمّت کی کتب کا مطالعہ کر کے ایک انسان صحبتِ صالحین حاصل کر سکتا ہے“

(الفضل آن لائن 8 جنوری 2022ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں صحبتِ صالحین کے تمام ذرائع اپنانے کی توفیق دے۔ آمین

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مُقرَّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

﴿15﴾ ﴿مشاہدات۔32﴾

(انسانی) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے

پیاری بہنو! میری تقریر کا عنوان ہے۔ **"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے"**

یہ ترجمہ ہے ایک ایسی حدیث کا جو بنیاد ہے۔ جو اساس ہے انسان کے تمام اعمال کی۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اپنی کتاب جامع بخاری جو اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ کہلاتی ہے میں سب سے پہلے لائے ہیں اور فرمایا کہ اس حدیث سے بڑھ کر پُر حکمت، پُر معانی اور کوئی حدیث نہیں۔

(فتح الباری جزو اول صفحہ 4)

انسان جب اپنے کسی قول یا ذہنی سوچ کو عمل کے سانچے میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے تو لازماً اس کے لیے نیت باندھتا ہے۔ اگر نیت کی بنیاد نیکی، اچھائی اور خلوص پر ہوگی تو عمل بھی اچھا ہوگا اور اگر نیت بُری ہوگی تو انسان کا عمل بھی بُرا ہوگا اور جزاء سزا بھی نیت کے مطابق ملے گی۔ یہ مختصر حدیث ایک ایسے جامع فلسفہ حیات پر مشتمل ہے کہ اگر کوئی شخص نیکی کے کام کے لیے چوری کرتا ہے جیسے چوری کر کے مسجد کی تعمیر کے لیے رقم دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ نیکی نہیں اس کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی نیکی کرتے وقت یہ نیت ہو کہ مجھے دنیا کی شہرت ملے جیسے بعض لوگ اپنا کاروبار چمکانے اور حاجی کہلوانے کے لیے حج کرتے ہیں تو ان کا یہ فعل ان کی نیت کے مطابق جانچا جائے گا۔

سامعات! احادیث سے ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ جن سے یہ مضمون روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو اپنے گھر کی تعمیر کرتے وقت روشن دان رکھتے دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی تو صحابی نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! عرب کی گرمی سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ گرمی کے موسم میں ٹھنڈی ہوا اس روشن دان کے ذریعہ آئے گی تو مجھے استراحت ملے گی۔ میں تھوڑا سا ستا لیا کروں گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر نیت یہ کرتے کہ اذان کی آواز اس

روشن دان کے ذریعہ آئے گی اور میں نماز پڑھ لیا کروں گا تو تمہیں اس نیت کا ثواب مل جاتا تمہاری اس نیک نیت سے ٹھنڈی ہوا تو آنے سے نہ رکتی۔

اسی طرح ایک جنگ میں ایک صحابی اپنی تلوار کے ساتھ بہادری کے بہت جوہر دکھلا رہے تھے۔ صحابہؓ نے اس صحابی کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہت تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا انجام بخیر نہیں لگتا۔ تھوڑی دیر کے بعد خبر آگئی کہ اس دوست نے زخموں کی تاب نہ لا کر اپنی ہی تلوار سے اپنا پیٹ کاٹ کر خودکشی کر لی ہے۔

صاحب صدر! احادیث میں تیسری مثال مَیں بخاری سے دینا چاہوں گی کہ ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جہاد کے متعلق سوال کیا کہ کچھ لوگ حمیت کی خاطر جنگ لڑتے ہیں، کچھ بہادری کی خاطر اور کچھ دکھاوے کی خاطر۔ ان میں سے کون سی لڑائی اللہ کی راہ میں ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جس سے اللہ کا بول بالا ہو۔ پھر ایک موقع پر فرمایا کہ اگر کوئی انسان رات کو یہ نیت کر کے سوئے کہ صبح مَیں تہجد پر اٹھوں گا اور نہ اٹھ پائے تو اسے تہجد کا ثواب مل جائے گا۔ جرمنی میں مکرم ہدایت اللہ ہیوبش ہوا کرتے تھے۔ اخلاص اور وفا کے اعلیٰ مقام پر تھے۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ ایک دن اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگے کہ آؤ! عمرہ کر آئیں۔ وہ ساتھی بہت پریشان ہوئے کہ اس کے لیے تو تیاری کی ضرورت ہے، اس کے لیے تو زادِ راہ ہونا چاہئے۔ جاب سے رخصت لینی پڑے گی۔ ہیوبش صاحب نے تو آؤ دیکھا نا تاؤ عمرہ پر جانے کے لیے مجھے کہہ دیا۔ چند لمحوں کے بعد ہیوبش صاحب اپنے دوست کو الگ کمرہ میں لے گئے اور کہنے لگے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس وقت سے اس وقت تک اگر کوئی شخص تنہائی میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرے تو اس کے حق میں عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا۔ یہ ہے خلوص نیت اور اس کا انجام بھی بخیر۔

سامعات! صحیح بخاری میں امام بخاری جہاں یہ حدیث لائے ہیں وہاں ہجرت کی مثال دے کر مضمون کو مزید واضح کیا گیا ہے۔ اگر انسان دنیا کمانے کے لیے ہجرت کرے یا کسی عورت سے شادی کے لیے ہجرت کرے تو اس کو اس کا نتیجہ (اجر) اس کے مطابق ملے گا اور اگر کسی انسان نے دین کے لیے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر، اسلام احمدیت کی اشاعت کے لئے اور اس کی ترقی و ترویج کے لئے ہجرت کی تو اس کو اس

کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ ہمارے بعض بھائی اور بعض بہنیں اپنے ہاں بد امنی اور مشکلات کا ماحول چھوڑ کر دیارِ امن میں آ بستے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی نیک نیتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ جزاء کا سلوک کرتا ہے۔ اسی مضمون کو ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے کئی مرتبہ ایسے مہاجرین کو نصیحت کرتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ اگر امن کے حصول کے لئے ہجرت کی ہے تو پھر اس کا حق بھی ادا کریں اور اللہ کے حقوق ادا کرتے رہیں۔

سامعات! اگر نیت اور عمل کی بات ہو اور نماز، روزہ اور دیگر عبادات میں نیت کا ذکر نہ ہو تو مضمون ادھورہ رہ جائے گا۔ نیت کا تعلق دراصل دل سے ہے اسے زبان پر لانا ضروری نہیں۔ نماز خواہ باجماعت ہو یا انفرادی، نیت یعنی وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پڑھنا ضروری ہے۔ جو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے گویا دل کی نیت کا زبان پر اظہار کر کے جبکہ روزے کی نیت کا زبان کے ذریعہ اظہار کرنا ضروری نہیں ہاں دل میں نیت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں یہ حدیث یوں مروی ہے کہ اعمال نیت پر منحصر ہیں۔

فقہ احمدیہ میں نیتِ نماز کو پانچویں شرطِ نماز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"صحتِ نماز کے لئے نیت بھی ضروری ہے۔ نیت کے معنی ارادہ کے ہیں...... نیت میں خلوص کا مفہوم بھی موجود ہے۔ اگر انسان خدا کی خاطر نماز پڑھے گا تو اُس کی نماز خدا کے حضور مقبول ہو گی اور اگر وہ دکھاوے یا کسی اور کے ڈر سے یا خوش کرنے کے لئے نماز پڑھے گا تو خدا تعالیٰ کے دربار سے اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ الغرض تمام دینی اعمال کا دارومدار ظاہراً و باطناً نیت پر ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے حضور ہر ایک کے اعمال اُسی میزان کے مطابق تُلیں گے اور ہر ایک اسی کے مطابق بدلہ پائے گا"

(فقہ احمدیہ حصہ عبادات صفحہ 71)

حاضرات! بعض علماء نے نیت کو تہائی اسلام یا علوم کا تہائی حصہ قرار دیا ہے۔ نیت دراصل بیج کی طرح ہے جس پر عمل کی صورت میں درخت یا پودا بنتا ہے اور نتائج میں اس پر پھل یا پھول لگتے ہیں۔ جن کا انحصار بیج پر ہوتا ہے۔ اگر پھل کڑوا ہے تو بیج درست نہ ہو گا اور اگر پھل میٹھا ہے تو بیج درست ہو گا۔ اسی لئے کاشتکار اپنی فصل کے لئے عمدہ سے عمدہ بیج کی تلاش میں رہتا ہے۔ روحانی پھل کے حصول کے لئے نیت حسنہ کی

ضرورت رہتی ہے۔ اسی لئے امام یحیٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے تُعَلِّمُوْا النِيَّةَ فَاِنَّهَا اَبْلَغُ مِنَ الْعَمَلِ کہ نیت کو ٹٹولتے رہا کرو کیونکہ یہ عمل سے بڑھ کر ہے اور یہ بھی لکھا ہے نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ وَ عَمَلُ الْمُنَافِقِ خَيْرٌ مِنْ نِيَّتِهٖ (المعجم الکبیر) کہ ایک مومن کی نیت اس کے عمل سے اور ایک منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اس حدیث کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

"بخاری کی پہلی حدیث یہ ہے انّما الاعمال بالنّیات۔ اعمال نیت پر ہی منحصر ہیں۔ صحت نیت کے ساتھ کوئی جرم بھی جرم نہیں رہتا۔ قانون کو دیکھو اس میں بھی نیت کو ضروری سمجھا ہے۔ مثلاً ایک باپ اگر اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہو کہ تو مدرسہ جا کر پڑھ اور اتفاق سے کسی ایسی جگہ چوٹ لگ جاوے کہ وہ بچہ مر جاوے تو دیکھا جاوے گا کہ یہ قتل مستلزم سزا نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس کی نیت بچے کو قتل کرنے کی نہ تھی۔ تو ہر ایک کام میں نیت پر بہت بڑا انحصار ہے۔ اسلام میں یہ مسئلہ بہت سے امور کو حل کر دیتا ہے۔ پس اگر نیک نیتی کے ساتھ محض خدا کے لئے کوئی کام کیا جاوے اور دنیا داروں کی نظر میں وہ کچھ ہی ہو تو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 42-43 ایڈیشن 1984ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اس حوالہ سے فرماتے ہیں۔

"کسی بھی عمل کو اس کی نیت کے مطابق پرکھا جائے گا جو کسی بھی عمل کرنے والے کے دل میں ہے۔ اب نیتوں کا حال تو صرف خدا ہی جان سکتا ہے اور جانتا ہے اس لئے مومنوں کو واضح کیا کہ جس خدا نے زمین وآسمان پیدا کیا ہے وہ اس میں موجود ہر چیز کی کنہ تک سے واقف ہے اور انسان بھی اس سے باہر نہیں ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے جو تم چھپ کر کرتے ہو یا ظاہر کرتے ہو اس سے واقف ہے بلکہ ہر خیال جو تم دل میں لاتے ہو اس سے بھی واقف ہے تو اپنے نفسوں کا تزکیہ کرو۔ اپنے دلوں کو خالصتاً خدا تعالیٰ کے لئے پاک کرنے کی کوشش کرو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (البقرہ: 285) یعنی اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فرماتا ہے تمہارے عمل تمہارے دل کی حالت اور نیت کے مطابق جزا پائیں گے۔"

(خطبہ جمعہ 19 مارچ 2010ء)

پیاری بہنو! پس ایک مومن کی نیت کا تعلق جہاں اس کے اُخروی اجر سے ہے وہاں اس کے دوبارہ اٹھائے جانے سے بھی ہے۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا یُبْعَثُ النَّاسُ عَلٰی نِیَّاتِھِمْ (ابن ماجہ) کہ لوگوں کو ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ کی خوشنودی اور رضا کی خاطر اپنی نیتیں درست کرنے کی توفیق دے۔ تا ہم ایسے اعمال بجالائیں جن سے ہم جنت کی راہ دیکھیں اور اللہ ہم سے راضی ہوں۔

(بتعاون: نمودِ سحر۔ برطانیہ)

﴿16﴾ ﴿مشاہدات۔31﴾

تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (ال عمران:103)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا اس کے تقویٰ کا حق ہے اور ہرگز نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم پورے فرمانبردار ہو۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

میری پیاری بہنو! آج میری گزارشات کا مرکزی نقطہ **تقویٰ کی باریک راہیں** ہیں۔

میری بہنو! حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ تقویٰ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”تقویٰ کے معنی ہیں کہ انسان خدا کو اپنی ڈھال بنائے۔ یہ لفظ وِقَایَہ سے نکلا ہے جس کے معنی بچاؤ اور حفاظت کے ہیں تو تقویٰ کے معنی ہوئے کہ انسان اپنے اندر ایسی حالت پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہو جائے۔ “
(انوار العلوم جلد 9 صفحہ 428)

کسی نے تقویٰ کی تعریف میں لکھا ہے کہ کوئی انسان کسی ایسے تنگ راستے پر جا رہا ہو جس کے دونوں جانب کانٹے ہوں اور وہ اپنے دامن کو سمیٹتے ہوئے اور اپنے کپڑوں کو کانٹوں سے بچاتے ہوئے وہاں سے گزر جائے تو یہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے ان معانی کو سامنے رکھتے ہوئے تقویٰ کے تفسیری معانی یہ ہوں گے کہ ایک متقی اور مومن دنیا میں جن راہوں پر چل کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے ان کو گناہوں اور بد اعمالیوں نے گھیرا ہوا ہے اور مومن کے لیے یہ دنیا اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِ کی طرح قید خانہ ہے جہاں اسے تمام بدیوں، گناہوں اور بد اعمالیوں سے اپنے آپ کو بچا کر گزرنا ہوتا ہے۔

حاضرات ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تقویٰ کی باریک راہیں مختلف انداز میں بیان فرمائی ہیں۔ جیسے فرمایا۔

حلال اور حرام کے درمیان کچھ مشتبہ امور بھی ہیں۔ جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ بعض لوگ ان مشتبہ امور سے بچ کر زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن جو شخص ان مشتبہ امور میں جا پڑا وہ اس چرواہے کی مانند ہے جو رَکّھ کے آس پاس اپنا ریوڑ چرا رہا ہے اور قریب ہے اس کا ریوڑ رَکّھ کے اندر چلا جائے۔ ہر بادشاہ کی ایک رَکّھ ہوتی ہے جس کے اندر لوگ نہیں جاتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی رَکّھ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ ان محارم سے اپنے آپ کو بچانا اور ناجائز امور سے بچنا اصل میں تقویٰ کی باریک راہیں ہیں۔

جڑ ہے ہر ایک خیر و سعادت کی اتقا
جس کی یہ جڑ رہی ہے عمل اس کا سب رہا

معزز سامعات ! اس مضمون کو مزید واضح دو ملکوں کے آپس میں ملنے والے بارڈر یعنی حدود سے کیا جا سکتا ہے اور ہم میں ہر ایک بارڈر کے قریب سفر کرتے ہوئے بہت احتیاط برتتا ہے کہ کہیں دوسرے ملک میں داخل نہ ہو جائیں۔ بعینہٖ نیکی کی ایک سرحد ہوتی ہے۔ اس سرحد کے اندر اندر اپنی زندگی کا سفر جاری رکھنا تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔

خاکسار نے تقریر کے آغاز پر سورت آل عمران کی آیت نمبر 103 کی جو تلاوت کی ہے اس میں بھی صرف تقویٰ اختیار کرنے کا ذکر ہی نہیں بلکہ تقویٰ کا جو حق ہے اس کے مطابق تقویٰ اختیار کرنے کا ذکر ہے اور اسلام کی حالت میں مرنے کا ذکر ہے جو تقویٰ کا ایک اعلیٰ مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس انسان سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار یعنی متقی ہو، بے نیاز ہو اور گمنامی و گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے والا ہو۔

(مسلم کتاب الزھد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

تقویٰ تو یہ ہے کہ باریک در باریک پلیدگی سے بچے اور اس کے حصول کا یہ طریق ہے کہ انسان ایسی کامل تدبیر کرے کہ گناہ کے کنارہ تک نہ پہنچے اور پھر نری تدبیر ہی کو کافی نہ سمجھے بلکہ ایسی دعا کرے جو اس کا حق ہے کہ گداز ہو جاوے بیٹھ کر، سجدہ میں، رکوع میں، قیام میں اور تہجد میں۔ غرض ہر حالت اور ہر وقت اسی فکر و دعا میں لگا رہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ اور معصیت کی خباثت سے نجات بخشے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے کہ انسان گناہ اور معصیت سے محفوظ اور معصوم ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں راست باز اور صادق ٹھہر جاوے۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 569 ایڈیشن 1988ء)

پیاری بہنو! بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعودؑ ایک اور جگہ تقویٰ کی باریک راہوں کا ذکر کر کے جماعت کو یوں نصیحت فرماتے ہیں۔

”اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً **یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہو گی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہو گا۔**“

(کشتیٔ نوح، روحانی خزائن 19 جلد صفحہ 15)

سامعات! تقویٰ کی باریک راہوں کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شادی بیاہ میں نکاح کی آیات میں 5 دفعہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو شادی بیاہ خوشی کا موقع ہے اور بالعموم لوگ خوشی کے مواقع پر اللہ کی، اس کے دین کی حدود کو پھلانگ جاتے ہیں فرمایا کہ ایسے موقع پر بھی اللہ کا ڈر اور خوف مد نظر رہنا چاہئے۔ یہی تقویٰ کی باریک راہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"جماعت احمدیہ کی فتح اور اس کا غلبہ دنیاوی ہتھیاروں کے ذریعہ سے نہیں ہونا بلکہ یہ نیکیاں اور تقویٰ ہے جو ہماری کامیابی کے ضامن ہیں۔ ورنہ دنیاوی لحاظ سے تو نہ ہمارے پاس طاقت ہے اور نہ وسائل ہیں۔ دنیاوی وسائل کے لحاظ سے تو ہم غیر کا ایک منٹ بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر ہم میں تقویٰ پیدا ہو جائے گا، اگر ہم اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر لیں گے، اگر ہم اپنے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا کر لیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہیں وہ طاقتیں عطا کروں گا جن کا کوئی غیر اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پس ہر احمدی کو چاہئے کہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خاص تبدیلی پیدا کرے۔ اپنے تقویٰ کے معیاروں کو اونچا کرے۔"

(خطباتِ مسرور جلد سوم صفحہ 293)

پیاری بہنو! حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقویٰ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"تقویٰ تو صرف نفس امّارہ کے برتن کو صاف کرنے کا نام ہے اور نیکی وہ کھانا ہے جو اس میں پڑنا ہے اور جس نے اعضاء کو قوّت دے کر انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ اس سے نیک اعمال صادر ہوں اور وہ بلند مراتب قربِ الٰہی کے حاصل کر سکے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 503 حاشیہ)

اللہ تعالیٰ نے انسانی اعضاء، برتنوں کی ساخت کی مانند بنائے ہیں۔ ان کو صاف ستھرا رکھنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح ہم برتنوں کو مختلف صابن اور Detergent سے صاف کرتے ہیں تا برتن صاف بھی ہو جائیں، بُو بھی ختم ہو اور چمک بھی آجائے۔ انڈے اور مچھلی والے برتنوں پر صفائی کے لیے خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اسی طرح انسانی اعضاء کو تقویٰ کے پانی سے دھو کر ان میں نیکیاں ڈالنا ضروری ہے۔ اس سارے عمل کو تقویٰ کی باریک راہ کا نام دے سکتے ہیں۔

سامعات! میں اپنی تقریر کا اختتام حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد سے کرتی ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

"انسان کی تمام روحانی خوبصورتی تقویٰ کی تمام باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔ تقویٰ کی باریک راہیں روحانی خوبصورتی کے لطیف نقوش اور خوشنما خدوخال ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی امانتوں اور ایمانی

عہدوں کی حتی الوسع رعایت کرنا اور سر سے پیر تک جتنے قویٰ اور اعضاء ہیں جن میں ظاہری طور پر آنکھیں اور کان اور ہاتھ اور پیر اور دوسرے اعضاء ہیں اور باطنی طور پر دل اور دوسری قوتیں اور اخلاق ہیں۔ ان کو جہاں تک طاقت ہو ٹھیک ٹھیک محلِ ضرورت پر استعمال کرنا اور ناجائز مواضع سے روکنا اور ان کے پوشیدہ حملوں سے متنبہ رہنا اور اسی کے مقابل پر حقوق عباد کا بھی لحاظ رکھنا یہ وہ طریق ہے جو انسان کی تمام روحانی خوبصورتی اس سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تقویٰ کو لباس کے نام سے موسوم کیا ہے۔"

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 209-210)

۞۞۞۞

﴿17﴾ ﴿مشاہدات۔170﴾

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران:103)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کرو جیسا اس کے تقویٰ کا حق ہے اور ہر گز نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم پورے فرمانبردار ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ۔ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر:19-20)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر جان یہ نظر رکھے کہ وہ کل کے لئے کیا آگے بھیج رہی ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ اس سے جو تم کرتے ہو ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ یہی بدکردار لوگ ہیں۔

میرے پیارے ساتھیو! میری تقریر کا عنوان ہے۔ ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مومنوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آل عمران:131) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا جائے۔

آج کی تقریر کا عنوان حضرت مسیح موعودؑ کے شعر کا ایک مصرعہ ہے جس کا دوسرا مصرعہ ”اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے“ الہامی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ جونہی مَیں نے پہلا مصرع کہا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرا مصرع القاء کیا اور یہ مکمل شعر یوں ترتیب پایا۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اِس شعر میں لفظِ "جڑ" پر اگر ہم غور کریں تو لفظِ "تقویٰ" کے معانی کُھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ جڑ کہتے ہیں root کو، بنیاد کو۔ اگر جڑ کا لفظ درخت یا پودے کے لئے استعمال ہو تو اِس کے معانی درخت یا پودے کے تنے کا وہ حصہ ہو گا جو زیرِ زمین ہوتا ہے اور انسان کو نظر نہیں آتا اور درخت یا پودے کے لئے غذا زمین سے لے کر درخت یا پودے کے تنے، شاخوں، پتوں اور پھلوں، پھولوں تک پہنچاتا ہے اور درخت یا پودے کی پرداخت کرنے والے جیسے مالی یا کسان پانی اور کھاد کے ذریعہ جڑوں کو مزید مضبوط کرتے رہتے ہیں اور جڑوں کے ذریعہ یہ پانی اور کھاد درخت اور پودے کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔

اِس مضمون کو مندرجہ بالا شعر کے مضمون کی مناسبت سے آگے بڑھائیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نیکی ایک پودا ہے جس کی جڑ تقویٰ ہے جس طرح عام پودا جڑ کے بغیر پھلتا پھولتا نہیں اِسی طرح تقویٰ کے بغیر نیکیاں پھیلتی، پھلتی اور پھولتی نہیں اور انسان کے عمل اِس روحانی درخت کے لئے پانی اور کھاد کا کام کرتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

سامعین! انسان کے لئے سب سے اہم اور ضروری چیز تقویٰ ہی ہے اُسے اپنی نیکیوں کو بڑا کرنے اور پھیلانے کے لئے اپنے اتّقا کی نہ صرف حفاظت کرنی ہے بلکہ اُس کو بڑا کرنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرنی ہے اور اِس کے ذرائع بھی اپنانے ہیں۔

تقویٰ یہ ہے کہ انسان ایک ایسے راستے کی طرف گامزن ہو جو سیدھا خدا کی طرف جاتا ہو۔ لیکن یہ راستہ ایسا ہے کہ اگر اس سے دائیں بائیں ہوئے تو اس کے ارد گرد خاردار جھاڑیاں ہیں۔ اگر انسان نے سیدھی

سمت چھوڑی تو وہ دونوں طرف جھاڑیوں میں پھنس کر اپنے آپ کو راستے سے دور لے جائے گا۔ پس خدا کے قرب پانے کے راستے کا نام تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کے خوف کا نام تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا کا نام تقویٰ ہے۔

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تقوٰی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

”ایک بزرگ نے تقویٰ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ ایک شخص نے کھلے کھلے کپڑے پہنے ہوئے ہوں جو اِدھر اُدھر لٹکتے جا رہے ہوں اور اس نے ایک ایسے تنگ راستہ سے گزرنا ہو جس سے صرف ایک ہی شخص گزر سکتا ہے اور اس راستہ کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوں جن کے کانٹے قدم قدم پر اس کے کپڑوں کو کھینچتے ہوں ایسی جگہ سے جس طرح یہ شخص اپنے کپڑے سمیٹ کر صحیح سلامت گزر جاتا ہے اور اپنے کپڑوں کو پھٹنے نہیں دیتا۔ اسی طرح وہ شخص جو اپنی زندگی میں دنیا کی تمام آلائشوں اور تمام گندیوں اور تمام ناپاکیوں سے گزر جائے اور اپنے کپڑوں کو ناپاک نہ ہونے دے اس کا نام تقویٰ ہے۔“

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اگر راستے میں آتے ہوئے گندی گیلی مٹی کے کچھ چھینٹے کپڑوں پر لگ جائیں تو اس سے نماز ہو جاتی ہے؟۔ آپ نے فرمایا۔ ہو جاتی ہے۔ ایک دن اتفاقاً راستہ گزرتے ہوئے آپ پر گندی مٹی کے چھینٹے پڑ گئے۔ تو آپ مسجد میں بیٹھ کر پانی کے ساتھ اس کپڑے کی جگہ کو دھونے لگ گئے۔ اس شخص نے دیکھا تو پوچھا امام صاحب آپ نے تو نماز پڑھنی جائز قرار دی تھی اس حالت میں اور خود صاف کر رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ **وہ میرا فتویٰ تھا اور یہ میرا تقویٰ ہے۔**

پس اس سے مزید ہمیں تقوٰی کے راستے کا تعین ہوتا ہے کہ خدا کی خوشنودگی کے لئے کتنی باریک راہیں تلاش کرنی چاہیے۔ پس ہمیں حقیقی تقویٰ کی پہچان کرنے کی ضرورت ہے جس سے نیکیاں بڑھتی ہیں اور خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”اپنی حالتوں کو ٹھیک رکھو اور تقویٰ کے قریب رہو۔ تقویٰ پر چلو۔ جو اسلام کی تعلیم ہے اس کے مطابق چلو۔ سنت پر عمل کرو۔ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو ارشادات فرمائے ہیں ان کے مطابق چلو تو تبھی ہم قریب رہ سکتے ہیں۔“ (وقف نو کلاس۔ تشحیذ الاذہان فروری 2015ء)

پیارے بچو! حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ضروری امر یہ ہے کہ پہلے یہ سمجھ لے کہ تقویٰ کیا چیز ہے اور کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ تقویٰ تو یہ ہے کہ باریک در باریک پلیدگی سے بچے اور اس کے حصول کا یہ طریق ہے کہ انسان ایسی کامل تدبیر کرے کہ گناہ کے کنارہ تک نہ پہنچے اور پھر نری تدبیر ہی کو کافی نہ سمجھے بلکہ ایسی دعا کرے جو اس کا حق ہے کہ گداز ہو جاوے۔ بیٹھ کر، سجدہ میں، رکوع میں، قیام میں اور تہجد میں غرض ہر حالت اور ہر وقت اسی فکر و دعا میں لگا رہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ اور معصیت کی خباثت سے نجات بخشے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے کہ انسان گناہ اور معصیت سے محفوظ اور معصوم ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں راست باز اور صادق ٹھہر جاوے۔ لیکن یہ نعمت نہ تو نری تدبیر سے حاصل ہوتی ہے اور نہ نری دعا سے۔ بلکہ یہ دعا اور تدبیر دونوں کے کامل اتحاد سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو شخص نری دعا ہی کرتا ہے اور تدبیر نہیں کرتا وہ شخص گناہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کو آزماتا ہے۔ ایسا ہی جو نری تدبیر کرتا ہے اور دعا نہیں کرتا وہ بھی شوخی کرتا اور خدا تعالیٰ سے استغنا ظاہر کر کے اپنی تجویز اور تدبیر اور زورِ بازو سے نیکی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مومن اور اور سچے مسلمان کا یہ شیوہ نہیں۔ وہ تدبیر اور دعا دونوں سے کام لیتا ہے۔ پوری تدبیر کرتا ہے اور پھر معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ کر دعا کرتا ہے اور یہی تعلیم قرآن شریف کی پہلی ہی سورت میں دی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ جو شخص اپنے قویٰ سے کام نہیں لیتا وہ نہ صرف اپنے قویٰ کو ضائع کرتا اور ان کی بے حرمتی کرتا ہے بلکہ وہ گناہ کرتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 337-338 ایڈیشن 1984ء)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”تقویٰ کے معنی ہیں بدی کی باریک راہوں سے پرہیز کرنا۔ مگر یاد رکھو نیکی اتنی نہیں ہے کہ ایک شخص کہے کہ مَیں نیک ہوں اس لیے کہ مَیں نے کسی کا مال نہیں لیا، نقب زنی نہیں کی، چوری نہیں کرتا، بد نظری اور زنا نہیں کرتا۔ ایسی نیکی عارف کے نزدیک ہنسی کے قابل ہے کیونکہ اگر وہ ان بدیوں کا ارتکاب کرے اور چوری یا ڈاکہ زنی کرے تو وہ سزا پائے گا۔ پس یہ کوئی نیکی نہیں کہ جو عارف کی نگاہ میں قابل قدر ہو بلکہ اصلی اور حقیقی نیکی یہ ہے کہ نوع انسان کی خدمت کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل صدق اور وفاداری

دکھلائے اور اس کی راہ میں جان تک دے دینے کو تیار ہو۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ھُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ (النحل: 129) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو بدی سے پرہیز کرتے ہیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کرتے ہیں۔ یہ خوب یاد رکھو کہ نرا بدی سے پرہیز کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں جب تک اس کے ساتھ نیکیاں نہ کرے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 241-242 ایڈیشن 1984ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"تقویٰ کا اثر اسی دنیا میں متقی پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صرف ادھار نہیں نقد ہے بلکہ جس طرح زہر کا اثر اور تریاق کا اثر فوراً بدن پر ہوتا ہے اسی طرح تقویٰ کا اثر بھی ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 324 ایڈیشن 1984ء)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں۔

"متقی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ خیال اور لحاظ رکھتا ہے کہ خدا سے بگاڑ نہ ہو۔ دوست پر بھروسہ ہو۔ ممکن ہے وہ دوست مصیبت سے پیشتر دنیا سے اٹھ جائے اور یا مشکلات میں پھنس کر اس قابل نہ رہے۔ حاکم پر بھروسہ ہو تو ممکن ہے کہ حاکم کی تبدیلی ہو جاوے اور وہ فائدہ اس سے نہ پہنچ سکے اور ان احباب اور رشتہ داروں کو جن سے امید اور کامل بھروسہ ہو کہ وہ رنج اور تکلیف میں امداد دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس ضرورت کے وقت ان کو اس قدر دور ڈال دے کہ وہ کام نہ آ سکیں۔ پس ہر آن خدا سے تعلق نہ چھوڑنا چاہیے۔ جو زندگی موت کسی حالت میں ہم سے جدا نہیں ہوتا۔"

(حقائق الفرقان۔ جلد 4 صفحہ 68)

پھر آپؓ فرماتے ہیں۔

"انسان کو چاہیے کہ جو کام کرے اس کے انجام کو پہلے سوچ لے کہ اس کا کیا نتیجہ ہو گا۔؟ انسان غضب کے وقت قتل کر دیتا ہے۔ گالی نکالتا ہے مگر سوچے اس کا انجام کیا ہو گا۔؟ اس اصل کو مدنظر رکھے تو تقویٰ کے طریق پر قدم مارنے کی توفیق ملے گی۔ نتائج کا خیال کیونکر پیدا ہو۔ اس لئے اس بات پر ایمان رکھے کہ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ انسان اگر یہ یقین کرے کہ کوئی

خبیر و علیم بادشاہ ہے جو ہر قسم کی بدکاری، دغا، فریب، سستی، اور کاہلی کو دیکھتا ہے اور اس کا بدلہ دے گا تو وہ بچ سکتا ہے۔ ایسا ایمان پیدا کرو۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے فرائض، نوکری، حرفہ، مزدوری وغیرہ میں سستی کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے رزق حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو تقویٰ کی توفیق دے۔"

(حقائق الفرقان جلد 4 صفحہ 67)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"مذہب کی غرض و غایت انسانی دل اور انسانی دماغ، انسانی جذبات اور انسانی افکار میں وہ مادہ پیدا کرنا ہوتا ہے جسے عربی زبان میں تقویٰ کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق، ایسی محبت، ایسا عشق اور ایسا لگاؤ پیدا ہو جائے اور اس پر اتنا اعتماد، اتنا توکل اور اتنا یقین حاصل ہو کہ جس کے بعد خدا تعالیٰ کے لیے انسان اس کی توحید اور تفرید کی طرح ہو جائے۔ اس انسان پر حملہ خدا تعالیٰ کی توحید اور تفرید پر حملہ سمجھا جائے اور اس انسان کی مخالفت خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی تفرید کی مخالفت سمجھی جائے، اسی طرح انسان کا نقصان و زیاں خدا تعالیٰ تعالیٰ کی توحید و تفرید کا نقصان و زیاں قرار پائے حتیٰ کہ اس کی اعانت کے تمام سامانوں کے موقع پر خدا درمیان میں آجائے اور اس کی اعانت کے تمام موقعوں پر خدا اس کا مددگار ہو جائے۔"

(خطبات محمود جلد 15 صفحہ 150 سال 1934)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں۔

"اسلام کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس کی اس رنگ میں اور اس طور سے حفاظت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہ لینے والا ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا ہو۔ اس کا "کرنا" اور اس کا "ترک کرنا" ہر دو اس بات پر منحصر ہوں کہ آیا اس چیز کے کرنے سے میرا رب راضی ہو گا۔ آیا اس چیز کو ترک کر دینے کے نتیجہ میں مَیں اپنے مولا اور اپنے اندر پیدا کرنے والے کی محبت حاصل کر لوں گا۔ اگر اس کا علم اس کی فراست اس کو یہ کہے کہ اگر تم نے یہ چیز چھوڑی تو تمہارا پیدا کرنے والا تم سے خوش ہو جائے گا۔ اگر تم نے ان باتوں کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا تو وہ اسے کرنے لگ جائے گا یا اسے ترک کر دے گا.... پھر تقویٰ ہی یہ بتاتا ہے کہ نیکی اور بدی کا فیصلہ میرے اختیار

میں نہیں بلکہ جو چیز میرا ربّ کہے، مجھے کرنی چاہیے اور جب اور جس چیز کے متعلق وہ کہے نہ کرو مجھے نہیں کرنی چاہیے اسلام کی روح اور حقیقت یہ ہے۔"

(خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 519 خطبہ جمعہ 16 دسمبر 1966ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں۔

"تقویٰ محض خدا کے فرضی خوف کا نام نہیں، تقویٰ محض نیکی کی اونچی اونچی باتیں کرنے کا نام نہیں۔ تقویٰ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو دل میں چھپا رہتا ہے اور ظاہر نہیں ہوتا۔ تقویٰ ایسا ہے جو نظر بھی آتا ہے غیروں کو اپنوں کو بھی نظر آتا ہے اور غیروں کو بھی نظر آتا ہے۔ لیکن غیروں کو نظر آنے سے پہلے اپنوں کو تو دکھنا چاہیے، اپنوں کو تو دکھائی دے۔ وہ تقویٰ جو تمہارے دلوں میں پوشیدہ ہے اور ظاہر نہیں ہو رہا وہ تقویٰ تقویٰ نہیں ہے۔"

(خطبات طاہر جلد 5 صفحہ 232 خطبہ جمعہ 21 مارچ 1986ء)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"ہر احمدی عورت اور مرد سے مَیں یہ کہتا ہوں کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بہترین لباس وہ ہے جو تقویٰ کا لباس ہے۔ اسے پہننے کی کوشش کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی ستاری ہمیشہ ہمیش ڈھانکے رکھے اور شیطان جو پردے اتارنے کی کوشش کر رہا ہے جو انسان کو ننگا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مومن نہیں ہے شیطان ان کا دوست ہے۔ اگر تو ایمان ہے اور زمانہ کے امام کو بھی مانا ہے تو پھر ہمیں ایک خاص کوشش سے شیطان سے بچنے کی کوشش کرنی ہو گی اور اپنے آپ کو ہمیشہ اس لباس سے ڈھانکنا ہو گا۔ جو تقویٰ کا لباس ہے۔"

پھر حضور انور ایدہ اللہ مزید فرماتے ہیں۔

ایک متقی مومن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم.......بے شک نیک لوگوں کو خوف کی حالت بھی آتی ہے۔ غم کی حالت بھی آتی ہے لیکن وہ دنیا کے غم نہیں ہوتے۔ وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے غم ہوتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کا خوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک شعر میں فرمایا ہے

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

پس یہ دلدار کو راضی کرنے کی فکر اور خوف ہوتا ہے اور یہ خوف جو ہے ان کی توجہ اور دعاؤں اور ذکر الٰہی کی طرف مبذول کراتا ہے۔

(الفضل انٹرنیشل 24 فروری 2012ء)

پس ہمیں اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کرنی ہے جس سے ہم خدا کے راستے کو پالیں اور تقویٰ کے تمام راستے ہمارے لئے آسان ہوتے چلے جائیں۔ کیونکہ ہر ایک نیکی کی جڑ اتقا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ یہ جڑ مضبوط رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سنو ہے حاصل اسلام تقویٰ
خدا کا عشق مے اور جام تقویٰ

﴿18﴾ ﴿مشاہدات۔658﴾

ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى (البقرہ:190)

کہ کامل نیک وہ شخص ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔

معزز سامعین! میری آج کی گزارشات کا عنوان حضرت مسیح موعودؑ کے منظوم کلام میں سے ایک مبارک شعر کا ایک مصرع "ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے" ہے اور یہ مبارک اِن معنوں میں ہے کہ اِس شعر کا دوسرا مصرع "اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے" اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو الہام کیا ہے۔

تقویٰ کے معانی خدا کا خوف، پرہیز گاری، پارسائی اور گناہ سے بچنے کے ارادہ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اُس کے بتائے ہوئے رستے کے مطابق زندگی گزارنے کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا نہایت آسان مفہوم یہ ہے کہ ہم کوئی بھی کام اور بات کرنے سے پہلے یہ جائزہ لیں کہ اِس فعل سے متعلق میرے پیارے اللہ اور اس کے رسول سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم اور اُسوہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے۔ تو آپؓ نے جواب دیا کہ اگر تم کانٹوں والی جگہ سے گزرو تو کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ یا اس سے پہلو بچا کر چلا جاتا ہوں یا آگے نکل جاتا ہوں یا اس سے پیچھے رہ جاتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا کہ بس اسی کا نام تقویٰ ہے۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مقام پر کھڑا نہ ہو اور ہر طرح اِس جگہ سے بچنے کی کوشش کرے۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 73)

جب ہم قرآنِ کریم کی رو سے تاریخِ انبیاء کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی بعثت کی غرض یہی تھی کہ وہ اپنی اپنی قوم کو تقویٰ کی تعلیم دینے اور اس پر پابندی کرانے کے لئے مبعوث فرمائے

گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوْا اللّٰه (النساء:132)

کہ یقیناً ہم نے اُن لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، تاکیدی حکم دیا تھا اور خود تمہیں بھی کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

گویا یہ ایسا حکم ہے جو تمام اُمتوں میں برابر ہے کہ وہ تقویٰ کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں۔

رنگِ تقویٰ سے کوئی رنگ نہیں ہے خوب تر
ہے یہی ایمان کا ذریعہ یہی دین کا سنگھار

سامعین! قرآنِ کریم ایک کامل شریعت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے جس نے ہر مضمون اور بات کو خوب کھول کر اور خوبصورت تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآنِ کریم میں بار بار تقویٰ کے حصول کی نصیحت کی گئی ہے تا قرآنِ کریم پر عمل کرنے والا تقویٰ کی حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہو کر اُس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالے کیونکہ وہ قرآن ہی تو ہے جو ھُدًى لِّلْمُتَّقِيْن (البقرہ:3) یعنی متقیوں کی ہدایت و رہنمائی کا موجب اور انہیں منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اے ابوہریرہؓ! تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کر۔ تُو سب سے بڑا عبادت گزار بن جائے گا۔

(ابن ماجہ کتاب الزھد باب الورع و التقویٰ)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جو اِن میں سے زیادہ متقی ہے۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ
مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا أُوْصِيْكَ بِالتَّقْوٰی کہ مَیں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اپنے پوشیدہ اور اعلانیہ معاملات میں اللہ کا تقوٰی اختیار کرنا۔

(مسند احمد بن حنبل کتاب مسند الانصار باب حدیث ابی ذرغفاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے وضاحت کر کے اپنی امت کو اُبھارا ہے تا وہ گروہِ متقین میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ آپ عمر کے بڑھانے، رزق کی فراوانی اور موت کی اذیت ناک کشمکش سے نجات کا نُسخہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز کی جائے، اس کے رزق میں فراخی پیدا کی جائے اور اس سے اذیت ناک موت دور کی جائے۔ تو اُسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا تقوٰی اختیار کرے اور اپنے رحمی تعلقات کو استوار کرے۔“

(مسند احمد بن حنبل کتاب مسند العشرۃ المبشرۃ باب مسند علی بن ابی طالب)

تقوٰی کسی مادی یا نظر آنے والی چیز کا نام نہیں بلکہ یہ تو دل کی گہرائیوں میں چُھپے ہوئے اُس جذبہ کا نام ہے جس سے خدا کی رضا کے حصول کے لئے اُس کے احکامات پر عمل کی توفیق ملتی ہے۔ بحیثیت ایک مسلمان ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے گئے طریق کے مطابق گزاریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ:04) کہ یقیناً اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

خَيْرُالزَّادِالتَّقْوٰی

سب سے بہتر زادِ راہ تقوٰی ہے۔

کامیاب روحانی زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تقوٰی کو بہترین زادِ راہ قرار دیا ہے۔

فرمایا:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَالزَّادِالتَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرۃ:891)

اور زادِ راہ ساتھ لو اور یاد رکھو کہ بہتر زادِ راہ تقوٰی ہے اور اے عقلمندو! میرا تقوٰی اختیار کرو۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

”تقوٰی کے معنٰی ہیں ہر ایک باریک در باریک رگِ گناہ سے بچنا۔ تقوٰی اس کو کہتے ہیں کہ جس امر میں بدی کا شبہ بھی ہو اُس سے بھی کنارہ کرے۔“

(الحکم قادیان 10 اگست 1901 صفحہ 3)

سامعین! قرآن کریم اور احادیث سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ تقویٰ کے ساتھ زندگی گزارنے والے ہی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اردو منظوم کلام میں فرماتے ہیں۔

مسلمانو! بناؤ تام تقویٰ

کہاں ایماں اگر ہے خام تقویٰ

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”صحابہ کرام دوسرے کے حق کو خوب یاد رکھتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک گھوڑا ایک صحابی بیچنے لگے اور اس کی قیمت انہوں نے مثلاً دو ہزار مقرر کی۔ دوسری طرف جو صحابی خریدار تھے وہ چار ہزار بتاتے تھے اور ان میں اسی بات پر جھگڑا تھا کہ مالک کم قیمت بتاتا اور خریدار زیادہ دیتا۔ تو مومن کا طریق یہ ہے کہ وہ دوسرے کے حقوق کا بہت خیال رکھتا ہے۔“

(خطبات محمود جلد 7 صفحہ 310)

تقوٰی ہر عمل کی روح اور جان ہے۔ جس کے بغیر ہر قول و فعل مردود اور مُردہ ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اعمال میں جان اور زندگی پیدا ہو، اُن میں نور جھلکے اور زینت ظاہر ہو تو ضروری ہے کہ ہم تقوٰی کی باریک راہوں کا لحاظ رکھیں۔ تقویٰ بہت عظیم اور بیش بہا صفت اور ساری مطلوبہ صفات کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متقی کو دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیوں کی ضمانت دی ہے۔ تقویٰ وہ صفت ہے جس سے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ ملتا ہے۔

ہمارے ظاہری اعمال اور قربانیاں تو اسی دنیا میں رہ جائیں گی، مگر ان اعمال کے پیچھے جو جذبہ یعنی تقویٰ کارفرما ہے وہی اعمال کی روح ہے اور وہی اللہ تعالیٰ تک پہنچتی اور قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔ اگر ہمارے اعمال کے پیچھے یہ روح نہ ہو تو وہی عمل بے مقصد اور لاحاصل ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 12)

کَشتی نوح ہی میں آپؑ احبابِ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

”چاہئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تُم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔“

پھر فرمایا۔

”خدا تعالیٰ متقی کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے وعدوں کا سچا اور پورا ہے... میرا تو اعتقاد ہے کہ اگر ایک آدمی باخدا اور سچا متقی ہو تو اس کی سات پشت تک بھی خدا رحمت اور برکت کا ہاتھ رکھتا اور ان کی خود حفاظت فرماتا ہے۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعود جلد چہارم صفحہ 404)

سامعین! تقویٰ کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہماری تمام کوششیں اور ذرائع صرف اس لئے ہیں کہ اللہ کی طرف سے تقویٰ کے بیج کو بونے کے لئے ہم اپنی کھیتی کو تیار کریں۔ ہمارے اعمال، کوششیں اور مختلف ذرائع اللہ تعالیٰ کے فضل کو کھینچنے اور جذب کرنے کی صورتیں ہیں تا تقویٰ اللہ کا پودا ہمارے دل میں ایسا گڑھ جائے کہ جس کی خوشبو ہمارے ہر قول و فعل سے محسوس کی جارہی ہو اور بصیرت کی آنکھ رکھنے والوں کو نظر آرہی ہو۔ متقی کے ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون سے محبت و عشقِ الٰہی ٹپک رہا ہوتا ہے۔ جس میں وہ ایک ایسی لذت اور سرور محسوس کرتا ہے جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ہوتی۔ سچا تقویٰ حاصل کرنے کے لئے دعا ہی ایک عمدہ راہ ہے۔

ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں اِس دَورِ آخرین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت المتقین کا حصہ بننے کی سعادت عطا

فرمائی ہے۔ تقویٰ اللہ کو جاننا، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اِس کے بغیر ہماری زندگی بیکار ہے۔ ساری ترقیات بھی تقویٰ ہی سے وابستہ ہیں۔ آج اِسے قائم و دائم رکھنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متبعین کا کام ہے اور یہی جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیعت لینے کا مقصد ہی تقویٰ شِعار لوگوں کی جماعت قائم کرنا تھا۔ اس لئے آپ دن رات اس مقصد کے حصول کی فکر میں رہتے تھے کہ کس طرح آپ کے ذریعہ قائم ہونے والی جماعت تقویٰ و پارسائی پر قائم ہو جائے۔ اس کے لئے آپ نے درد مندانہ دعائیں کیں، درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور اپنے عملی نمونہ سے مثالیں قائم کیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جماعت کے بارہ میں اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

یہ ہو، مَیں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا
جب آوے وقت میری واپسی کا

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے موافق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مقصد میں بھی کامیاب فرمایا جس کی گواہیاں اور زندہ نمونے دنیا کے دو سو بیس ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اِس وقت خاکسار صرف ان لوگوں کی گواہی کو درج کرے گا جنہیں احمدیت سے باہر رہ کر اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے اقرار کیا:

"پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اُس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقۂ قادیانی کہتے ہیں۔"

(ملتِ بیضاء پر ایک عمرانی نظر صفحہ 18)

نیز علامہ نیاز فتحپوری صاحب مشہور شاعر، ادیب اور ایڈیٹر فرماتے ہیں:

"اس میں کلام نہیں کہ انہوں (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) نے یقیناً اخلاقِ اسلامی کو دوبارہ زندہ کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھادی جس کی زندگی کو ہم یقیناً اُسوۂ نبوی ﷺ کا پَرتَو کہہ سکتے ہیں۔"

(رسالہ نگار لکھنؤ، ماہِ نومبر 1959ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"تقویٰ یہی ہے کہ انسان بالکل خدا کا ہو جاوے۔ اس کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا ہر ایک حرکت و سکون خدا کے لئے ہو۔"

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 5 صفحہ 436)

سیرتِ انبیاءؑ و صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے سامنے ہے جنہوں نے کس قدر جُہدِ مسلسل سے لباسِ تقویٰ کو حاصل کیا۔ اپنے عجز و نیاز اور حسنات سے فضلِ الٰہی کو جذب کر کے لباسُ التقوٰی کو زیبِ تن کیا۔ اس لئے تقویٰ کے حصول کے لئے ہمیں بھی انہیں راہوں پر چلنے کی ضرورت ہے۔

کام مشکل ہے بہت اور منزلِ مقصود ہے دور
اے میرے اہلِ وفا! سست کبھی گام نہ ہو

ہمارے پیارے اِمام سَیّدُنا حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"پس ہر احمدی عورت اور مرد سے مَیں یہ کہتا ہوں کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بہترین لباس وہ ہے جو تقویٰ کا لباس ہے۔ اُسے پہننے کی کوشش کریں...اور اپنے آپ کو ہمیشہ اس لباس سے ڈھانکنا ہو گا جو تقویٰ کا لباس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔"

(خطبات مسرور جلد 7 صفحہ 173)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ جرمنی 2021ء کے خطاب میں اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے کے بارے فرماتے ہیں کہ

"اگر حقیقت میں ہم نے اِس بیعت کا حق ادا کرنا ہے تو یہ جڑ (تقویٰ) اپنے دلوں میں لگانی ہو گی تا کہ تقویٰ کے شیرین ثمرات ہمارے ہر عمل کو لگیں ورنہ ہمارے دعوے کھوکھلے ہیں...ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ تقویٰ کی جڑیں مضبوط ہوں گی تو ایمان کی جڑیں بھی مضبوط ہوں گی ورنہ شیطان کے حملوں کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

آنکھیں کھُلیں ہماری روشن دماغ ہوویں
ہووے شعار اپنا تقویٰ و پارسائی

پس خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس پیاری متقین کی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس لئے سجداتِ شکر بجالاتے ہوئے، ہمیشہ تقویٰ پر ہی قدم مارتے ہوئے اس سے مزید اور مزید فیض پاتے چلے جائیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے درختِ وجود کی سرسبز اور ثمر دار شاخیں بنتے چلے جائیں۔ آج اللہ تعالیٰ کی محبت میں قربانیوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار آپؑ ہی کے ذریعہ قائم ہونے ہیں۔ اس لئے یہ تاریخ نو بھی اب رقم کر ہی دیں۔ اے اللہ! تو ہمیں تقویٰ کے نور سے منوّر فرمادے۔ آمین

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

﴿19﴾ ﴿مشاہدات۔100﴾

جھوٹ سے اجتناب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:31)

ترجمہ: پس بتوں کی پلیدی سے احتراز کرو اور جھوٹ کہنے سے بچو۔

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

آج میری تقریر کا عنوان ہے "**جھوٹ سے اجتناب**"

سامعین! اللہ تعالیٰ نے اپنی پیاری کتاب قرآن مجید میں 700 سے زائد جو احکام مومنوں کو دیے ہیں ان میں بعض کا تعلق اخلاقِ حسنہ سے ہے اور کچھ کا تعلق اخلاقِ سیئہ سے ہے۔ ہر دو قسم کے اخلاق کا باریک بینی سے مطالعہ کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اخلاقِ حسنہ کا تعلق کسی نہ کسی طرح سچائی سے جا ملتا ہے اور اخلاقِ سیئہ کا تعلق بالآخر جھوٹ، کِذب، زُور، دروغ گوئی اور بہتان وغیرہ سے جا جُڑتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچائی کو اختیار کرو کیونکہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی بالآخر جنت کی طرف لے جاتی ہے اور اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کا باعث بن جاتا ہے جو سیدھا آگ کی طرف لے جاتا ہے اور اللہ کے ہاں کذّاب یعنی جھوٹا کہلاتا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 816)

اِس کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہی علامت کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سُنائی بات لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔ (حدیقۃ الصالحین صفحہ 817)

کب تلک جھوٹ سے کرو گے پیار
کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

قرآن کریم نے جھوٹ کو ایک نجاست اور رِجس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ۔ (الحج:31) دیکھو! یہاں جھوٹ کو بُت کے مقابل رکھا ہے اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بُت ہی ہے ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسا کہ بُت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز مُلَمَّع سازی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہاں تک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اِس میں کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جائے تو جلدی سے دُور نہیں ہوتا۔ مدت تک ریاضت کریں تب جا کر سچ بولنے کی عادت اُن کو ہو گی۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 266 ایڈیشن 1988ء)

پھر جھوٹ کو ایک گھناؤنا فعل قرار دیتے ہوئے فرمایا تم جھوٹ نہ بولو کہ جھوٹ بھی ایک حصہ شرک ہے۔

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 28)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کَانَ خُلُقُهُ الۡقُرۡاٰنَ کے مصداق تھے۔ آپؐ قرآنی احکام کے تابع ہمیشہ سچ بولتے اور جھوٹ کبھی نہ بولا۔ غیر بھی اِس کا اعتراف کرتے تھے کہ آپؐ کبھی جھوٹ نہ بولتے تھے بلکہ مذاق میں بھی جھوٹ کو ناپسند فرماتے تھے۔ اسلام کا دشمنِ اعظم ابوجہل بھی آپؐ کے متعلق کہہ اُٹھا کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہ بولا۔ ابوسفیان جب ہرقل بادشاہ کے سامنے اسلام لانے سے قبل پیش ہوئے تو ہرقل بادشاہ کے سامنے اِس بات کا اظہار کیا کہ ماضی میں ہم نے کبھی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سردارانِ مکہ کے سامنے اِس امر کا اعلان فرمایا کہ اگر مَیں یہ کہوں کہ سامنے پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جرار ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ کیا تم مان لو گے؟ تمام نے بیک زبان کہا۔ ہاں! کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر آپؐ کے چہرے کو دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی کٹھن اور مشکل حالات میں سچ سے کام لیا۔ آپؑ اپنے متعلق ایک واقعہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

”مجھے یاد ہے کہ مَیں نے ایک مرتبہ امرتسر ایک مضمون بھیجا۔ اُس کے ساتھ ہی ایک خط بھی تھا۔ رلیارام کے وکیل ہند اخبار کے متعلق تھا۔ میرے اِس خط کو خلافِ قانون ڈاکخانہ قرار دے کر مقدمہ بنایا گیا۔ وکلاء نے بھی کہا کہ اس میں بجز اس کے رہائی نہیں جو اس خط سے انکار کر دیا جاوے۔ گویا جھوٹ کے سوا بچاؤ نہیں مگر مَیں نے اس کو ہرگز پسند نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر سچ بولنے سے سزا ہوتی ہے تو ہونے دو۔ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آخر وہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ ڈاک خانوں کا افسر بحیثیت مدعی حاضر ہوا۔ مجھ سے جس وقت اُس کے متعلق پوچھا گیا تو مَیں نے صاف طور پر کہا کہ یہ میرا خط ہے مگر مَیں نے اس کو جزوِ مضمون سمجھ کر اس میں رکھا ہے۔ مجسٹریٹ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو بصیرت دی۔ ڈاکخانوں کے افسر نے بہت زور دیا مگر اُس نے ایک نہ سنی اور مجھے رخصت کر دیا۔ مَیں کیونکر کہوں کہ جھوٹ کے بغیر گزارہ نہیں۔ ایسی باتیں نری بیہودگیاں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سچ کے بغیر گزارہ نہیں۔ مَیں اب تک بھی جب اپنے اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو ایک مزا آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پہلو کو اختیار کیا۔ اُس نے ہماری رعایت رکھی اور ایسی رعایت رکھی جو بطور نشان کے ہوگئی۔ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَحَسْبُهٗ (الطلاق: 4)“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 636-637)

بھائیو! اب دیکھیں! حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بات کو جانتے ہوئے کہ یہ فعل ایسا تھا جس سے سزا ہو سکتی تھی آپؑ نے وکلا کے اصرار کے باوجود سچ سے کام لیا۔ اس بات کا جج کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ جج نے آپؑ کو رہا کر دیا۔ ہم ہیں کہ معمولی عارضی فائدہ کی خاطر جھوٹ بول جاتے ہیں۔ ہم میں سے بے شمار لوگوں نے مغربی دنیا میں اسائلم لے رکھا ہے۔ بعض ممالک میں اسائلم کے قوانین بہت سخت ہیں۔ ہمارے بعض احمدی دوست اسائلم کیسز میں نہ چاہتے ہوئے بھی معمولی فائدہ کی خاطر جھوٹ کی ملونی

کر دیتے ہیں۔ جس کو ہمارے خلفاء ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں اور ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بھی متعدد بار احمدیوں کو اپنے کیسز میں سچ بولنے کی تاکید کر چکے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک خاتون اپنے بچے کے ہمراہ دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوئی۔ غالباً وہ اپنے بچے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب کروانے کے لیے اپنے ساتھ لائی تھی۔ مگر وہ بچہ اپنے بچپن کی وجہ سے اِدھر اُدھر کھیل رہا تھا اور ماں کے بار بار بلانے کے باوجود متوجہ نہیں ہو رہا تھا تو ماں نے لالچ دیتے ہوئے کہا کہ بیٹا! آؤ! میں تمہیں کھجور دوں گی۔ جس پر بچہ ماں کے پاس آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کرنے لگا تو ماں نے بچے کو کھجور دے دی۔ اِس پر سرکار دو عالم محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بی بی! اگر تم یہ کھجور بچے کو نہ دیتی تو تمہارا شمار جھوٹوں میں ہوتا۔

ہم میں سے بعض لوگ عدالتوں میں جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ وکلاء جھوٹ کی بنیاد پر اپنے کیسز عدالتوں میں لڑتے ہیں۔ جھوٹی شہادتیں دی جاتی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کی گواہی لینے کی ممانعت فرمائی ہے جس کی جھوٹی شہادت کا تجربہ ہو چکا ہو (ترمذی کتاب الشہادۃ) اور جھوٹی قسم اٹھانے کو بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ ایک موقع پر جھوٹی قسم کی وضاحت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جھوٹی قسم وہ ہے جس کے ذریعہ انسان کسی مسلمان کا حق مارے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے۔ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ ایسے کیسز نہ لیتے جن میں جھوٹ کی ایک رمق بھی آپ محسوس کرتے۔

ہماری جماعت میں ایک بزرگ وکیل حضرت مرزا عبدالحق مرحوم کے متعلق بھی مشہور تھا اور وہ خود بھی اس امر کا اظہار کیا کرتے تھے کہ مَیں ایسے کیسز لینے سے پرہیز کرتا ہوں جن میں جھوٹ کی بو آرہی ہو خواہ فریق مجھے بڑی سے بڑی رقم بطور فیس دینے کی آفر بھی کرے۔

سامعین! جھوٹ اس قدر بڑا گناہ ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اِس سے اِس حد تک متنفر تھے کہ ایک دفعہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا:

"کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں۔ صحابہ نے عرض کیا جی حضور! ضرور بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپؐ تکیے کا سہارا لیے ہوئے تھے، جوش میں آکر بیٹھ گئے اور بڑے زور سے فرمایا دیکھو! تیسرا بڑا گناہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔ آپؐ نے اِس بات کو اتنی دفعہ دہرایا کہ ہم نے چاہا کہ حضور خاموش ہو جائیں۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 817 حدیث 865)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یقینا یاد رکھو جھوٹ جیسی کوئی منحوس چیز نہیں عام طور پر دنیادار کہتے ہیں کہ سچ بولنے والے گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مگر مَیں کیوں کر اس کو باور کروں؟ مجھ پر سات مقدمے ہوئے ہیں اور خدا کے فضل سے کسی ایک میں بھی ایک لفظ بھی مجھے جھوٹ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کوئی بتائے کسی ایک میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے شکست دی ہو۔ اللہ تعالیٰ تو آپ کی سچائی کا حامی اور مددگار ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ راستباز کو سزا دے؟ اگر ایسا ہو تو دنیا میں پھر کوئی شخص سچ بولنے کی جرأت نہ کرے اور خدا تعالیٰ پر سے ہی اعتقاد اٹھ جاوے۔ راستباز تو زندہ ہی مر جاویں۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 638 ایڈیشن 1988ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:

"انسان کو جھوٹ سے بہت ہی بچنا چاہئے۔ دیکھو کہ نفاق جیسے گندے گناہ اور مرض کا سبب یہی جھوٹ ہے پھر نفاق بھی ایسا کہ جس کی نسبت فرمایا ہے فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْن (پس وہ رجوع نہ کریں گے) اور جہاں پر آنحضرت ﷺ نے نفاق کے علامات بیان فرمائے ہیں وہاں پر فرمایا ہے کہ منافق کے پاس جب امانت رکھو تو خیانت کرے گا اور جب جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ دیتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے اور جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور قرآن مجید میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت آئی ہے اور آنحضرت ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ مومن سے فلاں فلاں گناہ ہو سکتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ لیکن جب جھوٹ کی

نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ نہیں۔ الغرض کہ جھوٹ بہت بُرا مرض ہے مومن کو اس سے ہمیشہ بہت ہی بچنا چاہئے۔"

(حقائق الفرقان جلد اول صفحہ 91-92)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"جھوٹ بولنے والوں کے بچے بھی جھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ مت خیال کرو کہ بچہ سمجھ نہیں سکتا کہ اُس کے سامنے جھوٹ بولا جارہا ہے........ بچہ کو دھوکہ دینا بہت مشکل ہے........ بہت نگرانی کرنی چاہئے کہ بچہ جھوٹ نہ بولے۔ اُسے دلیر بنانا چاہئے اور اُسے اچھی طرح سمجھا دینا چاہئے کہ اگر وہ صحیح صحیح اپنے قصور کا اعتراف کر لے گا تو اُسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ جب بچہ کو سچ بولنے کی عادت ہو جائے تو اُس کا کیریکٹر ایسا مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ دُنیا میں کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا........ کوشش کرو کہ بچے بڑوں کے ساتھ بھی تعلقات میں جھوٹ سے پرہیز کریں اور خدا تعالیٰ سے تعلق کے سلسلہ میں نماز کے عادی ہو جائیں۔ اگر ان دونوں اُمور کی نگرانی کی جائے تو بہت حد تک اصلاح ہوتی ہے۔"

(خطبات محمود جلد 13 صفحہ 645)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

"کسی پر جھوٹ نہیں باندھنا خواہ وہ دہریہ ہو، عیسائی ہو، یہودی ہو، ہندو ہو، پارسی ہو، بدھ مذہب کا ہو، کوئی ہو، لامذہب ہو یا بد مذہب ہو، غرض کوئی ہو تم نے اُس پر جھوٹ نہیں باندھنا، افتراء نہیں کرنا، تہمت نہیں لگانی یہ ساری چیزیں علاوہ اور خرابیوں کے جذبات کو ٹھیس لگانے والی ہیں کوئی بھی ہو اُس کے جذبات کا احترام کرنا ہے۔"

(خطبات ناصر جلد سوم صفحہ 74)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں:

"یہ سچائی ہی ہے جو انسانی زندگی کے کام آتی ہے۔ سچائی سے ہی دُنیا بنتی ہے اور سچائی سے ہی دین بنتا ہے سچائی سے ہی مادی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اور سچائی ہی کے ساتھ روحانی ترقیات نصیب ہوتی ہیں۔ جھوٹ

کے تو نہ یہاں قدم ٹکتے ہیں۔ نہ وہاں قدم ٹکتے ہیں۔.... آپ کی دینی ترقی کا راز بھی اِس بات میں ہے کہ آپ سچے احمدی بن جائیں اور سچ کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کریں اور جھوٹی بات کو سننا بھی برداشت نہ کریں۔"

(مشعل راہ جلد 3 صفحہ 200)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" پھر ایک بُرائی ہے جھوٹ، کوئی شخص اگر ذراسی مشکل میں بھی ہو تو اس سے بچنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے لیتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جھوٹ کو برائی نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ جھوٹ ایسی بُرائی ہے جو سب بُرائیوں کی جڑ ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے کسی ایک بُرائی سے چھٹکارہ پانے کی درخواست کرنے والے کو یہی فرمایا تھا کہ اگر ساری برائیاں نہیں چھوڑ سکتے تو ایک برائی چھوڑ دو اور وہ ہے جھوٹ اور یہ عہد کرو کہ ہمیشہ سچ بولو گے۔ اب بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ صرف اتنا ہے کہ عدالت میں غلط بیان دے دیا۔ اگر چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے تو جھوٹ بول کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ اگر کوئی غیر اخلاقی حرکت کی تو جھوٹ بول دیا۔ یا کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دے دی اور بلاوجہ کسی کو مشکل میں مبتلا کر دیا۔ یقیناً یہ سب باتیں جھوٹے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی غلط بیانیاں کرنا بھی جھوٹ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مثال دی ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جھوٹ کی تعریف کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی چھوٹے بچے کو کہا آؤ میں تمہیں کچھ دیتا ہوں اور اسے دیتا کچھ نہیں تو جھوٹ میں شمار ہوگا۔ یہ جھوٹ کی تعریف ہے۔ اب اگر ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے تو پتہ چلے گا کہ ہم روزانہ کتنی دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھوٹ بول جاتے ہیں۔ مذاق مذاق میں ہم کتنی ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو جھوٹ ہوتی ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اگر ہم اس بارے میں گہرائی میں جا کر توجہ کریں گے۔ تب ہم اپنے اندر سے اور اپنے بچوں کے اندر سے جھوٹ کی لعنت کو ختم کر سکتے ہیں۔"

(خطبات مسرور جلد سوم صفحہ 286-287)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”آج کل کے معاشرے میں تو قدم قدم پر ہمیں جھوٹ نظر آتا ہے اور اسے دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ تھوڑی بہت غلط بیانی کر لینا کوئی گناہ نہیں ہے، کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے لیکن یہی باتیں پھر بڑے بڑے جھوٹ بلواتی ہیں۔ سچائی کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ پس ہر احمدی کو اپنی سچائی کے معیار بہت اونچے کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ سچائی کے معیار ہم حاصل کر لیں تو بہت سے جھگڑے اور مسائل ختم ہو جائیں۔ سب سے اہم بات ہمیں یہ یاد رکھنی چاہیے کہ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم کرنے کے لیے کی ہے۔ اگر ہم نے جھوٹ کا سہارا لینا شروع کر دیا تو ہم خدا کی بادشاہت قائم کرنے کی بجائے شیطان کی بادشاہت قائم کرنے والے بن رہے ہوں گے۔ پس بہت فکر اور سوچنے کا مقام ہے۔“

(خطاب جلسہ سالانہ قادیان 25 دسمبر 2022ء بمقام ایوانِ مسرور اسلام آباد۔ یوکے)

بھائیو! میں اپنی تقریر کا اختتام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فرمانوں پر کرنا چاہتا ہوں جو سچ اور جھوٹ پر ایک جامع فرمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

کسی بندے کے دل میں ایمان اور کفر جمع نہیں ہو سکتے اور نہ سچائی اور کذب بیانی اکٹھے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی دیانت داری اور خیانت اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 349)

پھر فرمایا:

لوگوں میں افضل وہ ہے جو مَخمُومُ اَلْقَلْب یعنی پاک وصاف دل والا اور صَدّوقُ لِلّسان یعنی زبان کا سچا ہو۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الزہد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی جو تین علامتیں بیان فرمائیں اُن میں سے پہلی تو براہ راست جھوٹ سے تعلق رکھتی ہے کہ جب بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ باقی دو علامات کا نتیجہ بھی جھوٹ پر ہی منتج ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی کرتا ہے اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو صدوقُ اللسان بنائے تا ہم ایک دوسرے سے افضل بننے کی دوڑ میں شامل رہیں۔

جھوٹ اور سچ میں جو ہے فرق وہ پیدا ہو گا
کوئی پا جائے گا عزت کوئی رُسوا ہو گا!

۞۞۞۞

﴿20﴾ ﴿مشاہدات۔ 947﴾

قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۔ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب: 71-72)

اے خدا دل کو مرے مزرعِ تقویٰ کر دیں
ہوں اگر بد بھی تو تُو بھی مجھے اچھا کر دیں

معزز سامعین! مجھے آج آپ حاضرین کے سامنے قولِ سدید کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے۔ یہ الفاظ سورۃ احزاب کی آیت 71 میں بیان ہوئے ہیں جس کو آیت 72 کے ساتھ پڑھا جائے تو ترجمہ یوں ہو گا۔

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صاف سیدھی بات کیا کرو۔ وہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو یقیناً اُس نے ایک بڑی کامیابی کو پالیا۔“

یہ دو آیات جن کی تلاوت مَیں اوپر کر آیا ہوں اُن چار آیات میں شامل ہیں جو خطبہ نکاح میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن دو آیات میں قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا کو تقویٰ اختیار کرنے کے ساتھ باندھا ہے اور صاف اور سیدھی بات کرنے کا حکم دینے کے بعد اِس کے نتائج کا ذکر يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ کے الفاظ میں فرمایا ہے کہ اگر تقویٰ اختیار کرتے ہوئے صاف سیدھی بات کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ قول سدید اختیار کرنے پر اِن دو انعامات کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی ہے کہ ہم میں سے جو بھی اللہ کے احکام اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے ارشادات اور فرمودات پر عمل پیرا ہوگا اُسے کامیاب ہونے اور رہنے کی ضمانت دی جاتی ہے۔

پیارے بھائیو! اس اہم اور ضروری مضمون میں آگے بڑھنے سے قبل قولِ سدید کے لغوی معنوں کو جاننا ضروری ہے۔ قولِ سدید اور صدق یعنی سچائی میں کیا فرق ہے۔ صدق کے معنی سچائی یا حقیقت کے ہیں جبکہ سَدِیْد کے اردو معانی مضبوط، مُحکم، درست اور ٹھیک کے ہیں جبکہ سدید، سَددُ الرَّمۡحِ سے ہے جس کے معنی ہیں نیزے کو سیدھا کرنا۔ یعنی سدید بات جو نیزے کی طرح درست ہو۔ اِس میں ذرا بھر کجی اور ٹیڑھا پن نہ ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اِس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ ”صاف سیدھی بات کیا کرو“۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اِس کا ترجمہ کیا ہے ”وہ بات کہو جو پیچیدہ نہ ہو بلکہ سچی ہو“۔ سورۃ النساء آیت 10 میں قَوۡلًا سَدِیۡدًا کے تحت حضورؓ لکھتے ہیں کہ ”ایسی سچی بات جس میں کوئی فریب یا اخفاء نہ ہو“۔ جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے اس کا ترجمہ یوں کیاہے۔ ”سیدھی سادی تحقیقی بات کہو“۔ اور حضرت میر محمد اسحاقؓ صاحب نے لفظی ترجمہ کرتے ہوئے لکھاہے کہ ”کہو بات مضبوط“۔

اور حضرت مسیح موعودؑ نے یہ ترجمہ فرمایا کہ

”وہ باتیں کیا کرو جو سچی اور حق اور حکمت پر مبنی ہوں“

(ست بچن)

کسی نے قولِ سدید سے وہ کلام مراد لیاہے

”جو عین مطابق حقیقت ہو۔ جو واقعاتی تجزیہ پر مبنی ہو۔ جو ٹھوس دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ وہ بات اصل حقیقت سے کچھ بھی اِدھر یا اُدھر ہٹی ہوئی نہ ہو۔“

قولِ سدید اختیار کرنے کی ایک دُعا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ سَدِّدْ لِسَانِی

(سنن ابن ماجہ حدیث 3830)

کہ اے اللہ! میری زبان کو قولِ سدید کی توفیق دے۔

اوپر بیان ہونے والے تراجم اور آنحضورؐ کی اس دُعا سے قولِ سدید کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قولِ سدید کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قول سدید یہ ہے کہ
''وہ بات منہ پر لاؤ جو بالکل راست اور نہایت معقولیت میں ہو اور لغو اور فضول اور جھوٹ کا اس میں سرِ مُو دخل نہ ہو۔''

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 209-210 حاشیہ نمبر 11)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ قولِ سدید کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے اور یہ قولِ سدید کا حکم تو ایسا ہے کہ اس پر معاشرے کے امن کی بنیاد ہے۔ معاشرے کی اصلاح کی بنیاد اس پر ہے۔ تبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح جو مرد اور عورت کے بندھن کا اسلامی اعلان ہے اور آئندہ نسل کے جاری ہونے کا ایک سلسلہ ہے، اس میں ان آیات کو شامل فرمایا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب خطبۃ النکاح حدیث 1892)۔ لیکن جیسا کہ مَیں نے کہا، اس کا دائرہ صرف گھر تک محدود نہیں ہے بلکہ پورے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سے معاشرے میں فساد بھی پیدا کیا جا سکتا ہے اور امن اور سلامتی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ پس اس پر جس طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے اُس طرح عمل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پھر اگلی آیت میں فرماتا ہے کہ تمہاری تقویٰ کی باریک راہوں کی تلاش کی کوشش، اور قولِ سدید کی جزئیات پر قائم رہنے کی کوشش تمہیں خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بنائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا۔ سچائی کے اختیار کرنے سے تمہارے سے پھر نیک اعمال ہی سرزد ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قولِ سدید کی وجہ سے تم لغو باتوں سے بھی پرہیز کرنے والے بن جاؤ گے۔ لغو بات سے پرہیز بذاتِ خود پھر نیک اعمال کی طرف لے جاتا ہے۔ بُرائیوں سے دور کرتا ہے۔ ایک بڑی مشہور حدیث ہے۔ ہم اکثر سنتے ہیں۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کہ ''آج تم یہ عہد کر لو کہ تم نے ہمیشہ سچائی پر قائم رہنا ہے، جھوٹ کبھی نہیں بولنا'' اگر اس پر عمل کرتے رہے تو فائدہ ہو گا۔ تمہاری بُرائیاں چھٹ جائیں گی۔ تو اس نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام چھوٹی بڑی بُرائیوں اور گناہوں سے چھٹکارا پالیا۔ (التفسیر الکبیر لامام رازیؒ جزء 16 صفحہ 176 تفسیر سورۃ التوبۃ زیر آیت نمبر 119)''

(خطبہ جمعہ 21 جون 2013ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے بھی ایک خطبہ میں اِس طرف توجہ دلائی تھی کہ بعض لوگ کسی کے منہ پر کوئی ایسی بات کر دیتے ہیں جو سچی تو ہوتی ہے مگر موقع محل پر نہیں ہوتی اور بڑے فخر سے اس امر کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں کہ مَیں نے تو سچی بات اُس کے منہ پر کر دی تھی اور اِس سے لڑائی جھگڑا ہوتا ہے یا لڑائی جھگڑا میں اضافہ ہوتا ہے۔

سامعین! مجھے چونکہ بڑے شہروں میں خدمت بجالانے کی توفیق ملتی رہی ہے اس لئے ایسے بے شمار واقعات سننے کو ملتے رہے جو نکاح یا شادی کے موقع پر ہوتے ہیں جو خاندانوں میں دڑاریں ڈالنے کا مُوجب ہوتے ہیں اور بعض ایسے خوش کن واقعات بھی سننے کو ملتے رہے جو ہمارے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔ جیسے ایک پڑھی لکھی ڈبل پی ایچ ڈی بچی کا رشتہ آیا۔ والد نے بچی سے پوچھا۔ بیٹی! لڑکا پڑھا لکھا اور شریف النفس ہے اور خاندان بھی جماعت کی خدمت کرنے والا ہے۔ لیکن لڑکے کی ٹانگ میں ذرا پیدائشی نقص ہے۔ کیا تم اس سے شادی کرنا پسند کرو گی۔ اس سعادت مند لڑکی نے جواباً اپنے والد کو کہا کہ اگر آپ کو پسند ہے تو مَیں راضی ہوں جہاں تک ٹانگ میں نقص کا تعلق ہے وہ تو شادی کے بعد بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اُدھر لڑکے کی والدہ نے بھی قولِ سدید سے کام لیتے ہوئے تعارف میں ہی بتا دیا تھا کہ میرے لڑکے کی ٹانگ میں پیدائشی طور پر نقص ہے گو چلتے ہوئے محسوس نہیں ہوتا۔

ہمارا ایشائی معاشرہ سچ اور جھوٹ کی ملونی سے بہت مجروح ہے۔ قولِ سدید سے متعلق کئی واقعات، کہاوتیں سبق دینے کے لئے معاشرہ میں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک بچی ہکلاتی تھی۔ اُس کے رشتہ پر ماں باپ نے اُسے کہا کہ آپ نے بولنا نہیں ہے۔ وہ سارا وقت خاموش رہی اور آخر پر اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر بولی کہ امی! مَیں تو نہیں تو ئی یعنی کُوئی۔ لوگ گونگی بچیوں کو دھوکے سے بیاہ دیتے ہیں۔ لاہور میں میرے بعض غیر از جماعت حضرات سے تعلقات تھے۔ ایک دفعہ شادی بیاہ کے موقع پر قولِ سدید پر بات شروع ہو گئی تو ایک غیر از جماعت صحافی دوست نے ایک واقعہ مبنی بر حقیقت سنایا کہ لڑکے والوں نے اپنے بچے کے کاروبار کا ذکر کرتے ہوئے لڑکی والوں سے کہا کہ اُس کی ٹِمبر کی دکان ہے۔ جب لڑکی والے دیکھنے گئے تو وہ گھنٹہ گھر فیصل آباد پر مسواکیں لگا کر بیٹھا تھا۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے رشتہ کی تلاش کے وقت تقویٰ کی نصیحت کے ساتھ قولِ سدید کی تلقین فرمائی اور ساتھ اِس کے نتائج اور انعامات کا ذکر بھی کیا۔

سامعین! قَوْلًا سَدِيْدًا کے الفاظ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں دو دفعہ استعمال فرمائے ہیں ۔ ایک تو سورۃ الاحزاب میں جس کا ذکر مَیں اوپر کر آیا ہوں۔ دوسرا ذکر سورۃ النساء آیت 10 میں ملتا ہے۔ جس میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی اولاد کے بارے میں یہ سوچیں کہ اُن کی وفات کے بعد اولاد کا کیا بنے گا وہ کمزور رہ گئے ہیں یا کمزور رہ جائیں گے ۔ انہیں چاہئے کہ وہ یتیموں کے متعلق سوچیں فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا کہ وہ اللہ سے ڈریں اور صاف سیدھی بات کریں۔ یعنی قرآن میں دونوں جگہ تقویٰ اختیار کرنے کے بعد صاف سیدھی بات کرنے کا ذکر ہے۔

جھوٹ ایک لعنت ہے جس کے نتائج بھی اچھے نہیں ہوتے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دربارِ رسولؐ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضورؐ! مَیں بہت سی بُرائیوں میں مبتلا ہوں۔ مَیں چوری بھی کرتا ہوں، مَیں شراب بھی پیتا ہوں اور مَیں زنا بھی کرلیتا ہوں۔ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ ترک کردو۔ وہ جھوٹ چھوڑنے کا عہد کرکے دربارِ رسولؐ سے روانہ ہوا۔ اُسی رات اُس شخص کو چوری کی عادت نے اُسے مجبور کیا تو یہ سوچ کر رُک گیا کہ اگر چوری کی تو یہ گناہ ہو گا اور اگر چوری کرنے کے بعد حضورؐ نے پوچھا تو اگر مَیں نے کہا نہیں کی تو یہ جھوٹ ہو گا۔ اِسی طرح اُس شخص نے شراب پینے یا زنا کرنے پر سوچا تو آہستہ آہستہ اُس کی تمام بُرائیاں جاتی رہیں اور جھوٹ بولنا بھی چھوڑ دیا۔ پس جھوٹ تمام گناہوں کا سردار ہے۔ اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور سچ بالخصوص قولِ سدید کو اپنانا چاہئے تا ہماری ترقیات کے راستے وا ہوتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور لقا کے راستے آسان ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اِسی امر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک اور مسئلہ جو آج کل عائلی مسئلہ رہتا ہے اور روزانہ کوئی نہ کوئی اس بارہ میں توجہ دلائی جاتی ہے بچیوں کی طرف سے کہ سسرال یا خاوند کی طرف سے ظلم یا زیادتی برداشت کررہی ہیں ۔ بعض دفعہ لڑکی کو لڑکے کے حالات نہیں بتائے جاتے یا ایسے غیر واضح اور ڈھکے چھپے الفاظ میں بتایا جاتا ہے کہ لڑکی یا لڑکی کے والدین اس کو معمولی چیز سمجھتے ہیں لیکن جب آپ بیچ میں جائیں تو ایسی بھیانک صورتحال ہوتی ہے کہ خوف آتا ہے۔ یہ بھی بات سامنے آئی ہے کہ بعض صورتوں میں جب اس قسم کی زیادتیاں ہوتی ہیں، جب لڑکی کے بحیثیت بہو اختیارات اس کے پاس آتے ہیں تو پھر وہ ساس پر بھی زیادتیاں کرجاتی ہے اور اس پر

ظلم شروع کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ ایک شیطانی چکر ہے جو ایسے خاندانوں میں جو تقویٰ سے کام نہیں لیتے جاری رہتا ہے۔ حالانکہ نکاح کے وقت جب ایجاب و قبول ہوتا ہے، تقویٰ اور قول سدید کے ذکر والی آیات پڑھ کر اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ ایسا جنت نظیر معاشرہ قائم کرو اور ایسا ماحول پیدا کرو کہ غیر بھی تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں۔ لیکن گو چند مثالیں ہی ہوں گی جماعت میں لیکن بہر حال دکھ اور تکلیف دہ مثالیں ہیں۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہر بات سے پہلے، ہر کام سے پہلے سوچ کہ اس کا انجام کیا ہو گا اور جو کام تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ خیال ہوتا ہے زیادتی کرنے والوں کا کہ ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ ہم گھر میں بیٹھے کسی کی لڑکی پر جو مرضی ظلم کرتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ تو پھر اگر یہ خیال دل میں رہے کہ اللہ تعالیٰ اگر دیکھ رہا ہے اور اللہ کو اس کی خبر ہے تو حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) فرماتے ہیں کہ ان بُرائیوں سے بچا جاسکتا ہے۔"

(الفضل انٹرنیشنل 18 جولائی 2003ء)

شادی کے وقت تلخی کی ایک وجہ سچائی کا نہ ہونا کے ضمن میں ایک موقع پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے بندے اور الٰہی جماعتیں جو ہیں انہوں نے تو اونچائی کی طرف جانا ہے اور ان سے تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ ان کے لئے ترقی کی منازل ہیں جو انہوں نے طے کرنی ہیں اور اوپر سے اوپر چلتے چلے جانا ہے۔ اُن میں اگر جھوٹ آجائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے نہیں رہتے جن پر اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے یا جن سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمانے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ پس احمدیوں کو اپنی گواہیوں میں بھی اور اپنے معاملات میں بھی جب پیش کرتے ہیں تو سو فیصد سچ سے کام لینا چاہئے۔ مثلاً عائلی معاملات ہیں۔ نکاح کے وقت اس گواہی کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا عہد کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم قول سدید سے کام لیں گے۔ سچ سے کام لیں گے۔ ایسا سچ بولیں گے جس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ جس سے کوئی اور مطلب بھی اخذ نہ کیا جاسکتا ہو۔ صاف ستھری بات ہو۔ لیکن شادی کے بعد لڑکی لڑکے سے غلط بیانی کرتی ہے اور

لڑکا لڑکی سے غلط بیانی کرتا ہے۔ دونوں کے سسرال والے ایک دوسرے سے غلط بیانی کر رہے ہوتے ہیں اور یوں ان رشتوں میں پھر دڑاریں پڑتی چلی جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ یہ ختم ہو جاتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 ستمبر 2009ء)

سامعین! میاں بیوی کے درمیان بے اعتمادی پیدا ہو جانے کی بہت بڑی وجہ کسی ایک فریق یا دونوں کا جھوٹ کی بدعادت میں مبتلا ہونا ہے۔ اس طرف توجہ دلاتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بہت سے جھگڑے خاوند بیوی کے اس لئے ہو رہے ہوتے ہیں کہ بے اعتمادی کا شکار ہوئے ہوتے ہیں۔ عورت کو شکوہ ہوتا ہے کہ مرد سچ نہیں بولتا۔ مرد کو شکوہ ہوتا ہے کہ عورت سچ نہیں بولتی اور اس کو سچ بولنے کی عادت ہی نہیں اور اکثر معاملات میں یہ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہوتے ہیں کہ میرے سے غلط بیانی سے کام لیا یا مستقل ہر بات میں غلط بیانی کرتے ہیں یا کرتی ہیں۔ پھر سچ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے بچوں پر بھی اثر پڑتا ہے اور بچے بھی جھوٹ بولنے کی عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔"

مزید فرمایا:

"پھر یہ بھی نصیحت ہے کہ اگر تم اس طرح سچ پر قائم رہو گے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کرتے رہو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری ان کوششوں کے نتیجہ میں تمہاری اصلاح کرتا رہے گا۔ تمہیں نیکیوں پر چلنے کی توفیق دیتا رہے گا۔ تمہارے گناہوں سے، تمہاری غلطیوں سے، صَرفِ نظر کرتے ہوئے تمہارے گھروں کو جنت نظیر بنا دے گا۔ سچ پر قائم رہنے کے بارے میں فرمایا ہے کہ سچ پر قائم رہ کر ہی ایک دوسرے پر اعتماد قائم ہوتا ہے اور سچ پر قائم رہ کر ہی آپس کے تعلقات کو اچھی طرح ادا کر سکتے ہو اور سچ پر قائم ہو کر ہی اپنی نسلوں کی صحیح تربیت کر سکتے ہو اور ان کو معاشرے کا ایک مفید وجود بنا سکتے ہو۔"

(الفضل انٹرنیشنل یکم مئی 2015ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿21﴾ ﴿مشاہدات۔948﴾

قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا

(خلاصہ خطبہ جمعہ حضورِ انور ایدہ اللہ فرمودہ 21/جون 2013ء)

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا۔ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا۔ (الاحزاب:71-72)

کیا ”راستی کی فتح“ نہیں وعدہ خدا
دیکھو تو کھول کر سخنِ پاک کبریا

معزز سامعین! مجھے آج قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا پر تقریر کرنی ہے۔ اِس عنوان پر یہ میری دوسری تقریر ہے۔ جس میں مَیں پیارے امامِ جماعت حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ جمعہ بعنوان ”قولِ سدید“ کا خلاصہ پیش کروں گا جو آپ نے مؤرخہ 21 جون 2013ء کو ارشاد فرمایا۔ حضور انور نے آغاز کرتے ہوئے فرمایا۔ اِن آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صاف سیدھی بات کیا کرو۔ وہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے یقیناً اُس نے ایک بڑی کامیابی کو پالیا۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ قولِ سدید اختیار کرو۔ صاف اور سیدھی بات کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں فرماتے ہیں کہ

قول سدید یہ ہے کہ "وہ بات منہ پر لاؤ جو بالکل راست اور نہایت معقولیت میں ہو اور لغو اور فضول اور جھوٹ کا اس میں سرِ مُو دخل نہ ہو۔" (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 209-210 حاشیہ نمبر 11)

پھر ایک جگہ آپؑ نے فرمایا کہ: "اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو! خدا سے ڈرو اور وہ باتیں کیا کرو جو سچی اور راست اور حق اور حکمت پر مبنی ہوں۔" (ست بچن، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 231)

پھر فرماتے ہیں کہ: "لغو باتیں مت کیا کرو۔ محل اور موقع کی بات کیا کرو۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 337)

ان تمام ارشادات میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائے ہیں، یہ واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کا حصول اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اُس وقت ممکن ہے جب ہر حالت میں، مشکل میں بھی اور آسانی میں بھی، فیصلہ کرتے ہوئے بھی، یعنی کسی کے ذمہ اگر کوئی فیصلہ لگایا گیا ہے اُس وقت فیصلہ کرتے ہوئے بھی اور گواہی دیتے ہوئے بھی، گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بات چیت اور معاملات میں بھی اور رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ معاملات میں بھی، کاروبار میں کوئی چیز خریدتے ہوئے بھی اور بیچتے ہوئے بھی، ملازمت میں اگر کوئی ملازم ہے کسی جگہ وہاں کام کرتے ہوئے، اپنی سچائی کو ہمیشہ قائم رکھو اور جس کے پاس ملازم ہو اُس کے ساتھ معاملات میں بھی سچائی کو قائم رکھو۔ غرض کہ روزمرہ کے ہر کام میں اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے منہ پر ایسی بات آئے جو بالکل سچ ہو۔ اُس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ یعنی ایسا ابہام جس سے ہر ایک اپنی مرضی کا مطلب نکال سکے۔ ایسی سچائی ہو کہ اگر اس سچائی سے اپنا نقصان بھی ہوتا ہو تو برداشت کر لو لیکن اپنی راستگوئی اور سچائی پر حرف نہ آنے دو۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ روزمرّہ کے معاملات میں اگر ذرا سی غلط بیانی ہو بھی جائے تو فرق نہیں پڑتا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرق پڑتا ہے، تمہارے تقویٰ کا معیار کم ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ تقویٰ کا معیار کم ہوتے ہوئے ایک وقت میں غلط بیانی اور جھوٹ کے قریب تک تمہیں لے جائے۔ یا سچائی سے انسان بالکل دور ہو جائے اور جھوٹ میں ڈوب جائے اور پھر خدا تعالیٰ سے دور ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وجہ سے کہ سچائی پر قائم نہیں ایک انسان ردّ کر دیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر مومن ہو تو تقویٰ سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ قولِ سدید پر قائم رہو۔

سامعین! حضور نے فرمایا کہ قولِ سدید کا یہ بھی معیار ہے کہ جو الفاظ منہ پر آئیں وہ معقولیت بھی رکھتے ہوں۔ یہ نہیں کہ جو اُول شلول ہم نے سچ بولنا ہے، ہم نے بول دینا ہے۔ بعض دفعہ بعض باتیں سچی بھی ہوتی ہیں لیکن ضروری نہیں کہ کہی بھی جائیں۔ وہ معقولیت کا درجہ نہیں رکھتیں۔ فتنہ اور فساد کا موجب بن جاتی ہیں۔ کسی کا راز دوسروں کو بتانے سے رشتوں میں دراڑیں پڑتی ہیں۔ تعلقات میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بھی ہے کہ ایک بات ایک موقع پر ایک جگہ پر معقول نہیں، لیکن دوسرے موقع اور جگہ پر یہ کرنی ضروری ہو جاتی ہے۔ مثلاً خلیفۂ وقت کے پاس بعض باتیں لائی جاتی ہیں جو اصلاح کے لئے ہوں۔ پس اگر ایسی بات ہو تو گو ہر جگہ کرنے والی یہ نہیں ہوتی لیکن یہاں آکر وہ معقولیت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ پس ایک ہی بات ایک جگہ فساد کا موجب ہے اور دوسری جگہ اصلاح کا موجب ہے۔

پھر معقولیت کی مزید وضاحت بھی فرما دی کہ کسی قسم کی لغو اور فضول بات قولِ سدید کے نام پر نہ ہو۔ بعض لوگ بات تو صحیح کر دیتے ہیں، اپنے زُعم میں اصلاح کے نام پر بات پہنچاتے ہیں لیکن اُس میں اپنی طرف سے وضاحت کے نام پر حاشیہ آرائی بھی کر دیتے ہیں۔ یہ پھر قولِ سدید نہیں رہتا بلکہ بعض حالات میں قولِ سدید کا خون ہو رہا ہوتا ہے۔ ایک صحیح بات ایک آدھ لفظ کی حاشیہ آرائی سے اصلاح کرنے والوں کے سامنے، یا بعض دفعہ اگر میرے سامنے بھی آرہی ہو تو حقیقت سے دُور لے جاتی ہے اور نتیجۃً اصلاح کا صحیح طریق اپنانے کے بجائے غلط طریق اپنایا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اصلاح کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً بعض دفعہ اصلاح نرمی سے سمجھانے یا صَرفِ نظر کرنے یا پھر معمولی سرزنش کرنے سے بھی ہو سکتی ہے لیکن ایک غلط لفظ فیصلہ کرنے والے کو سخت فیصلہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے جس سے بجائے اصلاح کے نقصان ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ حق کے ساتھ، سچائی کے ساتھ حکمت بھی مدّ نظر رہنی چاہئے۔ اگر حکمت ہو گی تو تبھی قولِ سدید بھی ہو گا اور حکمت یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح اور امن کا قیام ہر سطح پر ہو، یہ مقصود ہو نہ کہ فساد۔

پس اس حکمت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، موقع اور محل کی مناسبت سے بات ہونی چاہئے۔ یعنی ہر سچی بات حکمت کے بغیر اور موقع اور محل کو سامنے رکھے بغیر کرنا قولِ سدید نہیں ہے۔ یہ پھر لغویات اور فضولیات میں شمار ہو جائے گا اور یہ صورتِ حال بجائے ایک انسان کو خدا تعالیٰ کی

خوشنودی حاصل کرنے کے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بنا سکتی ہے۔ پس ایک مؤمن کو تقویٰ پر چلتے ہوئے قولِ سدید کی باریکیوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ تقویٰ کی باریکیوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر باریکی سے اس بات پر نظر ہو گی تو اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر پھر ایسے انسان پر پڑتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

"انسان کو دقائق تقویٰ کی رعایت رکھنی چاہئے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروانہ کرے تو پھر ایک دن وہی چھوٹی چھوٹی باتیں کبائر کا مرتکب بنادیں گی اور طبیعت میں کسل اور لاپروائی پیدا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ تم اپنے زیرِ نظر تقویٰ کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنا رکھو اور اس کے لئے دقائقِ تقویٰ کی رعایت ضروری ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 442 ایڈیشن 2003ء)

پھر ایک جگہ آپؑ نے فرمایا کہ:

"سچی خوشحالی اور راحت تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور تقویٰ پر قائم ہونا گویا زہر کا پیالہ پینا ہے۔ متقی کے لئے خدا تعالیٰ ساری راحتوں کے سامان مہیا کر دیتا ہے۔ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ۔ (الطلاق: 3۔4) پس خوشحالی کا اصول تقویٰ ہے۔ لیکن حصولِ تقویٰ کے لئے نہیں چاہئے کہ ہم شرطیں باندھتے پھریں۔ تقویٰ اختیار کرنے سے جو مانگو گے، ملے گا۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ تقویٰ اختیار کرو، جو چاہو گے وہ دے گا۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 90۔ ایڈیشن 2003ء)

بہر حال تقویٰ مدّ نظر ہو تو پھر آگے ہر کام انسان کا چلتا ہے، چاہے وہ سچائی ہے یا دوسرے اعمال ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے اور یہ قولِ سدید کا حکم تو ایسا ہے کہ اس پر معاشرے کے امن کی بنیاد ہے۔ معاشرے کی اصلاح کی بنیاد اس پر ہے۔ تبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح جو مرد اور عورت کے بندھن کا اسلامی اعلان ہے اور آئندہ نسل کے جاری ہونے کا ایک سلسلہ ہے، اس میں ان آیات کو شامل فرمایا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب خطبۃ النکاح حدیث 1892)۔ لیکن جیسا کہ مَیں نے کہا، اس کا دائرہ صرف گھر تک محدود نہیں ہے بلکہ پورے

معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سے معاشرے میں فساد بھی پیدا کیا جا سکتا ہے اور امن اور سلامتی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ پس اس پر جس طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے اُس طرح عمل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پھر اگلی آیت میں فرماتا ہے کہ تمہاری تقویٰ کی باریک راہوں کی تلاش کی کوشش، اور قولِ سدید کی جزئیات پر قائم رہنے کی کوشش تمہیں خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بنائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا۔ سچائی کے اختیار کرنے سے تمہارے سے پھر نیک اعمال ہی سرزد ہوں گے۔

سامعین! پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قولِ سدید کی وجہ سے تم لغو باتوں سے بھی پرہیز کرنے والے بن جاؤ گے۔ لغویات سے پرہیز بذاتِ خود پھر نیک اعمال کی طرف لے جاتا ہے۔ بُرائیوں سے دور کرتا ہے۔ ایک بڑی مشہور حدیث ہے۔ ہم اکثر سنتے ہیں۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کہ "آج تم یہ عہد کر لو کہ تم نے ہمیشہ سچائی پر قائم رہنا ہے، جھوٹ کبھی نہیں بولنا" اگر اس پر عمل کرتے رہے تو فائدہ ہو گا۔ تمہاری بُرائیاں چھوٹ جائیں گی۔ تو اس نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام چھوٹی بڑی بُرائیوں اور گناہوں سے چھٹکارا پا لیا۔ (التفسیر الکبیر لامام رازی جزء 16 صفحہ 176 تفسیر سورۃ التوبۃ زیر آیت نمبر 119)

اور جب انسان بُرائیوں اور گناہوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ کا وعدہ اور فعل اُس کو اعمال کے اصلاح کی توفیق دیتا ہے اور یوں وہ اُن لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جو اعمالِ صالحہ بجالانے والے ہیں۔ اور پھر یہی نہیں کہ جو نیک اعمال اب سرزد ہو رہے ہیں اُنہی کا اجر ہے، بلکہ تقویٰ پر چلنے والے، سچائی پر قائم ہونے والے اپنے گزشتہ گناہوں سے بھی اللہ تعالیٰ کی بخشش کروا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف تمہارے اعمال کی اصلاح نہیں ہو گی بلکہ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ۔ تمہارے گزشتہ گناہوں کو بھی اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے حکموں پر عمل کرتے رہے، تقویٰ پر قائم رہے، نیکیاں کرنے کی توفیق پاتے رہے، فتنہ و فساد سے بچے رہے، اُن تمام احکام پر عمل کرتے رہے جو اللہ تعالیٰ نے مومن کو حقیقی مومن بننے کے لئے دیئے ہیں، جن کے بارے میں ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکیداً اس طرح توجہ دلائی ہے کہ قرآنِ کریم کے سات سو حکموں پر عمل کرو گے تو حقیقی مومن کہلاؤ گے۔ (ماخوذ از کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 26)۔ اور حقیقی مؤمن

بننے کے نتیجہ میں آئندہ یہ گناہ بھی پھر معاف ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہ آئندہ گناہ انسان کرتا جائے اور خدا تعالیٰ معاف کرتا جائے گا، بلکہ نیک اعمال کی وجہ سے، اصلاحِ نفس کی وجہ سے گناہوں سے دُوری ہوتی چلی جائے گی۔ استغفار کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے گناہوں کے خلاف انسان کو طاقت ملتی ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُم'' تو اس کا یہی مطلب ہے کہ گزشتہ گناہوں سے بخشش اور آئندہ گناہوں کے خلاف طاقت ملتی ہے جس سے پھر اعمالِ صالحہ کا ایک جاری اور مسلسل عمل جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ فوزِ عظیم ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والا بن جائے۔

پس فوزِ عظیم کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی کامل اطاعت ضروری ہے۔ اپنی زندگی کو اللہ اور رسول کے حکموں کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔ اس پر عمل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ سے طاقت مانگنا ضروری ہے اور یہ طاقت استغفار سے ملتی ہے۔ جب یہ طاقت ملے گی تو پھر نیک اعمال بھی سرزد ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نیک اعمال کی طرف رہنمائی بھی فرماتا رہے گا اور پھر ایسے انسان کا اُن حقیقی مومنوں میں شمار ہو گا جو سچائی پر قائم رہنے والے اور سچائی کو پھیلانے والے ہوں گے۔ اُن لوگوں میں شمار ہو گا جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والے مومنین ہیں۔ پس تقویٰ فوزِ عظیم تک لے جاتا ہے اور فوزِ عظیم حاصل کرنے والے متقی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مومنو! اپنی زندگی کا یہ مقصد بناؤ اگر حقیقی مومن بننا ہے۔ پس یہ چیزیں ہیں جو ہمیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سامعین! حضور نے فرمایا کہ اب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اور اقتباسات پیش کروں گا جو سچائی کے اظہار کے بارے میں ہیں کہ کس طرح ہونا چاہئے، کیسے موقعوں پر ہونا چاہئے، اس کی مختلف حالتیں کیا ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ''اصل بات یہ ہے کہ فراست اچھی چیز ہے۔ انسان اندر ہی اندر سمجھ جاتا ہے کہ یہ سچا ہے۔ سچ میں ایک جرأت اور دلیری ہوتی ہے۔ جھوٹا انسان بزدل ہوتا ہے۔ وہ جس کی زندگی ناپاکی اور گندے گناہوں سے ملوث ہے، وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک صادق انسان کی طرح دلیری اور جرأت سے اپنی صداقت کا اظہار نہیں کر سکتا اور اپنی پاکدامنی کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ دنیوی معاملات میں ہی غور کر کے دیکھ لو کہ کون

ہے جس کو ذرا سی بھی خدا نے خوش حیثیتی عطا کی ہو اور اُس کے حاسد نہ ہوں۔ ہر خوش حیثیت کے حاسد ضرور ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی لگے رہتے ہیں۔ یہی حال دینی امور کا ہے۔ شیطان بھی اصلاح کا دشمن ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ اپنا حساب صاف رکھے اور خدا سے معاملہ درست رکھے۔ خدا کو راضی کرے، پھر کسی سے خوف نہ کھائے اور نہ کسی کی پرواکرے۔ ایسے معاملات سے پرہیز کرے جن سے خود ہی موردِ عذاب ہو جاوے۔ مگر یہ سب کچھ بھی تائیدِ غیبی اور توفیقِ الٰہی کے سوا نہیں ہو سکتا۔ انسان بہت کچھ کرتا ہے کہ مَیں یہ کر دوں گا، وہ کر دوں گا اور دینی معاملات میں تو بالکل ہی انسانی کوشش نہیں بنا سکتی۔ اللہ کا فضل ہو تو دین کی خدمت کی بھی توفیق ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا: ”صرف انسانی کوشش کچھ بنا نہیں سکتی جب تک خدا کا فضل بھی شاملِ حال نہ ہو۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفاً۔ (النساء:29) انسان ناتواں ہے، غلطیوں سے پُر ہے، مشکلات چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پس دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا کرے اور تائیداتِ غیبی اور فضل کے فیضان کا وارث بنادے۔“ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 543۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

پس ان باتوں کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے۔ دین میں بھی، دنیا میں بھی مشکلات آتی ہیں۔ ہر جگہ اگر سچائی پر قائم ہوگے، تقویٰ پر قائم ہوگے، اپنے اعمال پر نظر ہو گی تو یہ مشکلات بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے دور ہوتی چلی جائیں گی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ سچ کا اظہار مشکلات میں ڈال دیتا ہے۔ بعض دفعہ عملاً یہ بھی ہوتا ہے لیکن اگر اپنا ظاہر و باطن ایک ہو تو پھر ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مشکلات بھی غائب ہو جاتی ہیں اور یہ صرف دشمنوں کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ اپنوں سے بھی سچ کا اظہار مشکلات میں ڈال سکتا ہے کیونکہ اپنوں میں بھی کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ تقویٰ کی کمی ہوتی ہے۔ اس لئے انسان بعض دفعہ اپنوں سے بھی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً دنیا میں آجکل انتخابات ہو رہے ہیں۔ مجھے بعض شکایات آتی ہیں کہ ہم نے فلاں کو ووٹ دیا یا فلاں عہدیدار نے پوچھا کہ تم نے فلاں کو کیوں اپنی رائے دی، اُس کو ووٹ کیوں دیا؟ اب جماعتی انتخابات تو ایسے ہیں کہ ہر ایک آزاد ہے، کسی کو پوچھنے کا حق نہیں۔ اگر کسی نے سچائی سے اپنے خیال میں کسی کو بہتر سمجھتے ہوئے ووٹ دیا تو کسی عہدیدار کا حق نہیں بنتا کہ جا کے اُسے پوچھا جائے کہ تم نے کیوں فلاں کو دیا، فلاں کو کیوں دیا؟ یہی اگر انسان میں کمزوری ہو، اپنی بعض غلطیاں ہوں تو ایک

دفعہ یہ سچائی کا اظہار ہو جائے تو اگلی دفعہ پھر سچائی کا اظہار نہیں کرتا، کہیں میری غلطیاں اور کمزوریاں نہ پکڑی جائیں۔ یا تقویٰ کی کمی ہو، جیسے بعض لوگ اظہار کر دیتے ہیں کہ ہمیں فکر ہے کہ یہ عہدیدار پھر ہمارے خلاف اپنے دلوں میں رنجشیں نہ رکھیں۔ یہ تقویٰ کی کمی ہے، سچائی کی کمی ہے۔

پس ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر حق سمجھتے ہوئے کسی نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے تو پھر سچائی یہی ہے، تقویٰ یہی ہے کہ بے فکر رہے۔ ہاں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہو گا تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر بھی چل رہی ہوتی ہے اور ایسی رنجشیں رکھنے والوں کو خود بھی اللہ تعالیٰ بعض دفعہ پکڑتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جماعتی نظام کوئی ایسا ہے جس میں جس کا جو دل چاہے، کرتا چلا جائے۔ کہیں نہ کہیں کسی پکڑ میں انسان آ جاتا ہے۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ: ”اگرچہ عام نظر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے بھی قائل ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زبان سے تصدیق کرتے ہیں۔ بظاہر نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ روحانیت بالکل نہیں رہی اور دوسری طرف اُن اعمالِ صالحہ کے مخالف کام کرنا ہی شہادت دیتا ہے کہ وہ اعمال، اعمالِ صالحہ کے رنگ میں نہیں کئے جاتے بلکہ رسم اور عادت کے طور پر کئے جاتے ہیں کیونکہ ان میں اخلاص اور روحانیت کا شمّہ بھی نہیں ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ان اعمالِ صالحہ کے برکات اور انوار ساتھ نہیں ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک سچے دل سے اور روحانیت کے ساتھ یہ اعمال نہ ہوں کچھ فائدہ نہ ہو گا اور یہ اعمال کام نہ آئیں گے۔ اعمالِ صالحہ اُسی وقت اعمالِ صالحہ کہلاتے ہیں جب ان میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ صلاح کی ضد فساد ہے۔ صالح وہ ہے جو فساد سے مبرّا منزّہ ہو۔“ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 499۔ ایڈیشن 2003ء)

سامعین! اب چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی اگر جواب طلبیاں شروع ہو جائیں، لوگوں کو خوفزدہ کیا جانے لگے تو یہ بھی فساد کے زُمرہ میں آتا ہے۔ پس یہ انسان کو ہر وقت اپنے مدّ نظر رکھنا چاہئے، اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ اعمالِ صالحہ انہوں نے بجا لانے ہیں اور اعمالِ صالحہ یا اپنے اعمال کی اصلاح اُس وقت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے اور خدا تعالیٰ نے متقیوں کی یہ نشانی رکھی ہے، تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے والوں کی یہ نشانی رکھی ہے کہ ہر عمل، چاہے وہ نیک عمل ہو، عملِ صالح نہیں بن جاتا جبتک کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ

عملِ صالح نہ ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں عملِ صالح بنانے کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کی ضرورت ہے، اُس کے آگے جھکنے کی ضرورت ہے، استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں: ”انسان سمجھتا ہے کہ نرا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے یا نرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہہ دینا ہی کافی ہے۔ مگر یاد رکھو زبانی لاف و گزاف کافی نہیں ہے۔ خواہ انسان زبان سے ہزار مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہے یا سو مرتبہ تسبیح پڑھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ خدا نے انسان کو انسان بنایا ہے، طوطا نہیں بنایا۔ یہ طوطے کا کام ہے کہ وہ زبان سے تکرار کرتا رہے اور سمجھے خاک بھی نہیں۔ انسان کا کام تو یہ ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اس کو سوچ کر کہے اور پھر اس کے موافق عملدرآمد بھی کرے۔ لیکن اگر طوطے کی طرح بولتا جاتا ہے تو یاد رکھو! نری زبان سے کوئی برکت نہیں ہے۔ جب تک دل سے اس کے ساتھ نہ ہو اور اس کے موافق اعمال نہ ہوں وہ نری باتیں سمجھی جائیں گی جن میں کوئی خوبی اور برکت نہیں کیونکہ وہ نرا قول ہے خواہ قرآنِ شریف اور استغفار ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ خدا تعالیٰ اعمال چاہتا ہے۔ اس لیے بار بار یہی حکم دیا ہے کہ اعمالِ صالحہ کرو۔ جب تک یہ نہ ہو خدا کے نزدیک نہیں جا سکتے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ آج ہم نے دن بھر میں قرآن ختم کر لیا ہے۔ لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ نِری زبان سے تم نے کام لیا مگر باقی اعضاء کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعضاء اس لیے بنائے ہیں کہ ان سے کام لیا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے کیونکہ ان کی تلاوت نرا قول ہی قول ہوتا ہے اور اس پر عمل نہیں ہوتا۔“ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 611۔ ایڈیشن 2003ء)

پس اعمال کی اصلاح صرف ظاہری طور پر علم سے نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ اُس وقت اپنے وعدے کے مطابق اصلاح کرتا ہے جب سچائی کو سامنے رکھتے ہوئے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا خوف سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے کی کوشش ہو۔ جیسا کہ مَیں نے کہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت میں شامل ہونے کے لئے یا اپنی جماعت میں شامل ہونے والوں کی جو نشانی بتائی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے سات سو حکموں پر عمل کرتے ہیں۔ کسی علم اور کسی خاص مقام کے

ہونے کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا۔ پس ہمیں، ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اعمال کی طرف نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو اس تعلیم کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے موافق اپنا چال چلن نہیں بناتا ہے وہ ہنسی کرتا ہے کیونکہ پڑھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کا منشاء نہیں۔ وہ تو عمل چاہتا ہے۔ اگر کوئی ہر روز تعزیراتِ ہند کی تلاوت تو کرتا رہے مگر ان قوانین کی پابندی نہ کرے بلکہ ان جرائم کو کرتا رہے اور رشوت وغیرہ لیتا رہے تو ایسا شخص جس وقت پکڑا جاوے گا تو کیا اس کا یہ عذر قابل سماعت ہو گا کہ مَیں ہر روز تعزیرات کو پڑھا کرتا ہوں؟ یا اس کو زیادہ سزا ملے گی کہ تو نے باوجود علم کے پھر جرم کیا ہے۔ اس لیے ایک سال کی بجائے چار سال کی سزا ہونی چاہئے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 611۔ ایڈیشن 2003ء)

پھر آپؑ ایک جگہ فرماتے ہیں: ”غرض نری باتیں کام نہ آئیں گی۔ پس چاہئے کہ انسان پہلے اپنے آپ کو دکھ پہنچائے تا خدا تعالیٰ کو راضی کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں تخلّف نہیں ہوتا۔ اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ۔ (الرعد:18) یہ بالکل سچ ہے۔ عام طور پر بھی قاعدہ ہے کہ جو چیز نفع رساں ہو اس کو کوئی ضائع نہیں کرتا۔ یہانتک کہ کوئی گھوڑا بیل یا گائے، بکری اگر مفید ہو اور اس سے فائدہ پہنچتا ہو، کون ہے جو اس کو ذبح کر ڈالے لیکن جب وہ ناکارہ ہو جاتا ہے اور کسی کام نہیں آسکتا تو پھر اس کا آخری علاج ہی ذبح ہے۔ اسی طرح پر جب انسان خدا تعالیٰ کی نظر میں کسی کام کا نہیں رہتا اور اس کے وجود سے کوئی فائدہ دوسرے لوگوں کو نہیں ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا بلکہ خس کم جہاں پاک کے موافق اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔“ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 611-612۔ ایڈیشن 2003ء)

پس ہر ایک کو، ہر احمدی کو، ہر عہدیدار کو یہ سوچنا چاہئے کہ مَیں نے زیادہ سے زیادہ دوسرے کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے اور فائدہ پہنچانا ہی ہر ایک کے پیشِ نظر ہونا چاہئے۔ یہ اعزاز، یہ عہدہ، یہ خدمت کا فائدہ تبھی ہے جب دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی سوچ ہو، نیک نیتی ہو، اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ ہو اور سچائی پر قائم رہنے والا انسان ہو، تقویٰ پر چلنے والا ہو۔

فرمایا: ”غرض یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ نری لاف و گزاف اور زبانی قیل و قال کوئی فائدہ اور اثر نہیں رکھتی جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہ ہو اور ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء سے نیک عمل نہ کئے جاویں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف بھیج کر صحابہؓ سے خدمت لی۔ کیا انہوں نے صرف اسی قدر کافی سمجھا تھا کہ قرآن کو زبان سے پڑھ لیا یا اس پر عمل کرنا ضروری سمجھا تھا؟ انہوں نے تو یہاں تک اطاعت و وفاداری دکھائی کہ بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے اور پھر انہوں نے جو کچھ پایا اور خدا تعالیٰ نے ان کی جس قدر قدر کی وہ پوشیدہ بات نہیں ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 612۔ ایڈیشن 2003ء)

پس یہ اللہ تعالیٰ کی قدر ہے جس کی ہمیں تلاش کرنی چاہئے۔

آپؑ فرماتے ہیں: ”خدا تعالیٰ کے فضل اور فیضان کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ کرکے دکھاؤ ورنہ نکمّی شئے کی طرح تم پھینک دیئے جاؤ گے۔ کوئی آدمی اپنے گھر کی اچھی چیزوں اور سونے چاندی کو باہر نہیں پھینک دیتا بلکہ ان اشیاء کو اور تمام کار آمد اور قیمتی چیزوں کو سنبھال سنبھال کر رکھتے ہو۔ لیکن اگر گھر میں کوئی چوہا مرا ہوا دکھائی دے تو اس کو سب سے پہلے باہر پھینک دو گے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ہمیشہ عزیز رکھتا ہے۔ ان کی عمر دراز کرتا ہے اور ان کے کاروبار میں ایک برکت رکھ دیتا ہے۔ وہ ان کو ضائع نہیں کرتا اور بے عزتی کی موت نہیں مارتا۔ لیکن جو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کی بے حرمتی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمہاری قدر کرے تو اس کے واسطے ضروری ہے کہ تم نیک بن جاؤ تا خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل قدر ٹھہرو۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکموں کی پابندی کرتے ہیں وہ اُن میں اور اُن کے غیروں کے درمیان ایک فرقان رکھ دیتا ہے۔ یہی راز انسان کے برکت پانے کا ہے کہ وہ بدیوں سے بچتا رہے۔ ایسا شخص جہاں رہے وہ قابل قدر ہوتا ہے کیونکہ اس سے نیکی پہنچتی ہے۔ وہ غریبوں سے سلوک کرتا ہے، ہمسایوں پر رحم کرتا ہے، شرارت نہیں کرتا، جھوٹے مقدمات نہیں بناتا، جھوٹی گواہیاں نہیں دیتا، بلکہ دل کو پاک کرتا ہے اور خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور خدا کا ولی کہلاتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 612۔ ایڈیشن 2003ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے سچائی پر قائم رہنے والا بنائے۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے حکموں کی کامل اطاعت کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے۔ ہمیشہ ہمارے سے وہ اعمال سرزد ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو ہم جذب کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لئے اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے، ہم حقیقت میں اُس مقصد کو حاصل کرنے والے بھی ہوں اور آپ کے مددگار بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر ہمیشہ ہم پر رہے۔ (آمین)

۞۞۞۞

﴿22﴾ ﴿مشاہدات۔340﴾

رمضان اور جھوٹ سے اجتناب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:31)

ترجمہ: پس بتوں کی پلیدی سے احتراز کرو اور جھوٹ کہنے سے بچو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ

(بخاری کتاب الصوم)

کہ جو روزے کی حالت میں بھی جھوٹ بولتا ہے اور اس پر عمل کرنے سے نہیں بچتا تو اللہ تعالیٰ کو ہر گز اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

آج کے درس کا عنوان ہے **"رمضان اور جھوٹ سے اجتناب"**

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ زرّیں سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے روزے یا رمضان کے ساتھ بعض امور کو بیان فرمایا ہے جیسے روزے اور قرآن کو آپس میں لازم ملزوم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہیں دونوں بندے کے لئے سفارش کریں گے۔ اِسی طرح رمضان کے روزے کے ساتھ جھوٹ نہ بولنے کو باندھا۔

صحیح بخاری کی اس روایت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان میں اپنے بندے کو بھوکا پیاسا رکھ کر اسے اذیت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی اُسے ان کے بھوکا پیاسا رہنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ وہ چاہتا

ہے کہ بندہ جس طرح روزے کی حالت میں کھانا پینا چھوڑ تا ہے اسی طرح وہ برائیوں اور گناہوں سے بھی بچ کر رہے اور اپنے رب کے حکم کے مطابق ہی زندگی بسر کرے۔ یہ نہیں کہ اللہ کی خاطر حلال اور جائز چیزوں کو تو چھوڑ دے لیکن جو کام اللہ تعالیٰ نے منع فرمائے ہیں جیسے کہ جھوٹ، غیبت، نماز کا نہ پڑھنا، لوگوں کو تکلیف دینا وہ سب کرتا رہے تو یہ غلط ہے۔

قول الزور کا مطلب جھوٹ بولنا ہے۔ جھوٹ ایک بُری عادت ہے اور تمام بُرائیوں کی جڑ ہے جس کے سبب انسان نہ صرف اللہ کا ناپسندیدہ بندہ بن جاتا ہے بلکہ دنیا میں بھی بہت سی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ انسان اگر جھوٹ سے اجتناب کرے تو وہ دیگر بہت سی بُرائیوں سے بچ سکتا ہے۔ جھوٹ بولنے سے انسان ایک غیر واقع بات کا صرف قائل ہوتا ہے جب کہ جھوٹ پر عمل کرنے والا اس بُری بات کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز اس کی نہیں اور اس نے اس پر دعوی کر دیا اور اسے حاصل کرنے کے لیے بہت سے عملی اقدام کیے۔ ایک جھوٹ کو نبھانے کی خاطر اس کو سو جھوٹ بولنے پڑ جاتے ہیں اور اس کے گناہوں میں کئی گنا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس سے معاشرہ تباہ و برباد ہوتا ہے کیونکہ جھوٹ بولنے والے کو کوئی خوفِ خدا نہیں ہوتا وہ ہر قسم کے غلط کاموں میں حصہ لیتا ہے۔ ہر ایسی جگہ، ہر ایسی محفل میں بیٹھتا ہے جہاں غلط کام مختلف جھوٹ بول کر کیے جاتے ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ مختلف مواقع پر جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں جن سے دوستیاں اور رشتہ داریاں بھی ختم ہوتی ہیں۔ رشتے طے کرتے وقت جھوٹ بولے جاتے ہیں حالانکہ قرآن کریم رشتہ طے کرتے وقت سختی سے قول سدید کا حکم دیتا ہے۔ یورپین ممالک میں آکر اسائلم کے کیسز میں جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ویلفئیر لینے کے لیے کئی قسم کے جھوٹ بولے جاتے ہیں مثلاً نوکری نہ کرنی پڑے۔ اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرتے ہیں تاکہ گھر بیٹھے ویلفئیر ملتی رہے جبکہ کہیں اور کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم احمدی مسلمانوں کو جن کی تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کی تعلیم ہے جھوٹ سے شدید نفرت کا اظہار کرنا چاہیے نہ صرف رمضان میں بلکہ ہمیشہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت کرنے کے لیے دوسری شرط ہی یہ رکھی ہے کہ بیعت کنندہ جھوٹ سے اجتناب کرے گا۔ یاد رکھیں کہ اگر دوسری بُرائیوں کے بیج سے گناہ کا پودا جنم لیتا ہے تو جھوٹ اس پودے کے لیے پانی کا کام دیتا ہے۔

جھوٹ دراصل شرک اور بت پرستی ہی کی ایک قسم ہے اور شرک اور والدین کی نافرمانی کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن نے جھوٹ کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رِجس قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ (الحج:31)۔ دیکھو! یہاں جھوٹ کو بُت کے مقابل رکھا ہے اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بُت ہی ہے ورنہ کیوں کوئی سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسے بُت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بھی بجز ملمّع سازی کے اَور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہاں تک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اس میں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جائے تو جلدی سے دور نہیں ہوتا۔ مدّت تک ریاضت کریں تب جا کر سچ بولنے کی عادت ان کو ہو گی۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 350 ایڈیشن 1985ء)

ہمیں رمضان کے دنوں میں باقاعدگی سے اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کیا ہم نے اپنی بُری عادتیں چھوڑی اور کس حد تک چھوڑی ہیں خاص طور پر ان لوگوں کو جو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بعض دفعہ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں ان کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ انہوں نے ایک معمولی سی بات کے لیے جھوٹ بولا ہے جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

”اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔“

(روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 547-548)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسلمان شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مَیں بہت سی بُرائیوں میں مبتلا ہوں اور مَیں ان کو ایک دم چھوڑنے کی ہمت نہیں پاتا۔ آپؐ مجھے بتائیں کہ مَیں سب سے پہلے کس گناہ

کو چھوڑوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اس شخص نے آنحضورؐ سے جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کیا اور واپس آگیا۔ بعد میں جب بھی وہ کوئی غلط کام کرنے لگتا تو اسے خیال آتا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے اس فعل کا علم ہوا اور آپؐ نے مجھ سے پوچھا تو میں جھوٹ تو نہیں بول سکتا لہٰذا وہ اس کام کو کرنے سے باز رہا اور آہستہ آہستہ اس سوچ نے کہ مَیں نے جھوٹ نہیں بولنا اس کی برائیاں ختم ہو گئیں۔

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف اور جو انسان ہمیشہ سچ بولے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ گناہ اور فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم کی طرف اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذّاب لکھا جاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الادب)

لہٰذا ایک سچے مومن کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ اخلاقی گناہوں میں سب سے پہلے جھوٹ سے اجتناب کرے۔ ایسی جگہوں، ایسی محفلوں میں جانے سے گریز کرے جہاں جھوٹ بولنے والے لوگ موجود ہوں اگر ہم میں سے ہر ایک اس طرح جھوٹ سے بچے تو ایک ایسی تبدیلی وہ اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے جو حقیقی مومن بناتی ہے۔ رمضان میں انتہائی کوشش کر کے اس شرک سے اپنے آپ کو پاک کریں۔ سچائی کو قائم کریں اور جھوٹ سے نفرت کریں کیونکہ یہ خطرناک لعنت رمضان کی تمام برکات کو کھا جاتی اور روزے کے ثواب کو زائل کر دیتی ہے۔ کسی نے اِس کو ایسا تیزاب قرار دیا ہے جو سونے کو بھی گلا دیتا ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"روزہ ڈھال ہے۔ حفاظت کا ایک ایسا مضبوط ذریعہ ہے جس کے پیچھے چُھپ کر تم اپنے آپ کو شیطان کے حملوں سے محفوظ کر سکتے ہو...یہ قلعہ تو ہے لیکن اس ڈھال کے پیچھے اور اس قلعہ کے اندر کب تک اس قلعے میں حفاظت ہوتی رہے گی، کب تک محفوظ رہو گے......جب تک اس کو جھوٹ یا غیبت کے ذریعے سے پھاڑ نہیں دیتے۔ تو رمضان میں روزوں کی جو برکتیں ہیں اُسی وقت حاصل ہوں گی جب یہ چھوٹی

بُرائیاں بھی جو بعض بظاہر چھوٹی لگ رہی ہوتی ہیں، آدمی معمولی سمجھ رہا ہوتا ہے ہر قسم کی بُرائیاں بھی ختم نہیں کرتے۔ اُن میں بہت بڑی بُرائی جو ہے جس کو آدمی محسوس نہیں کرتا وہ جھوٹ ہے۔ اگر جھوٹ بول رہے ہو تو اس ڈھال کو پھاڑ دیتے ہو۔ لوگوں کی غیبت کر رہے ہو چُغلیاں کر رہے ہو، پیچھے بیٹھ کے ان کی باتیں کر رہے ہو تو یہ بھی تمہارے روزے کی ڈھال کو پھاڑنے والی ہیں۔ تو روزہ اگر تمام لَوازمات کے ساتھ رکھا جائے تو ڈھال بنے گا...... اللہ تعالیٰ ہمیں روزے کو تمام شرائط کے ساتھ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خاطر روزے رکھنے والے ہوں نہ کہ دنیا کے دکھاوے کے لئے‘‘

(خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 748-754)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ جھوٹ کے بارے میں مزید فرماتے ہیں:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار سے اگر کوئی لڑائی کرتا ہے تو وہ اُسے کہہ دے کہ مَیں روزہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم) اور جواب نہ دے تو یہ روزے کا حق ہے جو ادا کیا گیا ہے۔ لیکن اگر آگے سے بڑھ کر لڑائی کرنے والے کا جواب لڑائی سے دیا جائے تو یہ عملی جھوٹ ہے۔ اپنے کاموں میں اگر حق ادا نہیں کیا جا رہا تو یہ عملی جھوٹ ہے۔ دوسروں کے حق ادا نہیں کئے جا رہے تو یہ عملی جھوٹ ہے۔ خاوند کی اور بیوی کی لڑائیاں جاری ہیں اور اپنی طبیعتوں میں رمضان میں اس نیت سے تبدیلی پیدا نہیں کی جا رہی کہ ہم نے اب اس مہینہ کی وجہ سے اپنے تعلقات کو بہتری کی طرف لے جانا ہے اور آپس کے محبت پیار کے تعلق کو قائم کرنا ہے کہ رمضان میں خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ خود ہماری جزا بن جائے تو بیشک منہ سے یہ دعویٰ ہے کہ ہمارا روزہ ہے اور خدا تعالیٰ کی خاطر ہے لیکن عمل اسے جھوٹا ثابت کر رہا ہے۔ اور پھر عملی جھوٹ کی اَور بھی بہت ساری باتیں ہیں۔ انتہا اُس کی یہ بھی ہے کہ کاروباروں کو، اپنے دنیاوی مقاصد کو، اپنے دنیاوی مفادات کو روزے کے باوجود اپنی عبادات اور ذکرِ الٰہی اور نوافل کی ادائیگی اور قرآنِ کریم پڑھنے کی طرف توجہ پر فوقیت دی جائے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر بعض لوگ اپنے منافع کے لئے، دنیاوی فائدے کے لئے کاروباروں میں جھوٹ بولتے ہیں، گویا کہ خدا کے مقابلے پر جھوٹ کی اہمیت ہے۔ پس یہ عملی اور قولی جھوٹ شرک ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے روزے دار کا روزہ درحقیقت فاقہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کی کوئی

اہمیت نہیں۔ پس یقیناً رمضان انقلاب لانے کا باعث بنتا ہے۔ شیطان بھی اس میں جکڑا جاتا ہے۔ جنت بھی قریب کر دی جاتی ہے لیکن اُس کے لئے جو اپنی حالت میں پاک تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے ہر قول و فعل کو خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔ خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کرے۔ خدا تعالیٰ کی حکومت کو اپنے پر قائم کرنے کی کوشش کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت اور بخشش جو عام حالات کی نسبت کئی گنا بڑھ جاتی ہے اُس سے بھرپور فائدہ اُٹھائے اور اپنے نفس کے بتوں اور جھوٹے خداؤں کو جو لا محسوس طریق پر یا جانتے بوجھتے ہوئے بھی بعض دفعہ خدا تعالیٰ کے مقابلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اُڑا دے، جب یہ کوشش ہو تو پھر ایک انقلاب طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی حکومت کے لئے جہاں روزوں کے ساتھ عبادتوں کے معیار حاصل کرنا ضروری ہے، قرآنِ کریم کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا، اُس کی تلاوت کرنا، اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ وہاں ان عبادتوں کا اثر، قرآنِ کریم کے پڑھنے کا اثر، اپنی ظاہری حالتوں اور اخلاق پر ہونا بھی ضروری ہے تا کہ عملی سچائی ظاہر ہو۔"

(خطبہ جمعہ 27 جولائی 2012ء)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿23﴾ ﴿مشاہدات۔ 871﴾

اَلصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ (حضرت محمدؐ)

صدق میرا شفیع ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:5)

کہ یقیناً تو بہت بڑے خُلق پر فائز ہے۔

حسینان عالم ہوئے شرمگیں
جو دیکھا وہ حسن اور وہ نور جبیں
پھر اِس پر وہ اخلاق اکمل تریں
کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خلق کامل زہے حسن تام
عَلیکَ الصّلوٰۃُ عَلیکَ السّلام

معزز سامعین! مجھے آج آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بزبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اَلصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ کہ صدق میرا شفیع ہے پر روشنی ڈالنی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی سیرت کے حوالہ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَۃُ رَاسُ مَالِیْ وَالْعَقَلُ اَصْلُ دِیْنِیْ ، وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ، وَالثِّقَۃُ کَنْزِیْ ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجزُ فَخْرِیْ، وَالزُّھْدُ

حِرْفَتِیْ، وَالیَّقِیْنُ قُوَّتِی، وَالصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ، وَالطَّاعَۃُ حَسَبِیْ، وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ وَثَمْرَۃُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَمِّیْ لِاَجَلِ اُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

(الشِّفَاءِ لقاضی عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

کہ معرفت میرا سرمایہ ہے اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے اور محبت میری اساس ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے اور وثوق میرا خزانہ ہے اور غم میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر ہے اور زُہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا شفیع اور اطاعت میرا حسب، جہاد میرا خلق اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّ وجلّ کی طرف ہے۔

سامعین! یہ 20 اوصاف اور خوبیوں میں سے چودھویں نمبر پر صفت ہے۔ صدق، سچائی، راستی اور خلوص کو بولتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صدق کے علمبر دار تھے۔ اسی لئے معاشرہ میں "الصدوق" یعنی سب سے بڑا سچ بولنے والے مشہور تھے۔ آپؐ چونکہ سچ کو پسند کرتے تھے اور اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کے تحت آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کی فہرست بنائی جائے تو آپؐ کا سچ بولنا اِن اخلاق میں سے سر فہرست ہو گا اور آپؐ نے اِسی خلق کو اپنے لئے شفاعت کرنے والا بیان فرمایا ہے۔ دوسرے آپؐ شفیع الاُمَم اور شفیع محشر تو ہیں ہی۔

جہاں تک آپؐ کے صدق اور سچ بولنے کا تعلق ہے۔ آپؐ معاشرہ میں صدق، سچائی اور راست گفتاری اور صداقت شعاری میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ آپؐ کی دعویٰ نبوت سے قبل معاشرہ میں گزاری ہوئی اپنی پاک وصاف زندگی کو بھی اپنی صداقت کا نشان قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ یونس کی آیت 17 میں فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ کہہ کر آپؐ پر جھوٹ بولنے کی نفی کی گئی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ اِس آیت کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرک الزام لگاتے تھے کہ آپ نے خدا پر جھوٹ باندھتے ہوئے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا میں اس کی قطعیت سے تردید فرمائی گئی ہے کہ وہ رسول

جس کو تم صدوق اور امین کہا کرتے تھے دعویٰ سے پہلے چالیس سال کی عمر تک تو اُس نے کبھی کسی انسان پر بھی جھوٹ نہیں بولا، اب اچانک خدا پر کیسے جھوٹ بولنے لگ گیا؟"

(قرآن کریم اُردو ترجمہ صفحہ 336 از تشریحی نوٹ)

یہی وہ آیت ہے جس کو بنیاد بنا کر آپؐ کی صداقت اور سچائی ثابت کی جاسکتی ہے کہ جب یہ بچپن اور جوانی میں جھوٹ نہیں بولتا تھا اس کی زندگی صاف اور مطہّر تھی تو پھر بڑی عمر میں وہ کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ آپ "الصدوق" یعنی بے حد سچ بولنے والے مشہور تھے۔ کفّار یہ کہتے تھے کہ آپؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے کفّارِ مکہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر مَیں یہ کہوں کہ اِس پہاڑ (کوہِ صفا) کے عقب میں ایک چھپا لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مان لو گے۔ تمام کفّار بیک زباں ہو کر بولے کہ ضرور کیونکہ ہم نے کبھی آپؐ کو جھوٹ بولتے نہیں سُنا یا دیکھا۔ کہتے ہیں کہ انسان کے اخلاق کو جانچنا ہو تو اُس کے سب سے قریبی ساتھی بیوی یا بیوی کے لئے خاوند سے گواہی لی جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پہلی وحی ہوئی تو آپؐ بہت پریشان ہوئے تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو جن الفاظ میں تسلّی دی اُن میں سے ایک یہ تھا کہ آپؐ تو ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

(بخاری)

سامعین! آپؐ کے عزیز رشتہ دار بھی آپؐ کی سچائی کے قائل تھے۔ شعب ابی طالب کے زمانہ میں بنو ہاشم سے بائیکاٹ کا معاہدہ جو خانہ خدا میں لٹک رہا تھا۔ اُس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس معاہدہ میں ماسوائے لفظ "اللہ" کے تمام کو دیمک کھا گئی ہے۔ آپؐ نے جب یہ بات اپنے چچا ابو طالب کو بتائی تو انہوں نے پورے یقین کے ساتھ اپنے بھائیوں سے کہا کہ جا کر دیکھو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہتا ہے وہ ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور جب جا کر دیکھا تو اُسے دیمک چاٹ چکی تھی اور اللہ کا نام بچا ہوا تھا جس پر یہ معاہدہ ختم ہوا اور مسلمانوں کو سکھ کا سانس لینے کو ملی۔

(الوفا باحوال المصطفی لابن جوزی جلد اول صفحہ 152)

حضرت ابو بکرؓ جو بچپن سے آپؐ کے دوست تھے انہوں نے بغیر کسی گواہی کے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہا اور ایمان لے آئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

سامعین! اپنے اور بیگانے آپؐ کی صداقت کے قائل تھے۔ ابوسفیان سے ہرقل بادشاہ نے جب پوچھا کہ اُس مدعی نبی نے کبھی جھوٹ بولا ہے۔ ابوسفیان باوجود شدید معاند اور دشمن ہونے کے بے ساختہ بول اُٹھا کہ نہیں تب ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے کسی سے جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر کیا جھوٹ بولے گا۔

(بخاری کتاب بدء الوحی)

ابوجہل کہا کرتا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اُس تعلیم کو جھوٹا کہتے ہیں جو تم لائے ہو۔ جب بعض معاندین نے دارالندوہ میں آپؐ کے قتل کے منصوبے تیار کئے تو اُس میں ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ مشہور کر دیا جائے کہ وہ جھوٹا ہے تا قتل کرنے میں آسانی ہو تو جانی دشمن نضر بن حارث بے اختیار کہہ اٹھا کہ دیکھو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے درمیان جوان ہوا۔ اُس کے اخلاق اچھے ہیں۔ وہ معاشرہ میں سچا اور امین رہا۔ اب ادھیڑ عمر میں اُس نے کچھ کہا تو تم نے جھوٹا جھوٹا کہہ دیا۔ کوئی اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔

(سیرت نبویؐ لابن ھشام جلد اول صفحہ 480)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی اور صداقت شعاری کے حوالے سے اپنوں اور کفار کے بیانات اور گواہیاں جاننے کے بعد، یہود علماء اور یہود کے سرکردہ لوگوں کے بارے میں بھی سُن لیتے ہیں۔ سردار بنو قریظہ کعب بن اسعد نے بنو نضیر کے سردار حیّ بن اخطب کے ایک سوال پر کہا کہ ''مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صدق کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔''

(سیرت نبویہ لابن ہشام جلد اول صفحہ 220)

یہودی عالِم عبد اللہ بن سلام جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آمد پر آپؐ کو دیکھتے ہی کہا ''یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔''

(ابن ماجہ کتاب الاطعمہ)

کہتے ہیں کہ بیوی کی گواہی اپنے خاوند کے حق اور خاوند کی گواہی اپنی بیوی کے حق میں بہت مضبوط ہوتی ہے جو ردّ نہیں کی جاسکتی کیونکہ ہر دو ایک دوسرے کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے تو آپؐ کے متعلق جو گواہی دی وہ تو سچ بولنے کے علاوہ آپؐ کے تمام اخلاق کے بارہ میں

ہے۔ فرمایا۔ کَانَ خُلُقُه القُرآنَ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تو قرآن تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ ناپسندیدہ، قابلِ نفرین اور کوئی بات نہیں تھی اور جب آپؐ کو کسی شخص کی اس کمزوری کا علم ہوتا تو آپؐ اُس وقت تک اُس سے کھچے کھچے رہتے جب تک کہ وہ اپنی اس عادت سے توبہ نہ کر لیتا۔

(ابن سعد بحوالہ اسوۂ انسان کامل صفحہ 166)

آپؐ کے چچا ابو طالب کی گواہی دیکھیں۔ جب قریش کا ایک وفد ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کا بُرا بھلا کہتا ہے اِسے روکو تو ابو طالب نے اپنے انداز میں آپؐ کو منع بھی فرمایا لیکن ساتھ ہی قریش کے وفد سے مخاطب ہو کر کہا خدا کی قسم! مَیں نے آج تک کبھی اپنے بھتیجے کو اس کے قول میں جھوٹا نہیں پایا۔ یعنی یہ اپنی بات کا پکا اور سچا ہے اور اس پر قائم رہے گا اس حوالہ سے مَیں تمہاری کوئی مدد نہیں کر پاؤں گا۔

(بہیقی)

مکہ کے کفار نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو چھپانے کے لیے مختلف طریق اپنائے۔ ایک دفعہ یہ منصوبہ بنا کہ ہمیں یہ مشہور کر دینا چاہیے کہ محمدؐ جھوٹا ہے۔ جس پر آپؐ کا جانی دشمن نضر بن حارث بول اٹھا کہ دیکھو! محمد تمہارے درمیان جوان ہوا، وہ تم میں بڑھا، امین و صدوق کہلایا۔ تُم اُسے سچا کہتے رہے اب تمہاری یہ بات کون مانے گا۔ یہ جھوٹ بولتا ہے۔

(ابن ھشام)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مذاق میں بھی جھوٹ کو ناپسند فرماتے۔ ایک خاتون اپنے بچے کو آنحضورؐ سے ملانے کے لیے ساتھ لائی۔ وہ اپنے بچپنے میں اِدھر اُدھر کھیلنے لگا اور حضورؐ کی طرف توجہ نہ دی۔ جس پر اُس کی ماں نے لالچ دیتے ہوئے کہا کہ آؤ! میں تمہیں کھجور دوں گی۔ تب وہ بچہ دوڑتا ہوا آیا ماں نے اُسے کھجور بھی دی اور آنحضورؐ کی باتیں سننے لگا۔ حضورؐ نے ماں سے گفتگو کے دوران فرمایا کہ اگر تم اس بچے کو کھجور نہ دیتی تو تمہارا شمار جھوٹوں میں ہوتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہؓ سے کہا کہ میں تمہیں سب سے بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں۔ صحابہ نے عرض کی کہ کیوں نہیں یا رسول اللہؐ! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پوش پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے پہلے دو گناہ گنوائے جب جھوٹ کی باری آئی تو لیٹے ہوئے حضور بیٹھ گئے اور فرمایا اَلَا بِالزَّوِرِ۔ اَلَا بِالزَّوِرِ۔ اَلَا بِالزَّوِرِ۔ آپؐ کی آواز میں قدرے سختی تھی اور جھوٹ سے نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو زندگی بھر مزاح میں بھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ مزاح کرتے تھے مگر اس میں بھی صرف سچی بات کرتے تھے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا:

إِنِّي لَأَمْزَحُ وَلَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا یعنی میں مزاح ضرور کرتا ہوں اور اس میں بھی صرف سچی بات کرتا ہوں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح میں بھی جھوٹ بولنے سے منع کیا اور فرمایا:

”ہلاکت ہے اس کے لیے جو اس غرض سے جھوٹ بولے کہ اس سے لوگ ہنسیں۔ ہلاکت ہے اس کے لیے، ہلاکت ہے اس کے لیے۔“

(سنن أبی داؤد، الادب)

سامعین! خوشی کے موقع پر بعض دفعہ لوگ گفتگو میں بے احتیاطی برتتے ہیں اور فالتو اور غلط باتیں کر جاتے ہیں۔ آپؐ نے اس موقع پر بھی ہمیشہ سچ بولا اور صداقت کا دامن تھامے رکھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز سنتا تھا، اسے یاد کرنے کے ارادے سے لکھ لیتا تھا لیکن قریشیوں نے مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور کہا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیتا ہے جبکہ آپؐ تو ایک بشر ہیں اور غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں، چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا اور رسول کریمؐ کو یہ بات بتا دی۔ آپؐ نے فرمایا:

”تو لکھ، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔“

(سنن أبی داود، العلم)

ابن ہشام اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما نے السیرۃ النبویۃ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپؐ کے سامنے مشرکوں کا گشتی دستہ آگیا۔ انہوں نے پوچھا: تم کن سے ہو؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا: نَحْنُ مِنْ مَّاءٍ یعنی ہم پانی سے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا: یمن کے کئی قبائل ہیں، شاید ان میں سے ہوں اور آپ کا راستہ چھوڑ کر چل دیئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ یعنی ہم نے پانی سے ہر زندہ شے بنائی۔ (الانبیاء:31) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سچی بات کی۔ اہل علم کی زبان میں اسے تعریض (توریہ) کہتے ہیں اور یہ جھوٹ سے بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچائی کا دامن بھی نہیں چھوڑا اور دشمن سے بھی بچ گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" انبیاء وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کامل راستبازی کی قوی حجت پیش کر کے اپنے دشمنوں کو بھی الزام دیا جیسا کہ یہ الزام قرآن شریف میں ہے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود ہے جہاں فرمایا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سورۃ یونس الجزو 11 آیت نمبر 17) یعنی میں ایسا نہیں کہ جھوٹ بولوں اور افتراء کروں۔ دیکھو مَیں چالیس برس اس سے پہلے تم میں ہی رہتا رہا ہوں کیا کبھی تم نے میرا کوئی جھوٹ یا افتراء ثابت کیا؟ پھر کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں یعنی یہ سمجھ کہ جس نے کبھی آج تک کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولا وہ اب خدا پر کیوں جھوٹ بولنے لگا۔ غرض انبیاء کے واقعات عمری اور ان کی سلامت روشی ایسی بدیہی اور ثابت ہے کہ اگر سب باتوں کو چھوڑ کر ان کے واقعات کو ہی دیکھا جائے تو ان کی صداقت ان کے واقعات سے ہی روشن ہو رہی ہے۔ مثلاً اگر کوئی منصف اور عاقل ان تمام براہین اور دلائل صدق نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اس کتاب میں لکھی جائیں گی، قطع نظر کر کے محض ان کے حالات پر ہی غور کرے تو بلاشبہ انھیں حالات پر غور کرنے سے ان کے نبی صادق ہونے پر دل سے یقین کرے گا اور کیوں کر یقین نہ کرے وہ واقعات ہی ایسے کمال سچائی اور صفائی سے معطر ہیں کہ حق کے طالبوں کے دل بلا اختیار ان کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد اول صفحہ 108-107)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ان تمام گواہیوں کو سامنے رکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپؐ سچ بولنے والے اور خدا کے سچے نبی نہیں تھے۔ سوائے اس کے کہ جن کے دل، جن کے کان، جن کی آنکھوں پر مہر لگ چکی ہو، پردے پڑ چکے ہوں، اور کوئی نہیں جو یہ باتیں کر سکے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی سچ کو اور حق کو ظاہر کیا اور پھیلایا ہی نہیں بلکہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں بھی پیدا کیا۔ ان کے اندر بھی اس سچائی کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ اور اسی حق بات کہنے اور حق کہنے کی وجہ سے اور حق ماننے کی وجہ سے بہتوں کو شروع زمانے میں اپنی زندگیوں سے ہاتھ بھی دھونے پڑے۔ لیکن یہی ہے کہ ہمیشہ سچ کو سچ کہا۔ جیسا کہ مَیں نے کہا تھا کسی اعلیٰ تعلیم اور اس کے لانے والے کے اعلیٰ کردار کو جانچنے کے لئے اس شخص کی زندگی میں سچائی کے معیار بھی دیکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ معیار ہمیں حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سب سے بڑھ کر نظر آتے ہیں۔ آپؐ کی سچائی کا معیار بچپن اور جوانی میں بھی انتہائی بلند تھا۔ جس کی ہم نے مختلف واقعات میں گواہی دیکھی ہے۔ دشمن بھی باوجود آپؐ کی تعلیم اور خدا پر یقین نہ ہونے کے آپؐ کی طرف سے کوئی انذار کی بات سن کر، کوئی ڈرانے والی بات سن کر، خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے۔"

(خطبہ جمعہ 11 فروری 2005ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہم احمدی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق کی جماعت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہم نے یہ سچائی کا پیغام دنیا کو پہنچانا ہے، لیکن کس طرح؟ پہلے تو ہمیں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا ہو گا۔ انبیاء نے اپنی سچائی کی دلیل اپنی زندگی میں سچ کی مثالیں پیش کر کے دی کہ روزمرہ کے عام معاملات سے لے کر انتہائی معاملات تک کسی انسان سے تعلق میں، Dealing میں کبھی ہم نے جھوٹ نہیں بولا۔ پس یہ سچائی کا اظہار ہمیں بھی اپنی زندگیوں میں کرنا ہو گا۔ اور یہی کام ہے جو انبیاء کے ماننے والوں کا ہے کہ جس طرح انبیاء اپنی مثال دیتے ہیں اُن کے حقیقی ماننے والے بھی اپنی سچائی کو اس طرح خوبصورت کر کے پیش کریں کہ دنیا کو نظر آئے۔ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ پس اس اسوہ پر

چلتے ہوئے سچائی کے خُلق کو سب سے زیادہ ہمیں اپنانا ہو گا۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کو تبھی پورا کر سکتے ہیں جب اس خُلق کو اپنائیں گے۔ تبھی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن سچائی کے یہ معیار تبھی حاصل ہوں گے جب ہم ہر سطح پر خود اپنی زندگی کے ہر لمحے کو سچائی میں ڈھالیں گے۔ ہماری گھریلو زندگی سے لے کر ہماری باہر کی زندگی اور جو بھی ہمارا حلقہ اور ماحول ہے اُس میں ہماری سچائی ایک مثال ہو گی، تبھی ہماری باتوں میں بھی برکت ہو گی، تبھی ہمارے اخلاق اور سچائی دوسروں کو متأثر کر کے احمدیت اور اسلام کے قریب لائیں گے۔ پس اس کے لئے ہمیں ایک جدوجہد اور کوشش کرنی ہو گی۔ اپنے عملوں کو سچائی سے سجانا ہو گا۔ اگر ہم چھوٹے چھوٹے مالی فائدوں کے لئے جھوٹ کا سہارا لینے لگ گئے تو پھر ہماری باتوں کا کیا اثر ہو گا۔"

(خطبہ جمعہ 9 ستمبر 2011ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿24﴾ ﴿مشاہدات۔938﴾

معاشرتی اور اخلاقی زوال کے اسباب

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(التوبہ:115)

یعنی اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ ٹھہرادے بعد اس کے کہ انہیں ہدایت دے چکا ہو یہاں تک کہ اس نے اُن پر خوب کھول دیا ہو کہ وہ کس کس چیز سے پوری طرح بچیں۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے
پسند آتی ہے اس کو خاکساری
تذلل ہی رہِ درگاہِ باری
عجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ
کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ
بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

پیارے خدام بھائیو! مجھے آج آپ خدام بھائیوں کے سامنے ماحول میں معاشرتی اور اخلاقی زوال کے اسباب بیان کرنے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ بڑی تیزی سے اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے زوال پذیر ہے۔ معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا جارہا ہے۔ مذہبی منافرت عروج کو چھو رہی ہے۔ قتل وغارت اور لڑائی جھگڑا روز کا معمول بن کر رہ گیا ہے۔ کسی کی عزت دوسرے کے ہاتھ سے محفوظ نہیں۔ بالخصوص اسلامی معاشرہ اور ماحول میں اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہے۔ جھوٹ، گالی گلوچ، رشوت کا بازار گرم رہتا ہے۔ سود اسلف میں بد دیانتی عام ہے۔ مساجد جو امن وامان کی جاہ تھیں اب اپنے مخالف فرقوں کی مخالفت کی آماجگاہ بن گئیں ہیں۔ ہر جمعہ کے بعد مختلف مساجد سے جلوس بر آمد ہوتے اور سڑکوں پر سرکاری املاک کی توڑ پھوڑ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ جناب مودودی صاحب نے اسلامی فرقوں کی گراوٹ کا نقشہ یوں کھینچا تھا کہ ایک ہزار میں سے 999 اسلام سے نابلد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا عالَم ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ نے ایک جگہ اِس حالت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

"اسلام کی ویسی ہی نازک حالت ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک فارسی قصیدہ میں فرمایا ہے۔

ہر طرف کفر ست جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین"

سارے عالَم اسلام سے یہ پکار بلند ہو رہی ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو ترک کر دیا ہے اور مغربی تہذیب کے جال میں گرفتار ہوتی جارہی ہے۔ فواحش بڑھ رہے ہیں۔ ہر قسم کے جرائم اُن میں راہ پا رہے ہیں۔ ذرا اپنے ملک کے اخبارات کا مطالعہ کیجیے آپ کو تمام اخبار میں راعی اور رعایا کی تباہی کے کوائف کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ یہی اخبارات ترکی، ایران، عراق، عرب، مصر، شام وغیرہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کا نقشہ جب کھینچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا تمام جہاں کی بُرائیاں مسلمانوں میں آموجود ہوئی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ چار خصلتیں ہیں جس میں ہوں وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان خصلتوں میں سے ایک خصلت ہو اُس میں نفاق کی بھی ایک ہی خصلت ہو گی جب تک وہ اسے نہ چھوڑ دے۔ اُن خصلتوں میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر اُس کے پاس امانت رکھی

جائے تو وہ خیانت کرتا ہے اور دوسری بات یہ کہ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ جب عہد کرتا ہے تو عہد شکنی کرتا ہے اور چوتھی بات یہ کہ جب جھگڑتا ہے تو گالی بکتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان باب علامۃ المنافق)

سامعین! اگر ہم آج کے دور میں امانت کا ہی معیار دیکھ لیں تو دنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں اپنے مفاد کی خاطر بددیانتی کا رجحان نہ پایا جاتا ہو۔ عام روزمرہ زندگی میں بھی امانت میں خیانت کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑے بڑھتے چلے جارہے ہیں، کسی سے قرض لیا مگر واپس نہیں کیا، کسی سے کوئی چیز ادھار لی مگر واپس نہیں کی جس کی وجہ سے ایک تو اپنا اعتبار دوسرے شخص پر سے ختم کر دیا اور گناہگار علیحدہ ہوئے۔ مسلم ممالک کو ہی دیکھ لیں رشوت، بددیانتی حکومتی سطح پر بھی عام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی ایک نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ جو بات کرے گا اس میں جھوٹ کی ملاوٹ ہوگی۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت جھوٹ اور سچ کے اس فرق کو بھول بیٹھی ہے۔ جھوٹ کی وجہ سے کئی گھر تباہ ہو چکے ہیں۔ اپنے کاروبار میں، اپنے معاملات میں جھوٹ بول جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک جھوٹ بھی معمولی چیز ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی شرک کے برابر ٹھہرایا ہے۔ ناجائز حقوق لینے کے لئے یا کسی کا حق مارنے کے لئے جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اپنا حق لینے کے لیے یا یہ سمجھتے ہوئے کہ میرا حق ہے اور دوسرے کا حق مارنے کے لئے سچائی سے کام نہیں لیتے۔ عدالتوں میں بھی جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ عدل اور انصاف سے کام نہیں لیتے۔ اپنے بعض ذاتی مفادات کے لئے یا اپنی اناؤں کی تسکین کے لئے یا دلوں میں بغض و کینہ رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے بدلے لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی باتوں کی وجہ سے نہ گھروں کا امن و سکون قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی معاشرے کا امن اور سکون قائم رہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تیسری علامت یہ بتائی کہ جب عہد کرے تو اس کو ایفاء نہیں کرتا۔ بدعہدی کرتا ہے۔ دھوکہ دیتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد کو نبھانے اور امانتوں کے حقوق ادا کرنے میں سب سے زیادہ پابند اور خیال رکھنے والے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں جارہے تھے۔ آپؐ نے ایک ڈھیری پر ہاتھ ڈالا جو گندم کی تھی تو بیچ میں

آپ کو گیلی گندم نظر آئی۔ آپؐ نے کہا تم یہ دھوکہ دے رہے ہو اور ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں کئی واقعات ایسے ملتے ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؑ اپنے دوسروں سے کئے ہوئے وعدوں اور ان کی امانتوں کا بہت خیال فرماتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"آج کل دنیا میں یہی حالات ہیں۔ کاروباروں میں بدعہدی ہے۔ روزمرہ کے معاملات میں بدعہدی ہے۔ قومی سطح پر اتنی بدعہدی ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک تجارت کا معاہدہ کرتے ہیں اور اس میں اتنی خیانت اور بدعہدی ہے کہ تصور سے باہر ہے۔ کسی نے مجھے بتایا بلکہ ایک کاروبار کرنے والے نے ہی بتایا کہ پاکستان سے ہم جو اچھا باسمتی چاول دنیا کو بھیجتے ہیں اُس کے درمیان میں ہم نے ایک ایسا طریقہ رکھا ہوا ہے جس میں اِری جو باسمتی چاول نہیں ہوتا، موٹے چاول کی ایک قسم ہے لیکن اتنا موٹا بھی نہیں ہوتا 'وہ اس طریقے سے ڈالتے ہیں کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور یہ کوئی پرواہ نہیں کہ اگر پتہ لگ جاتا ہے تو اس سے ان کی تجارت پر بھی اثر پڑے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک کی بدنامی ہوگی۔ پھر اسی طرح اور بہت سے کام ہیں جو کئے جاتے ہیں۔ یعنی یہ صرف بدعہدی نہیں ہے بلکہ خیانت بھی ہے، جھوٹ بھی ہے۔ صرف چار پیسے کمانے کے لئے یہ بدعہدی کر رہے ہوتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 4 فروری 2011ء)

سامعین! میرے خیال سے معاشرتی اور اخلاقی زوال کے اسباب میں سے ایک سبب غصّہ ہے کہ ہم لوگ غصّے پر قابو نہیں پاتے غصّہ کنٹرول نہیں کرتے۔ اپنے غصّے پر قابو پانے کے حوالے سے ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی لڑنے میں غالب ہو جائے بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو غصّہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے۔ بے قابو نہ ہو جائے۔"

(صحیح بخاری حدیث نمبر 6114)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت پر توجہ نہ دینے کے نتیجے میں بہت دردناک واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ خاندان تباہ ہو جاتے ہیں لمبا عرصہ جیلوں میں گزارنا پڑتا ہے غرضکہ بہت ہی بُری حالتیں پیدا ہو جاتی

ہیں بس ایک اس نصیحت پر عمل نہ کرنے یا اس کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے کہ ایک انسان اپنے غصّے پر قابو نہ پا سکے۔ جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ جب لڑتا ہے تو گالی گلوچ کرتا ہے اور عموماً گالی گلوچ انسان غصّے کی حالت میں ہی کرتا ہے۔ اس گالی گلوچ کے نتیجہ میں چھوٹی سی بات بڑھ جاتی ہے جس کا انجام بعض اوقات قتل و غارت گری کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ اس لیے غصّے سے بچنا چاہیے۔

ایک اور حدیث ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

”جب تم میں سے کسی کو غصّہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے اگر بیٹھنے سے غصّہ چلا جائے (تو ٹھیک ہے) ورنہ اس کو چاہئے کہ لیٹ جائے۔“

(ترمذی۔ ابوداؤد)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ

حد سے زیادہ غصّہ عقل کو کھا جاتا ہے اور حد سے زیادہ نرمی بزدلی کی علامت ہے۔ اسی لیے ہمیں اعتدال اور میانہ روی سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اُمتِ وسط بنایا کہ جو اخلاق اور اعمال اور عقائد کے اعتبار سے متوسّط اور معتدل ہے اس فرمان میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ ”کاموں میں سے بہترین کام وہ ہے جس میں میانہ روی ہو“

اسی طرح عدم برداشت کے نتیجہ میں اور ہمارے تلخ رویوں کی وجہ سے معاشرے میں دن بدن بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اخلاقیات کا تقریباً جنازہ نکل چکا ہے، اکثر لوگوں میں برداشت کا مادہ ہی نہیں رہا، لڑائی جھگڑے دن بدن بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں جو معاشرے میں خرابی کا باعث بن رہے ہیں اور ہم اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ جون ایلیا کے بقول

اب نہیں کوئی بات خطرے کی
اب سبھی کو سبھی سے خطرہ ہے

گویا کہ انتہا پسندی، مادیت پرستی عروج پر ہے معاشرے میں یہ سب بگاڑ انسانیت کی بنیادی تعلیم پر عمل نہ کرنے اور اسلامی تعلیم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

سامعین! ایک چیز جو انسان کو جانوروں سے جدا کرتی ہے وہ ہے احساس جو کہ ہمارے معاشرے سے بالکل ختم ہو چکا ہے۔ احساس کیا ہے؟ دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنا احساس ہے لیکن ہمارا معاشرہ بے حس ہو چکا ہے دوسروں کی تکلیف دور کرنا تو درکنار اب لوگ بڑھ چڑھ کر دوسروں کو تکلیف اور دکھ دینا اولین فرض سمجھتے ہیں دوسروں کے معاملات میں جان بوجھ کر ٹانگ اڑاتے ہیں۔

انسان کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے لیکن اشرف المخلوقات یہ تب ہی کہلائے گا کہ اس کے شر سے تمام مخلوق محفوظ ہو پھر یہ حقیقی رنگ میں اشرف المخلوقات بننے کا حقدار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُ النَّاسِ مَنْ نَّفَعَ النَّاسَ یعنی لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔

خیالِ خِدمتِ خَلْقِ خُدا جو رکھتے ہیں
کَرم خُدا کا اُنہیں دستیاب ہوتا ہے

سامعین! آج کل کے دور میں بہت سی بُرائیاں میڈیا کی وجہ سے بھی پیدا ہو رہی ہیں جو کہ معاشرتی اور اخلاقی زوال کا باعث بھی بنتی ہیں۔ گھروں میں ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل فون کا بے جا استعمال ان بُرائیوں کا سبب بنتا چلا جا رہا ہے۔ ان چیزوں کے ذریعہ دنیا کی چمک دمک، پیسے کا استعمال اور اس کا دکھاوا، مختلف قسم کی فضول رسمیں اور مختلف قسم کی بُرائیاں جو مغربی معاشرے میں بُرائیاں نہیں کہلاتیں لیکن اسلامی تعلیم میں وہ بُرائیاں ہیں، اخلاق سے دور لے جانے والی ہیں اور اگر ان سے نہ بچا جائے تو یہ ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کرتی ہیں۔ بچے کئی قسم کی گیمز جن میں شرائط بھی لگائی جاتی ہیں جوئے کی لت میں پڑ جاتے ہیں، مختلف شرائط پوری کرنے کے لیے ہر طرح کا غلط کام کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہ نہ ہی تفریح ہے، نہ آزادی بلکہ تفریح اور آزادی کے نام پر آگ کے گڑھے ہیں۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے بے پردگی

بڑھتی جارہی ہے جو کہ کئی اخلاقی بُرائیوں کو جنم دیتی ہے۔ ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بچیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”دس بارہ سال کی عمر کی لڑکیوں سے لے کے نوجوان لڑکیوں تک کے لئے جو ٹی وی اور انٹرنیٹ ہے یہ آج کل لغویات میں شامل ہو چکا ہے۔ اگر آپ لوگ سارا دن ایسے پروگرام دیکھ رہی ہیں جس میں کوئی تربیت نہیں ہے تو یہ لغویات ہے۔ انٹرنیٹ جو ہے، اُس میں بعض دفعہ ایسی جگہوں پر چلی جاتی ہیں جہاں سے پھر آپ واپس نہیں آسکتیں اور بے حیائی پھیلتی چلی جاتی ہے ....اس لئے انٹرنیٹ وغیرہ سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ بھی ذہنوں کو زہریلا کرنے کے لئے انٹرنیٹ پر بہت سارے پروگرام ہیں۔ ٹی وی پر بے حیائی کے بہت سارے پروگرام ہیں۔ ایسے چینل والدین کو بھی بلاک کر کے رکھنے چاہئیں جو بچوں کے ذہنوں پر گندے اثر ڈالتے ہوں۔“

(خطاب بر موقع سالانہ اجتماع لجنہ اماءاللہ جرمنی 17، ستمبر 2011ء)

سامعین! یہ سب شیطان کے حملے ہیں جن سے بچنا بہت ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کو شیطان کے حملوں سے بچانے کی کس قدر فکر ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنے صحابہ کو شیطان سے بچنے کی یہ دعا سکھائی جو کہ ہمیں بھی ہر وقت کرتے رہنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے اللہ! ہمارے دلوں میں محبت پیدا کر دے۔ ہماری اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نجات دے کر نور کی طرف لے جا اور ہمیں ظاہر اور باطن فواحش سے بچا اور ہمارے لئے ہمارے کانوں میں، ہماری آنکھوں میں، ہماری بیویوں میں اور ہماری اولادوں میں برکت رکھ دے اور ہم پر رجوع برحمت ہو۔ یقیناً تُو ہی توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر کرنے والا اور ان کا ذکر خیر کرنے والا اور ان کو قبول کرنے والا بنا اور اے اللہ! ہم پر نعمتیں مکمل فرما۔“

(سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب التشھد حدیث 969)

سامعینِ کرام! میرے لیے سب سے اہم میری موت ہے کہ مَیں نے ایک دن مر جانا ہے اور خدا کو جواب دینا ہے۔ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ ہم سب نے ایک دن مرنا ہے اور بھی اہم یہ ہے کہ مرنے کے بعد خدا کو جواب دینا ہے۔ خدا پوچھے گا تم نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا اس کی بنیاد پر سزا اور جزا ہو گی۔ دنیا ایک امتحان ہے۔

ہمیں اپنی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان اسلامی تعلیمات پر جو قرآن وحدیث میں بیان کردہ ہیں ان پر سختی سے عمل کریں اسی میں ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ کرے کہ ہم اس پر عمل کرنے والے ہوں۔ آمین

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قوموں کا زوال ہمیشہ اُس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ خود ساختہ معیاروں کو سامنے رکھتے ہیں، جب وہ ہوا وہوس میں گرفتار ہو جاتے ہیں، جب وہ بنیادی مقصد کو بھول جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے گزشتہ انبیاء کا ذکر کر کے ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ سابقہ قوموں نے جب اپنی تعلیم کو بھلا دیا، جب اپنے مقصد سے روگردانی کرنی شروع کر دی تو پھر یا تو وہ تباہ ہو گئیں یا اُن میں اتنا بگاڑ پیدا ہو گیا کہ اصل تعلیم کی جگہ بدعات اور لغویات اُن میں رائج ہو گئیں جو روحانی اور اخلاقی تباہی ہے۔ بُرائیاں ان کی نظر میں اچھائیاں بن گئیں۔ پاکیزگی اور حیا اُن کی نظر میں فرسودہ تعلیم بن گئی۔ مذہب کی خود ساختہ تشریحات ہونے لگیں۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی تعلیم کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ انبیاء کی تعلیم کے نام پر غلط اور اپنی مرضی کی تعلیم اُن کتب کا حصہ بنا دی گئی جو انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کا تقدس بھی باقی نہیں رہا اور نہ ہی انبیاء کا اور روحانی لحاظ سے وہ مردہ ہو گئیں۔ یہی حال آپ دیکھیں آج کل مغرب میں بسنے والی قوموں کا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام سے پہلے کے اور جتنے بھی مذہب اپنے آپ کو کسی سے منسوب کرتے ہیں اُن کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمانوں پر خدا تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے اپنے وعدے کے مطابق اس آخری شرعی کتاب کی حفاظت فرمائی..... اور پھر آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو بھیجا، مہدی معہود کو بھیجا اور آج ہم سب احمدی اس مسیح موعود کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے ہیں، اُس شخص کا ہاتھ بٹانے کا دعویٰ

کرنے والے ہیں جو ایمان کو ثریا سے زمین پر لایا۔ اُس امام سے منسوب ہونے والے ہیں جس نے دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حالت میں دنیا کے کونے کونے میں قائم کرنے کا عہد کیا ہے اور جس کی جماعت نے اس عہد کو پورا کرنا ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4 فروری 2011ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں یہاں چند ایک برائیوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جس نے باوجود اس کے کہ دلوں میں نیکی موجود ہے لیکن پھر بھی بعض احمدیوں کے دلوں میں بھی یہ برائیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور نیکی اور برائی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ اگر برائیاں بڑھتی رہیں یا قائم رہیں تو نیکیوں کو نکال دیتی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے دلوں میں نیکیوں کے قدم مضبوط ہوں اور برائیوں کو باہر نکالیں تاکہ تزکیہ قلب حقیقی رنگ میں ہو۔ ان برائیوں میں سے ایک حسد ہے۔ ایک جھوٹ ہے۔ پھر قرض لینے کی عادت ہے اور قرض نہ واپس کرنے کی عادت ہے۔ تو آجکل کے معاشرے میں ان باتوں نے بہت سے مسائل پیدا کئے ہوئے ہیں، اس لئے ان کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ حسد سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دعا سکھائی ہے کہ یہ دعا کرو: وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق:6) کہ حاسد کے حسد سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ جب ایک مومن خود بچنے کی دعا کرے گا تو پھر ایک پاک دل مومن یہ بھی کوشش کرے گا کہ دوسرے سے حسد کرنے سے بھی بچے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح آگ ایندھن اور گھاس کو بھسم کر دیتی ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحسد حدیث نمبر 4903 وسنن ابن ماجہ ابواب الزھد باب الحسد حدیث نمبر 4210)

نیکیاں جو ہیں وہ حسد سے بالکل ختم ہو جاتی ہیں جل کے راکھ ہو جاتی ہیں۔ پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، بے رخی اور بے تعلقی اختیار نہ کرو باہمی تعلقات نہ توڑو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر

رہو، کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے اور اس سے قطع تعلق کرے۔ (مسند احمد جلد نمبر 4 مسند انس بن مالك حدیث نمبر 13084 عالم الکتب بیروت لبنان 1998ء)

یہ چیزیں ہیں جو دلوں میں پاکیزگی پیدا کرتی ہیں۔ دلوں کی پاکیزگی اگر قائم رکھنی ہے۔ اگر اپنی عبادات سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ اس مزکیٰ کی تعلیم سے فائدہ اٹھانا ہے تو حسد سے بچنے کی ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے۔

اگر ہر شخص اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کرنے کا عہد کرے تو حسد پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض بظاہر بڑے اچھے نظر آنے والے جو لوگ ہیں ان میں بھی دوسروں کے لئے حسد ہوتا ہے جس کی آگ میں وہ آپ بھی جل رہے ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جتنا وقت ایسے لوگ حسد کرنے اور چالاکیوں کے سوچنے میں لگاتے ہیں کہ دوسروں کو کس طرح نقصان پہنچایا جائے اتنا وقت اگر وہ تعمیری سوچ میں لگائیں، دعاؤں میں لگائیں تو شاید حسد سے بچنے اور مسابقت کی روح کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان لوگوں سے زیادہ آگے بڑھادے اور جلدی آگے بڑھادے۔

پھر دوسری بات جھوٹ ہے۔ اس بارے میں بھی میں اکثر کہتا رہتا ہوں۔ ہر قسم کی غلط بیانی سے بچنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جھوٹ بھی شرک کے قریب کر دیتا ہے۔ پس اس سے بچنا بھی ایک مومن کے لئے، ایک ایسے شخص کے لئے جو اپنا تزکیہ کرنا چاہتا ہو انتہائی ضروری ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں سچ اختیار کرنا چاہئے کیونکہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔ انسان سچ بولتا ہے اور سوچ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق کہلاتا ہے۔ صدیق لکھا جاتا ہے۔ ہمیں جھوٹ سے بچنا چاہئے کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کا باعث بن جاتا ہے اور فسق وفجور سیدھا آگ کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذّاب یعنی جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب باب قول اللہ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا ... حدیث نمبر 6094)

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا۔ جی حضور ضرور بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپؐ تکیے کا سہارا لئے ہوئے تھے جوش میں آکر بیٹھ گئے اور بڑے زور سے فرمایا دیکھو! تیسرا بڑا گناہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔ آپؐ نے اس بات کو اتنی دفعہ دہرایا کہ ہم نے چاہا کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ (صحیح بخاری کتاب الشھادات باب ما قیل فی شھادۃ الزور حدیث نمبر 2654)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہیں تھا کہ ان کی امت میں سے ہو کر اس مزکّی کی طرف منسوب ہو کر پھر آگ میں پڑنے والا ہو اور اس تصور نے ہی آپؐ کو بے چین کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس لعنت سے ہمیشہ بچنے کی توفیق دے اور اپنے دلوں کا حقیقی تزکیہ کرنے والا بنائے۔

تیسری بات جو آجکل کا مسئلہ بن کر سامنے آرہی ہے جیسا کہ میں نے کہا وہ قرضوں کی واپسی ہے۔ لوگ ضرورت ہو تو قرض لے لیتے ہیں مگر واپسی پر بہت لیت و لعل سے کام لیتے ہیں۔ قرض لینے سے پہلے جس شخص سے قرض مانگا جا رہا ہو۔ اس سے زیادہ نیک اور پر خلوص دل رکھنے والا اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ نیکیوں اور خوبیوں کا وہ مالک ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کی طرف سے واپسی کا مطالبہ ہوتا ہے تو اس سے زیادہ خبیث اور بد دماغ اور ظالم شخص کوئی نہیں ہوتا۔ تو مومن کا تو یہ شیوہ نہیں ہے۔ پاک دل کی خواہش رکھنے والوں کا تو یہ شیوہ نہیں ہے۔ اس عظیم رسول اور مزکی کی طرف منسوب ہونے والوں کا تو یہ شیوہ نہیں ہے۔ پس ہمیں وہی راستے اختیار کرنے چاہئیں جو اس مزکّی نے اپنے اسوہ کے طور پر ہمارے سامنے پیش فرمائے۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ سے قرض ادا کرنے کا تقاضا کیا اور بڑی گستاخی سے پیش آیا۔ آپ کے صحابہؓ کو بڑا غصہ آیا اور اسے ڈانٹنے لگے۔ حضور نے فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو کیونکہ جس نے لینا ہو وہ کچھ نہ کچھ کہنے کا بھی حق رکھتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اسے اس عمر کا جانور دے دو جس عمر کا اس نے وصول کرنا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس وقت تو اس سے بڑی عمر کا جانور موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہی دے دو کیونکہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنا قرض زیادہ عمدہ اور اچھی صورت میں ادا کرتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ فی قضاء الدیون حدیث نمبر 2305)

پس یہ ہے اسوہ جس کے مطابق قرض ادا کرنے والے کو قرض ادا کرنا چاہئے۔ ہاں اگر حالات ایسے ہوں کہ قرض ادا نہ کر سکیں تو پھر احسن رنگ میں مہلت مانگ لینی چاہیے یا پھر کوئی ضمانت دینی چاہیے۔ اور ایک مومن قرض دینے والے کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ مہلت کی یہ بات مان لے اور ضمانت مان لے تا کہ معاشرے سے فتنہ وفساد ختم ہو۔ دونوں طرف کے دلوں کی رنجشیں اور کدورتیں دور ہوں اور پاک دل رہیں اور یہی اخلاق ہیں جو معاشرے میں دلوں کی پاکیزگی کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم رسول اور مزکّی کی تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم ان لوگوں میں شامل ہوں جن کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی (الاعلیٰ: 15)۔ یعنی وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیں پاک لوگوں میں شمار کرتا رہے۔ آمین"

(خطبہ جمعہ 25/ جنوری 2008ء)

(بتعاون: عمیر احمد باجوہ)

﴿25﴾ ﴿مشاہدات۔633﴾

رحمان خدا اور اُس کے بندے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:64)

کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو (جواباً) کہتے ہیں "سلام"۔

میں اپنے پیاروں کی نسبت
ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پہ راضی ہوں
اور اُن کی نگاہ رہے نیچی
وہ ادنیٰ ادنیٰ خواہش کو
مقصود بنائے بیٹھے ہوں
میدانِ عمل کا نام بھی لو
تو جھینپتے ہوں گھبراتے ہوں

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سورۃ الفرقان کی آیات 62 تا 78 میں بیان اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور اُس کے بندوں کی خصوصیات اور عادات و علامات سے متعلق ہے۔ خاکسار نے جس آیت کی تلاوت کی ہے۔ اس کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو مومنوں کے لئے ایک بڑا عظیم مضمون سامنے آتا ہے۔ آغاز کی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے جن عنایات کا ذکر فرمایا ہے وہ صفت "رحمان" کے زُمرے میں آتی ہیں اور لکھا ہے کہ اُسی نے آسمان میں بُرج بنا کر آسمان میں ایک روشن چراغ یعنی سورج اور ایک چمکتا ہوا چاند بنایا اور پھر رات دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے والا بنایا۔

رحمان صفت کے تحت ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کی سہولیات اور ضروریات کے لئے زمین و آسمان بنائے۔ پھر بُرج بنا کر سورج و چاند بنا کر روشنی اور گرمائش وغیرہ مہیا فرمائے۔ نیز رات اور دن کو پھیر کر انسان کے ضرورتوں کو پورا فرمایا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے اُس کے بغیر مانگے مہیا فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے حوالے سے سورۃ الفرقان کے تعارفی نوٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ

"اِسی طرح عباد الرحمن کی علامات بیان فرماتے ہوئے سورت کے آخر پر یہ ذکر فرمایا ہے کہ جس طرح آسمان پر بارہ بُرج ہیں۔ اِسی طرح تیرے (یعنی حضرت محمدؐ کے) بعد بارہ مجدد دین تیرے دین کے دفاع کے لئے پیدا ہوں گے اور پھر تیرے (یعنی حضرت محمدؐ کے) نور سے کامل روشنی پانے والا چودھویں کا چاند بھی آئے گا۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 612)

پیارے سامعین! سورۃ الفرقان کے اِس آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بہت ہی لطیف مضمون بیان فرمایا ہے۔ جو ازدیادِ ایمان کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخری رکوع کی پہلی دو آیات میں جہاں اپنی مخلوق کے لئے عنایات کا ذکر کیا ہے اور 12 بُرج کے بعد چاند کا ذکر ہے جو یہ کُل 13 بنتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اوپر کے حوالہ میں اِس کے مقابل پر 12 مجدّدِین کے ذکر کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے فیض پانے والے چودھویں کے چاند کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ تعداد بھی 13 ہی بنتی ہے۔ ان دو آیات کے بعد عِبادُ الرحمن کے الفاظ میں اِن کی علامات، عادات اور خصائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے اکثر مفسّرین نے اِن علامات کی تعداد بھی 13 ہی بیان فرمائی ہے۔ گو بعض مفسّرین اِن علامات کو تقسیم کر کے 15 تک لے جاتے ہیں۔

سامعین! آئیں! اب تقریر کے مقررہ وقت کے اندر رہتے ہوئے اختصار کے ساتھ ان 13 علامات اور خصائل کا اختصار سے ذکر کیا جائے۔ پہلی علامات یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کہ الفاظ میں بیان ہوئی ہے جس کے معانی یہ ہیں کہ یہ لوگ زمین پر فروتنی اور انکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور ساتھ ہی فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:64) کہ جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں "سلام" یعنی

وہ ہر بات پر جہالت کے پیش نظر نہ لڑتے ہیں اور جھگڑتے ہیں۔ معاشرہ میں امن کو قائم رکھتے ہوئے وہ مدّمقابل کو سلامتی کی دُعا دیتے ہیں۔ چونکہ اِس علامت کا تعلق بھی انکساری اور فروتنی سے ہے اِس لئے اس تمام کو علامات نمبر 1 کہا جاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی تکبّر ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ پھر اِسی حدیث میں آگے چل کر تکبّر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ تکبّر دراصل وہ ہے جو حق کا انکار کرے، لوگوں کو ذلیل سمجھے، اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے اور اُن سے بُری طرح پیش آئے۔

(مسلم کتاب الایمان)

جہاں تک عجز و انکساری کا تعلق ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی زیادہ کوئی تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُتنا ہی اُسے بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

(مسلم کتاب البرّ والصلۃ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”ہر فیصلہ اِن کا اعتدال پر ہوتا ہے۔ بلاوجہ کی سختی اور غصّہ ان کی طبیعت میں نہیں ہوتا جو کہ پھر بعض اوقات تکبّر تک لے جاتا ہے اور بلاوجہ کا ٹھہراؤ بھی ان کی طبیعت میں نہیں ہوتا کہ ان سے بے غیرتی اور مداہنت کا اظہار ہوتا ہے۔“

سامعین! ایک علامت رحمٰن کے بندوں کی ان الفاظ میں بیان فرمائی وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (الفرقان:65) کہ عِبادُالرحمٰن اپنے رب کے سامنے راتیں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الفتح آیت 30 میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کہ تُو اِن صحابہ کو جو عِبادُالرحمٰن کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے پائے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔ راتوں کو اُٹھ کر قیام کرنا

اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا رکوع و سجود کرنا رحمان خدا کو بہت پسندیدہ ہے۔ مومنوں کو صحابہ کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی دَورِ آخر میں ایمان لانے والوں کے لئے انجیل کی مثال دی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کی تشریح میں فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے۔

"جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں دورِ آخرین میں آنے والے مسیح اور اس کے ماننے والوں کا تعلق ہے ان کی مثال انجیل میں ایسی روئیدگی کے ساتھ دی گئی ہے جو بتدریج بڑھتی ہے اور اپنے ڈنٹھل پر مضبوط ہو جاتی ہے اور اس کو دیکھ کر اس کو بونے والے یعنی خدمتِ دین میں حصہ لینے والے بہت خوش ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں کفار کو اُن پر اور بھی زیادہ غصہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لائیں گے اور اس سے مغفرت چاہیں گے عظیم مغفرت کی اور اجر کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 928)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح و شام اور رات کے کچھ حصّے میں بذریعہ نوافل اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔

(بخاری کتاب الایمان)

پھر فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اُس دن اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ ویسے تو یہ ساتوں آدمی عِبادُ الرحمن ہیں لیکن خصوصی طور پر اِن میں سے دو خصوصیات رکھنے والے واضح طور پر عِبادُ الرحمن کی ان 13 صفات میں سے ہیں جن میں ایک یہ ہیں کہ وہ مخلص جس نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی محبت اور خشیت سے اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور پانچویں نمبر پر اس پاکباز مرد کا ذکر ہے جس کو خوبصورت اور بااقتدار عورت نے بدی کے لئے بلایا لیکن اُس نے کہا کہ مَیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اس کا تعلق بھی عبادُ الرحمن کی علامت وَلَا يَزْنُوْنَ سے ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 165-166)

سامعین! اِس سے اگلی علامت یا عبادُ الرحمن کی خصوصیت کا نام لیں تو وہ ایک دُعا ہے جس کا وہ ورد کثرت سے کرتے ہیں اور وہ دُعا یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان:66-67) یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! ہم سے جہنم کا عذاب ٹال دے یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ یقیناً وہ عارضی ٹھکانے کے طور پر بھی بہت بُری ہے اور مستقل ٹھکانے کے طور پر بھی۔

اس علامت میں خدا تعالیٰ کا خوف ذہن میں لا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو۔ ہمیں جنت نصیب ہو جہاں عِبادُ الرحمن سے ملاقات رہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کی علامت ہوں۔ اس اہم دُعا کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کثرت سے توجہ دلا چکے ہیں۔ ہمیں اس دُعا کو صبح وشام چلتے پھرتے پڑھنا چاہئے تا جہنم کی آگ سے بچائے جائیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جہنم سے دونوں جہنم مراد ہیں، اُخروی جہنم بھی جو گناہوں کی پاداش میں ملے گی اور اس دنیا کی جہنم بھی جو بعض بُرے کاموں کے یا غلطیوں کے بدنتائج کی صورت میں ملتی ہے۔ پس عِبادُ الرحمن کا کام ہے کہ ہر وقت توبہ اور استغفار کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کی ذلتوں سے بچائے۔ ہر قسم کی دنیاوی مشکلات کی جہنم سے بچائے۔ دنیا کی چمک اور توجہات اور ترجیحات کا غلام نہ بنائے کہ یہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ سے دُور لے جا کر پھر اخروی جہنم میں پڑنے کا باعث بناتی ہیں۔ پھر یہ کہ اولاد کی طرف سے بھی ہماری فکریں دُور ہوں اور ان کی وجہ سے بھی ہم اپنے اندر دل میں بے چینی کی آگ میں نہ جلتے رہیں۔“

سامعین! عبادالرحمن کی دو علامات سورۃ الفرقان کی آیت 68 میں یوں بیان ہوئی ہیں:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا جس کا ترجمہ یہ کہ وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو اِسراف نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ اس کے درمیان اعتدال ہوتا ہے۔

یعنی یہ اللہ کے ایسے نیک اور مخلص بندے ہیں تو اپنے گھریلو اور دیگر معاملات میں فضول خرچی یا بے جا اخراجات نہیں کرتے اور نہ ہی اخراجات میں بخل اور کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ اپنے اخراجات میں میانہ روی اور اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اخراجات میں میانہ روی اور اعتدال نصف معیشت ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 730-731)

اور جہاں تک بخل اور حرص کا تعلق ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا مومنوں کو بخل اور حرص سے منع فرمایا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ بخل، حرص اور کینہ ایسا عیب ہے جس نے پہلوں کو ہلاک و برباد کیا۔

(حدیقہ الصالحین صفحہ 830)

سامعین! ایک علامت عِبادُ الرحمن کی اِن الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ (الفرقان:69) کہ وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ اللہ کے بندوں کی یہ خوبی ایسی خوبی ہے جس پر اسلام مذہب کی بنیاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک سے بچاؤ کے لئے جہاں مومنوں کو انتباہ فرمایا وہاں خود اپنے عمل سے شرک سے نفرت کی تعلیم دی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”شرک خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک نہیں۔ عِبادُ الرحمن کے ساتھ جو شرک کو مخصوص کیا گیا ہے تو یہ صرف ظاہری شرک نہیں کہ بتوں کی پوجا کی جائے بلکہ شرک خفی سے بھی بچتے ہیں۔ ان کی عبادتوں اور دوسرے حقوق کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق ہوتی ہے اور بڑی باریکی سے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اِن کی کوئی حرکت اور اِن کا کوئی عمل کسی قسم کے شرک خفی کا باعث نہ بنے۔“

سامعین! اِسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عِبادُ الرحمن کی مزید دو علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ اوّل۔ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور دوم زنا نہیں کرتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃُ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کے دن سے تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں تم پر حرام اور قابلِ احترام ہیں۔ دیکھو! میرے بعد دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اُڑانے لگ جاؤ۔

(مسلم کتاب القیامۃ)

پھر فرمایا۔ انسان کی بدبختی کے لئے یہی کافی ہے وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام اور اُس کے لئے واجب الاحترام ہے۔

(مسلم کتاب البرّ والصلة)

ایک جگہ فرمایا۔ جس نے ایک شخص کو بلاوجہ قتل کیا اُس نے ساری امت کو قتل کیا۔ رحمان خدا کے بندوں کے اوصاف کی بات ہو رہی ہے۔ حضورؐ نے رحمان خدا کے حوالے سے فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمان خدا رحم کرے گا۔ تم اہل زمین پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

(ابوداؤد کتاب الادب)

سامعین! جہاں تک زنا کرنے اور اِس سے بچنے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے حیائی سے بچنے کی بارہا تعلیم دی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہؓ کو اِس بُرائی سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ آپؐ نے ایک مومن کو اجنبی اور پردہ دار عورتوں کے پاس جانے سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ پھر آپؐ نے کیا ہی درد سے صحابہؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ میری ساری امت کو معافی مل جائے گی لیکن کھلم کھلا گناہ کرنے والے بے حیاؤں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

(بخاری کتاب الادب)

اور سب سے بڑھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو اسلام کا خصوصی خُلق قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر دین و مذہب کا ایک اپنا خاص خُلق ہوتا ہے اور اسلام کا خاص خُلق حیا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 767-768)

فارسی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

کہ جب حیا اٹھ جائے تو پھر انسان جو چاہے کرے۔

سامعین! ان تین علامات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے عذاب کا ذکر فرمایا ہے جو ان خصوصیات کے حامل نہیں اور پھر توبہ کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے والوں پر رحمان خدا کے رحم کرنے کا

ذکر ہے۔ یہ بھی ایک علامت ہے عبادُ الرحمن کی کہ وہ غلطی کرنے کے بعد توبہ و استغفار کرتے اور اعمال صالحہ بجالانے کا عہد کرتے ہیں۔

سامعین! سورۃ الفرقان آیت 73 میں پھر دو خصوصیات کا ذکر ہے اوّل لَا یَشۡھَدُوۡنَ الزُّوۡرَ کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے دوم وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا كِرَامًا کہ جب وہ لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزرتے ہیں۔ مَیں ایک حدیث آپ حاضرین کے سامنے پیش کرنے جارہا ہوں۔ جس میں حضورؐ نے چار بڑے گناہ گنوائے ہیں۔ جن میں سے تین کا تعلق عِبادُ الرحمن کی خصوصیات سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، کسی کا ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ ایک روایت میں یَمِینِ غَموس یعنی ایسی جھوٹی قسم جس کے ذریعہ انسان کسی مسلمان کا حق مارے سے منع فرمایا۔

(بخاری کتاب الایمان)

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الٰہی جماعتیں جو ہیں انہوں نے تو اونچائی کی طرف جانا ہے اور ان سے تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ ان کے لئے ترقی کی منازل ہیں جو انہوں نے طے کرنی ہیں اور اوپر سے اوپر چلتے چلے جانا ہے۔ اُن میں اگر جھوٹ آ جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے نہیں رہتے جن پر اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے یا جن سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمانے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ پس احمدیوں کو اپنی گواہیوں میں بھی اور اپنے معاملات میں بھی جب پیش کرتے ہیں تو سو فیصد سچ سے کام لینا چاہئے۔"

سامعین! جہاں تک لغویات سے بچنے کا تعلق ہے۔ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔ ہر ایسی بات لغو ہے جو ایک مومن کا وقت ضائع کرتی ہے اور اللہ سے دُور لے جاتی ہے۔ عِبادُ الرحمن کا رجحان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے اور وہ دنیا کی ایسی لغویات سے پرہیز کرتے ہیں۔

حاضرین کرام! اب مزید دو علامات کا ذکر کرنا باقی رہ گیا ہے اُن میں سے ایک آیت 74 میں یوں ذکر ہے کہ وہ لوگ کہ جب انہیں اُن کے رب کی آیات یاد کروائی جاتی ہیں تو اِن پر وہ بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ یعنی سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ مکمل اطاعت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اِن میں وہی نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں جو صحابہ رسولؐ کے اندر موجود تھے۔ جن کا مطمع نظر یہ ارشاد رسولؐ ہمیشہ

سامنے رہتا تھا کہ سنو! اطاعت کو اپنا شعار بناؤ خواہ ایک حبشی غلام کو ہی کیوں نہ تمہارا افسر مقرر کر دیا جائے۔

(بخاری کتاب الاحکام)

اور آخری تیرھویں خصوصیت پھر ایک دُعا کا ذکر ہے کہ عبادُ الرحمن اُسے پڑھتے رہتے ہیں۔ جو یہ ہے: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (سورة الفرقان:75) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں اپنے جیون ساتھیوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنادے۔

سامعین! یہ ایسی دُعا ہے جو ایک مومن اور عبدِ رحمن کے گھر کو جنت نظیر بناتی ہے اگر اِس دُعا سے ہر عبدِ رحمن کے گھر جنت کا نظارہ پیش کرنے لگ جائیں تو تمام جماعت ایسے اعمال بجالانے والی ہو جائے گی کہ ہم عبادُ الرحمن بن کر جنت میں داخل ہوں گے اور متقین کے امام بن کر دوسروں کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ جب ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے تو پھر خَالِدِیْنِ فِیْھَا کے تحت اُس میں مستقل رہنے والے ہوں گے۔ آخر پر اللہ تعالیٰ نے دُعا کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ اگر تم دُعا نہ کرو گے عبادُ الرحمن بننے کے لئے تو پھر اللہ کو بھی آپ کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

”آئندہ نسلوں کی بقا کے لئے یہ نہایت اہم نسخہ ہے کہ جہاں ظاہری تدبیریں اور کوششیں ہو رہی ہیں جو اپنی اولاد کی دینی و دنیوی ترقیات کے لئے ایک انسان کرتا ہے وہاں دعا بھی ہو کیونکہ اصل ذات تو خدا تعالیٰ کی ہے جو اچھے نتائج پیدا فرماتا ہے۔“

سامعین! آخر پر مَیں عبادُ الرحمن بننے کے لئے ایک مثال دینا چاہتا ہوں۔ ہمیں بنک کی طرف سے ماہانہ یا سہ ماہی بیلنس شیٹ آتی ہے جس میں کریڈیٹ اور ڈیبیٹ اور پلس، مائنس درج ہونے کے بعد بیلنس درج ہوتا ہے۔ یہ کریڈٹ اور ڈیبیٹ انسان کے اعمال ہیں۔ انسان کے نیک اعمال اس میں جمع ہوتے رہیں تو بیلنس پلس میں جائے گا۔ یہی عبادُ الرحمن کا نچوڑ ہے جس کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"خدا کے حقیقی عبد قرآن کریم کے حوالے سے جو نصائح کی جائیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی روحانیت کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس عباد الرحمن بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کی نیک نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ نہ دیکھیں کہ کون کہہ رہا ہے۔ یہ دیکھیں کہ جو بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کی جارہی ہے اس پر عمل کرنا ہے۔ ورنہ عمل نہ کرنا انسان کے لئے ٹھوکر کا باعث بن سکتا ہے۔"

مَیں اپنی تقریر کا اختتام حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ایک فرمان پر کرنا چاہتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"یہ علامات قرآن شریف میں دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ بعض وہ علامات ہیں جو بندہ کے کمال تقویٰ اور کمال اخلاص اور حسن اعتقاد اور حسن اقتداء اور حسن عمل کے متعلق ہیں اور بعض وہ علامات ہیں جو خدا تعالیٰ کے فضل اور اکرام اور انعام کے متعلق ہیں یہ دونوں قسم کے علامات جس بندہ میں صحیح اور واقعی طور پر پائے جائیں گے وہ بلاشبہ عِبادُ الرحمٰن میں سے ہوگا اور سب سے زیادہ جو خدا نے علامت رکھی ہے وہ یہ ہے جو مومن اور غیر مومن میں خدا نے ایک فرقان رکھا ہے اور مومن کامل مقابلہ کے وقت اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور اُس کی نصرت اور مدد کی جاتی ہے اور نیز یہ کہ مومن کامل کو بصیرت کامل بخشی جاتی ہے اور سب سے زیادہ معرفت کا حصہ بخشا جاتا ہے اور نیز یہ کہ اس کا تقویٰ معمولی انسانوں کے تقویٰ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اُس کے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے مقابل پر اپنے وجود کو بھی گناہ میں داخل سمجھتا ہے اور نیستی کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اُس کا کچھ بھی نہیں رہتا بلکہ سب خدا کا ہو جاتا ہے اور اُس کی راہ میں فدا ہونے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جن پر ہمیشہ اللہ کے فضل نازل ہوتے ہیں۔ آمین

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿26﴾ ﴿مشاہدات۔963﴾

اسلامی مطمح نظر

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ:149)

سنو	ہے	حاصل	اسلام	تقویٰ
خدا	کا	عشق	مے	اور	جام	تقویٰ

سامعین کرام! اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مسلمان اور مومنوں کے لئے ایک مطمح نظر کا ذکر فرمایا ہے۔ جسے اسلامی مطمح نظر کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہی آج کی تقریر کا عنوان ہے۔ اِس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ آیت 149 میں کیا ہے جس کی تلاوت مَیں تقریر کے آغاز پر کر آیا ہوں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے مطمح نظر کو مسابقت فی الخیر کا نام دیا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیا ہے:

خیر و بھلائی کی ہر قسم میں سبقت کرو اور زور مار کر سب سے آگے چلو۔

(مجموعہ اشتہارات جلد پنجم صفحہ 75)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اِس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں:

اے مسلمانو! تم نیکیوں کی طرف دوڑو پھر ایک جگہ ترجمہ فرمایا کہ تم نیکیوں کی توجہ میں پیش دستی کرو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیر صغیر میں اِس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے:

ہر ایک (شخص) کا ایک (نہ ایک) مطمح نظر ہوتا ہے جسے وہ (اپنے آپ پر) مسلّط کرلیتا ہے۔ سو (تمہارا مطمح نظر یہ ہو کہ) تم نیکیوں (کے حصول) میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم جہاں کہیں (بھی) ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کرکے لے آئے گا۔ اللہ یقیناً ہر ایک امر پر پورا (پورا) قادر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اِس کا ترجمہ جو کیا وہ یہ ہے:

ہر ایک کے لئے ایک مطمح نظر ہے جس کی طرف وہ مُنہ پھیرتا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

سامعین! اللہ تعالیٰ نے مطمح نظر کے لئے "وِجْهَةٌ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ مفرداتِ راغب میں لکھا ہے کہ وِجْهَةٌ کے معنی ہیں وہ مقصد جس کی طرف انسان توجہ رکھتا ہے۔

(تفسیر صغیر فٹ نوٹ۔ البقرۃ آیت 149)

حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر میں حل لغات کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ وِّجْهَةٌ کے تین معانی ہیں۔ 1۔ جہت۔2۔ منہاج یعنی راستہ اور طریق۔ 3۔ وہ چیز جس کی طرف انسان توجہ کرے یعنی مقصد۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں 700 سے زائد احکام درج فرمائے ہیں مگر کسی حکم کو وِجْهَةٌ یعنی مطمح نظر قرار نہیں دیا ماسوائے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اِس حکم کے ساتھ وِّجْهَةٌ کے لفظ کے لاحقہ سے اِس حکم کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اب اگر وِجْهَةٌ کے لفظ کو عام معاشرہ یا ماحول کے حوالہ سے دیکھیں تو ہم دیکھتے ہیں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی مطمح نظر ہوتا ہے حتّٰی کہ ایک ہی کنبہ کے آٹھ نو افراد میں سے ہر ایک کا الگ الگ گول ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ سعی اور کوشش کرتا ہے۔ کوئی تجارت کو اپنا گول بناتا ہے۔ کوئی دولت کمانے کی طرف توجہ دیتا ہے۔ کوئی پڑھائی اور علم حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام تر استعدادیں بروئے کار لاتا ہے۔ کوئی خدمتِ دین، کوئی خدمتِ والدین اور کوئی خدمتِ خلق کو اپنا مطمح نظر بناتا ہے۔ اگر کوئی اللہ سے محبت کرنے والا ہو، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیتا ہو تو ایسے مؤمنوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا ہی خوب گول بیان فرما دیا کہ ہر نیکی، بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”ہر شخص کی کوئی نہ کوئی جہت ہوتی ہے۔ یا ہر شخص کا کوئی نہ کوئی نصب العین ہوتا ہے جس پر وہ اپنی تمام توجہات کو مرکوز کر دیتا ہے اور جسے زندگی بھر اپنے سامنے رکھتا ہے اور پورے انہماک اور توجہ سے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر لوگ تو اپنے مقاصد اپنے لئے خود تجویز کرتے ہیں۔ لیکن ہم اُمّت محمدیہ پر رحم کرتے ہوئے خود ہی ایک بلند ترین مطمح نظر اُس کے سامنے رکھتے ہیں اور ہدایت دیتے ہیں کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔ تمہارا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اس جگہ نیکیوں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی تحریک فرما کر اللہ تعالیٰ نے قومی ترقی کا ایک عجیب گُر بتایا ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 253)

سامعین ! حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے وقت بہت سے قیمتی اور حکمت سے پُر نکات بیان فرمائے ہیں۔ جیسے فرمایا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق یہ ہے کہ دوسرے مذاہب صرف نیکی کی طرف بُلاتے ہیں جبکہ اسلام نا صرف نیکی کی طرف بُلاتا ہے بلکہ اِسْتِبَاق یعنی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ اِس میں امّت کے ہر شخص کے لئے اِسْتِبَاق کا حکم ہے۔ اگر دو میں سے ایک نیکی میں دوسرے سے آگے بڑھے گا تو پیچھے رہ جانے والے کو بھی حکم ہے کہ اِسْتِبَاق کرو تو یوں نیکیوں میں آگے بڑھنے کی نہ ختم ہونے والی دوڑ لگ جائے گی ۔ اگر یہ نیکیوں میں آگے بڑھنے کی دوڑ لاکھوں اور کروڑوں مسلمان احمدیوں میں لگی ہوگی تو دیکھیں روحانیت کا کیا منظر ہوگا؟

سامعین ! آج تقریر میں صحابہ رضوان اللہ علیہم میں نیکیوں اور نیک اعمال میں آگے بڑھنے کے دلچسپ اور ایمان افروز واقعات بھی بیان ہو سکتے تھے۔ لیکن آج میری تقریر کی جہت، نصبُ العین اُس مطمح نظر کی اہمیت اُجاگر کرنا ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے اور مَیں نے اِسے ”اسلامی مطمح نظر“ نام دیا ہے۔ ورنہ مسابقت الی الخیر میں واقعات پر مبنی خاکسار کی تقاریر مشاہدات نمبر 363 اور 716 میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں فَاسْعَوْا کے الفاظ بھی استعمال کر سکتا تھا۔ جس کے معانی سعی کرنے اور کوشش کرنے

کے ہیں لیکن فَاسْتَبِقُوا میں یہ سبق ہے کہ سعی اور بھرپور کوشش کے ساتھ ساتھ مقابلے کی جو رمق ہے وہ بھی زندہ رہنی چاہئے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ

"یہ لفظ ایسا جامع ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی مقصد اور مدّعا کی طرف دوڑنے اور اُسے جلدی سے حاصل کرنے کا مفہوم کسی اور لفظ سے ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دوڑے مگر پوری طاقت سے نہ دوڑے۔ جلدی کرے مگر جس قدر چاہیے اُس قدر جلدی نہ کرے لیکن اِسْتِبَاق کے حکم کا اُس وقت تک پورا ہونا ناممکن ہے جب تک کہ پورے زور اور پوری طاقت سے کام نہ کر لیا جائے۔"

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 255)

پھر حضورؓ فرماتے ہیں:

"غرض اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی شناخت کا یہ معیار بیان فرمایا ہے کہ وہ تَسَابُق اختیار کرتے ہیں اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش یقیناً ہر قوم کے معیار کو اتنا بلند لے جاتی ہے کہ اُس کا انسان قیاس بھی نہیں کر سکتا۔ جب کبھی نیکی دنیا سے مفقود ہو جائے اُس وقت قوم یا تو مرنا شروع ہو جاتی ہے یا گرنا شروع ہو جاتی ہے لیکن جب تک تَسَابُق کی رُوح کسی قوم میں قائم رہے اُس وقت تک خواہ وہ کتنی ہی ذلّت میں پہنچی ہوئی ہو اور کتنی بھی گری ہوئی ہو پھر بھی اپنی چمک دکھلاتی چلی جاتی ہے اور اُس کے پاس موقع ہوتا ہے کہ وہ پھر آگے بڑھے۔"

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 256)

حضور نے یہاں ایک دلچسپ واقعہ درج فرمایا ہے کہ سید اسماعیل شہید جب سکھوں سے جہاد کرنے پشاور کی طرف گئے تو اٹک کے مقام پر دریا کو عبور کرنا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک سکھ کے سوا کوئی شخص اس دریا کو تیر کر عبور نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اِس دریا کو تیر کر عبور کرے۔ آپ وہاں ٹھہرے۔ تیرنا سیکھا اور سکھ کے مقابل پر اُسے تیر کر عبور کر کے اسلام کا نام بلند کر کے آگے بڑھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اِس کی ایک مثال یوں بیان فرمائی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو مصر کی طرف روانہ کرتے وقت کہا تھا کہ تم نے اکیلے واپس نہیں آنا بلکہ بن یامین کو بھی ساتھ لیتے آئیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مصلح موعودؓ تحریر فرماتے ہیں کہ

"اِسی طرح خدا تعالیٰ بھی کہتا ہے کہ تم میرے پاس دوڑ کر آنا اور اکیلے نہ آنا بلکہ میرے دوسرے روحانی بیٹوں کو بھی ساتھ لے کر آنا۔ مومن دوڑتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ وہاں مَیں اُسے کیا جواب دوں گا اِس لئے وہ دوسروں کو بھی کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 258)

اللہ تعالیٰ نے اسلامی مطمح نظر فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ کا ذکر کر کے ایک اور جگہ اِسی مضمون کو وَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا کے الفاظ میں ہمیشہ نیکی کے میدان میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے آگے بڑھنے کی تلقین کا اعادہ فرمایا ہے۔ نیکیوں میں آگے بڑھنے سے حسد نہیں، رشک کا مضمون اُجاگر ہوتا ہے۔ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کی نیکیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کر کے مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان کسی معاملہ میں تلخی ہو گئی۔ ہر دو نے سوچا کہ غلطی تو میری ہے۔ حضرت عمرؓ چونکہ جوشیلی طبیعت کے تھے۔ آپؓ نے اِسے زیادہ اپنے دل پر لیا اور خود ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اقرار کر کے معافی کے طلبگار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ آپ لوگ اُس بزرگ شخص کو تکلیف دینے میں کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی یعنی حضورؐ کی ناراضگی کا تسلسل جاری تھا کہ حضرت ابو بکرؓ بھی معافی مانگنے کے لئے حاضر ہو گئے۔ جب حضورؐ کو حضرت عمرؓ سے ناراض ہوتے دیکھا تو فوراً حضورؐ کے دربار میں یوں گویا ہوئے کہ حضورؐ! قصور تو میرا تھا۔ یہ تھی اُن دونوں کی نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی رُوح۔

پس حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"ہماری جماعت کو بھی چاہیئے کہ ہم میں سے ہر فرد اپنے نفس کو ٹٹولتا رہے اور دین کے ساتھ ایک گہری محبت اور شیفتگی پیدا کرنے کی کوشش کرے اور سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے بس یہی ایک مقصد اپنے سامنے رکھے کہ ہم نے اسلام کو دنیا پر غالب کرنا ہے جب تک یہ رُوح ہمارے اندر پیدا نہیں ہوتی اُس وقت تک ہم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔" (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 256)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”سابق بالخیرات بنا چاہئے ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ دیکھو! ٹھہرا ہوا پانی آخر گندا ہو جاتا ہے۔ کیچڑ کی صحبت کی وجہ سے بدبودار اور بدمزہ ہو جاتا ہے۔ چلتا پانی ہمیشہ عمدہ، ستھرا اور مزیدار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو۔ مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ ایک ہی مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہئے۔ یہ حالت خطرناک ہے۔ ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہئے۔ نیکی میں ترقی کرنی چاہئے۔ ورنہ خدا تعالیٰ انسان کی مدد نہیں کرتا۔ اور اس طرح سے انسان بے نور ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ آخر کار بعض اوقات ارتداد (دین سے پھر جانا) ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے انسان دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت انہی کے شامل حال ہوتی ہے جو ہمیشہ نیکی میں آگے ہی آگے قدم رکھتے ہیں ایک جگہ نہیں ٹھہر جاتے اور وہی ہیں جن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 456)

سامعین! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ہر احمدی کا فرض بنتا ہے کہ اس تعلیم کے مطابق نیکیوں میں آگے بڑھے اور اس بڑھنے کی طرف کوشش کریں، توجہ دیں۔ اور اپنی پوری استعدادوں اور صلاحیتوں کے ساتھ نیکیاں کرنے کی طرف توجہ دیں۔ ہر ایک کی اللہ تعالیٰ نے مختلف استعدادیں رکھی ہیں۔ کم از کم ان کے مطابق تو ہر ایک کو عمل کرنا چاہئے۔ اور پھر یہ ہے کہ ان نیکیوں میں بڑھنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔ ایک جب نیکیوں کے مقام پر پہنچے تو دوسرے کو بھی ساتھ لانے کی کوشش کرے کیونکہ وہ بھی حکم ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرو وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرو۔ تو اس طرح نیکیوں میں بڑھنے کی دوڑ بھی لگی رہے گی اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے نیکی کی جاگ بھی لگے گی۔ اس میں حسد نہیں ہو گا۔ کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں ہو گی بلکہ نیکی کرنے کی کوشش ہو گی۔ اس طرح جب آپ تبلیغ کریں گے اور جب نیکیاں کرنے کے لئے دوسروں کو اپنے ساتھ ملائیں گے اور بُرائی کے خاتمے کی کوشش کریں گے تو فرمایا جب اس طرح کرو گے تو تم یہ نہ سمجھو کہ اگر تم نیکیاں نہیں کرو گے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہیں، بلکہ ایک دن تم نے اللہ کے پاس آنا ہے اور تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کر کے اپنے پاس لے آئے گا۔ اگر تم سست ہو نیکیوں کی

دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہو تو تمہیں ان غفلتوں کا جواب دینا ہو گا کہ تم نے دعویٰ تو یہ کیا تھا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند کی جماعت میں شامل ہو کر نیک اعمال بجالائیں گے۔ شرائط بیعت کی پوری پابندی کریں گے۔ لیکن عملاً تمہاری حالت ایک غافل انسان کی سی ہے۔ نہ تم نے حقوق اللہ ادا کرنے کی طرف توجہ کی، نہ تم نے حقوق العباد ادا کرنے کی طرف توجہ دی اور اگر تم یہ کر رہے ہو تو پھر جیسا کہ میں نے کہا کہ تم فلاح پانے والے ہو گے، کامیاب ہو گے۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے والے ہو گے اور اپنی کمزوریوں کے باوجود یہ نیکیاں کر رہے ہو گے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اس جذبے کی قدر کرتے ہوئے تمہیں نیکیوں کی توفیق دیتا چلا جائے گا کیونکہ وہ قادر خدا ہے۔ پس اب بھی وقت ہے، نیکیاں کرنے اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کی طرف توجہ دیں۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور استعدادوں کے ساتھ آہستہ آہستہ نیکیوں میں آگے بڑھتے رہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 ستمبر 2004ء)

آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آپ کے لئے اگر کامیابی کی کوئی راہ ہے اور آپ اگر اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر صرف اور صرف یہی راستہ ہے کہ نیکیوں میں آگے بڑھیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر تم مسلمان ہو اور پکے مسلمان ہو تو تمہیں خوشی سے اچھلنا چاہئے، خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک راستہ دکھا دیا جو اس کی طرف لے جانے والا ہے۔ دنیا میں مختلف تنظیمیں بنتی ہیں، ایسوسی ایشنیں بنتی ہیں ان کا کوئی نہ کوئی مطمح نظر ہوتا ہے، کوئی ماٹو ہوتا ہے۔ اور کوشش کرتی ہیں کہ اس کو حاصل کریں اور پھر انفرادی طور پر بھی انسان اپنی زندگی کو ایک مقصد بناتا ہے، اس کے بارے میں سوچتا ہے اور پھر اس کے حصول کے لئے کوشش بھی ہوتی ہے۔ لیکن ان سب کا جو مقصد ہے وہ دنیاداری ہے کیونکہ کسی کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہیں ہے کہ یہ مقاصد حاصل کرنے کے بعد تمہارا انجام بخیر ہو گا۔ کوئی ضمانت نہیں ہے۔ لیکن ہمارے سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم اسلام پر اسی طرح عمل کر رہے ہو جس طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اور اس کی وضاحت اور تشریح زمانے کے امام نے کی

ہے تو نہ صرف یہ نیکیاں قائم کر کے تم دنیا میں بہترین مخلوق ہو بلکہ اگلے جہان میں بھی اللہ کی رضا حاصل کرنے والے ہو، فلاح پانے والے ہو۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 ستمبر 2004ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿27﴾ ﴿مشاہدات۔637﴾

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مومنوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَات (البقرہ:149)

یعنی اے مومنو کی جماعت! تمہارا نصب العین نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا ہے۔

سنو سنو! یہ محبت کی بات ہے لوگو!
پیو پیو کہ یہ آبِ حیات ہے لوگو!
اٹھو اٹھو کہ صدائے ورا ہوئی ہے بلند
چلو چلو کہ یہ راہِ نجات ہے لوگو!

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَات

اس آیت میں جس کی مَیں نے ابھی تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں اور یہی تمہاری زندگی کا مقصد ہونا چاہئے۔

دنیا کے تمام مذاہب، تہذیبوں اور معاشروں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور سبقت لے جانے کی تعلیم ملتی ہے۔ نیکی میں پہل اور اس پر استقامت اختیار کرنا ایک اچھی اور قابلِ داد صفت ہے۔ ہمارے پیارے مذہب اسلام نے ہمیں یہی درس دیا ہے کہ اس مختصر سی زندگی میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیں کیونکہ وقت زندگی کی کشتی کو مسلسل آگے بڑھائے چلا جا رہا ہے ایسے میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم بالارادہ کوشش اور مسلسل جدوجہد کے ساتھ نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔

نیکیوں میں آگے بڑھنے کا مضمون ہمارے لئے رگِ جان کی حیثیت رکھتا ہے۔ سبقت لے جانے کا جذبہ جن دلوں میں جگہ بنالیتا ہے انہیں کسی اور متاع کی ضرورت نہیں رہتی۔ انبیائے کرام کی آمد کا مقصد بھی بنی نوع انسان کو نیکی کے ایسے راستے پر ڈالنا ہوتا ہے جس پر چل کر وہ ہر لحہ کامرانی اور فلاح کی طرف بڑھے۔ یقیناً نیک راہ کو اختیار کرنے سے ہی انسان اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں۔

پڑ جائے ایسی نیکی کی عادت خدا کرے
سر زد نہ ہو کوئی بھی شرارت خدا کرے

ہماری مسابقت کی دوڑ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی، اپنوں سے بھی اور غیروں سے بھی، ہمارا مقابلہ اندرونی بھی ہے اور بیرونی بھی نیکیوں میں آگے بڑھنے کا ایک مسلسل مقابلہ ہے جسے زندگی کا آخری سانس ہی منقطع کرے گا۔ اس عظیم دوڑ میں دعا، عزم، مسلسل جدوجہد اور توکل ہمارے لئے قوت کے سرچشمے ہیں۔ ہمارا نصب العین وہی ہے جو قرآن حکیم نے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَات کے الفاظ میں ہمارے لئے متعین فرمایا ہے۔ نیکی کرنا اور نیک اعمال بجالانا تو صرف مومن کا ہی خاصہ ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک بہترین مخلوق ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ اُولٰئِكَ هُم خَيرُ البَرِيَّةِ (البینۃ:8) یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے یہی ہیں وہ جو بہترین مخلوق ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف روایات میں مختلف نیکیوں کو ادا کرنے کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے کہ کس طرح ان کو ادا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جائے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا گُر بتایے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز باجماعت پڑھو، زکوٰۃ دو اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور حسن سلوک کرو۔

(مسلم کتاب الایمان)

ایک مومن کے جذبہ ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادت کو سینہ میں جگہ دے اور ہر پہلو سے ان پر عمل پیرا ہو کر نیکیوں کے میدان میں دوسروں سے آگے بڑھے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دنیا عارضی اور چند روزہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے ایک دن آخرت کا سفر اختیار کرنا ہے جہاں نیک اعمال ہی سب سے بڑا سرمایہ ہوں گے۔ اسلام کے ابتدائی دَور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہلی صف میں بیٹھنے والا زیادہ ثواب کا مستحق ہے تو ہر صحابیؓ کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ پہلی صف میں بیٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا رجحان دیکھ کر فرمایا کہ شاید مجھے پہلی صف میں بٹھانے کے لئے قرعہ اندازی کروانی پڑے۔ کہیں اذان دینے کے لئے قرعہ اندازی کا اظہار ہوتا۔

ایک موقع پر حضرت عمرؓ راہِ خدا میں دینے کے لئے اپنے گھر کا آدھا سامان لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس نیت سے حاضر ہوئے کہ آج مَیں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے سبقت لے جاؤں گا۔ دربارِ رسالت میں پہنچنے پر علم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا سارا مال راہِ خدا میں پیش کر دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیکی کے ہر میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کو کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار
لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے
اِسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب؟
اُسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

سامعین! مسابقت کی یہ دلفریب ادائیں صحابہ کرامؓ نے محبوب آقا، معلمِ کل جہاں، حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ان کے دلوں کو روحانی پاکیزگی عطا فرمائی اور پھر ان دلوں میں نیکی کا بیج بویا' جب یہ بیج پھل لاتا اور مسابقت کا کوئی مظاہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اٹھتا اُس کسان کی طرح جو اپنی سرسبز اور لہلہاتی ہوئی کھیتی کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔

فَاسْتَبِقُواالْخَیْرَات کے نصب العین نے صحابہ کرام کی منزل بدل ڈالی،، ظاہر بدل ڈالا، باطن بدل ڈالا، ڈاکو اور لٹیرے معصوم و ہمدرد بن گئے، جو ذرّہ تھا وہ گوہر بن گیا، جو قطرہ تھا وہ دریا بن گیا، پیاسا تھا ساقی بن گیا، جاہل تھا عالم بن گیا، جو بُرا تھا نیک ہو گیا۔ ظلم کی جگہ عفو نظر آرہا تھا، حقوق کی ادائیگی سے بے پرواہ لوگ فرض سمجھ کر اپنے حقوق کی ادائیگی کر رہے تھے۔

نیکیوں میں آگے بڑھنے کی دوڑ نے صحابہ کرامؓ کو جن انسانی قدروں سے آشنا کیا اُس نے انہیں اخلاقیات کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ وفا کے پُتلوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزاری اور اپنے عہدوں کو اس طرح نبھایا کہ نہ دن دیکھا نہ رات، نہ مال کی پرواہ کی اور نہ جان کی، سب کچھ راہِ خدا میں دے دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مجھے ہمیشہ خیال آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش دل پر ہو جاتا ہے اور کیسی بابرکت وہ قوم تھی اور آپؐ کی قوت قدسیہ کا کیسا قوی اثر تھا کہ اس قوم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ غور کر کے دیکھو کہ آپؐ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ایک حالت اور وقت ان پر ایسا تھا کہ تمام محرمات ان کے لئے شیر مادر کی طرح تھیں۔ چوری، شراب خوری، زنا، فسق و فجور سب کچھ تھا۔ غرض کونسا گناہ تھا جو ان میں نہ تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور تربیت سے ان پر وہ اثر ہوا اور ان کی حالت میں وہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی اور کہا اَللّٰہ اَللّٰہ فِیْ اَصْحَابِیْ گویا بشریت کا چولہ اُتار کر مظہر اللہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہو گئی تھی جو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم:7) کے مصداق ہیں ٹھیک ایسی ہی حالت صحابہؓ کی ہو گئی تھی۔ ان کے دلی

ارادے اور نفسانی جذبات بالکل دُور ہو گئے تھے۔ ان کا اپنا کچھ رہا ہی نہیں۔ نہ کوئی خواہش تھی نہ آرزو۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس کے لئے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 594-595)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرتے ہوئے عربی قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

صَادَفْتَهُمْ قَوْمًا كَرَوْثٍ ذِلَّةً

فَجَعَلْتَهُمْ كَسَبِيْكَةِ الْعِقْيَانِ

تُونے انہیں گوبر کی طرح ذلیل قوم پایا تو تُونے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا۔

صحابہ کرامؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سننے کے لئے ہر وقت مشتاق نظر آتے تھے اور دیوانوں کی طرح اپنے ساتھیوں سے پوچھا کرتے تھے کہ کوئی تازہ ارشاد ہو تو بتاؤ تا اس پر عمل کیا جائے۔ مدینہ کے نواح میں بسنے والے صحابہؓ نے ڈیوٹیاں لگا رکھی تھیں کہ فلاں شخص فجر کی نماز اور فلاں شخص ظہر کی نماز اور فلاں فلاں باقی نمازوں پر مسجدِ نبوی میں حاضر ہو گا اور جو ارشاد ہو اس کو مدینہ کے نواح میں بسنے والے صحابہ تک پہنچائے گا تا وہ مدینہ کے صحابہ سے نیکیوں میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

صحابہؓ میں نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ لگی ہوئی تھی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"صحابہ کرام دوسرے کے حق کو خوب یاد رکھتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک گھوڑا ایک صحابی بیچنے لگے اور اس کی قیمت انہوں نے مثلاً دو ہزار مقرر کی۔ دوسری طرف جو صحابی خریدار تھے وہ چار ہزار بتاتے تھے اور ان میں اسی بات پر جھگڑا تھا کہ مالک کم قیمت بتاتا اور خریدار زیادہ دیتا۔ تو مومن کا طریق یہ ہے کہ وہ دوسرے کے حقوق کا بہت خیال رکھتا ہے۔"

(خطبات محمود جلد 7 صفحہ 310)

یہ کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

سامعین! یہ واقعات ہماری تاریخ ہیں، ہماری بنیادیں ہیں، ہمارا سرمایہ ہیں اور بلاشبہ ہمیں ان پر فخر ہے اور ان سے محبت ہے اور سب سے بڑی بات جس پر خدا تعالیٰ کا بے انتہا شکر واجب ہے وہ یہ ہے کہ ہم کوئی ایسی قوم نہیں جنہیں صرف اپنے ماضی پر فخر ہو بلکہ نور کا وہ سلسلہ جو حضرت مسیح موعودؑ کے وجود سے جاری ہوا ہے وہ آج خلافتِ احمدیہ کی صورت میں ہمارے ساتھ ہے اور یوں یہ روشنی ہمارے لئے دائمی ہو چکی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی نیکی کے میدان میں آگے بڑھنے کے واقعات کی یادیں ہیں کہ اُمڈی چلی آتی ہیں' ایک کے بعد دوسرا خیال پھوٹتا ہے، بہار میں جیسے کونپلیں۔

ہمارے پیارے اِمام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"ایک روایت میں ہے، آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ ہر نماز کے بعد 33 دفعہ سُبحَانَ اللّٰہ پڑھا کرو، 33 دفعہ اَلحَمدُلِلّٰہ پڑھا کرو، اور 34 دفعہ اَللّٰہُ اَکبَر پڑھا کرو۔ یہ تمہیں ان امیروں کے برابر لے آئے گا جو صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ تو صحابہؓ نے یہ عمل شروع کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جو امیر صحابہؓ تھے انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ نماز کے بعد بیٹھ کر وظیفہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان صحابہؓ میں بھی نیکی میں آگے بڑھنے کی ایک لگن تھی۔ چنانچہ اُن امیر صحابہؓ نے بھی ذکرِ الٰہی شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو نیکیوں میں بڑھنے کے مفہوم کو سمجھتے تھے۔ اس پر یہ غریب صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اُن امیر صحابہؓ کو بھی پتہ چل گیا ہے اور انہوں نے بھی ہماری طرح ذکر الٰہی اور وظیفہ شروع کر دیا ہے۔ یہ لوگ پھر ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب مَیں کیا کر سکتا ہوں؟ جس کو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نیکیوں میں آگے بڑھنے کی توفیق دے رہا ہے اسے مَیں کس طرح روک سکتا ہوں۔ (صحیح مسلم...) تو دیکھیں یہ صحابہؓ کے ایک دوسرے سے نیکیوں میں آگے بڑھنے کے نمونے تھے۔ اور یہ نمونے ہمارے سامنے صرف اس لئے نہیں بتائے جاتے کہ ہم سنیں اور ان سے محظوظ ہوں۔ بلکہ اس لئے ہیں کہ ہم اُن پر

عمل کرنے والے بنیں۔ صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کا اس قدر شوق تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بار بار بڑے تجسّس سے اس بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29 اپریل 2005ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"سابق بالخیرات بننا چاہیے۔ ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے... ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہیے۔ نیکی میں ترقی کرنی چاہیے۔ ورنہ خدا تعالیٰ انسان کی مدد نہیں کرتا اور اس طرح سے انسان بے نور ہو جاتا ہے... خدا تعالیٰ کی نصرت انہی کے شامل حال ہوتی ہے جو ہمیشہ نیکی میں آگے ہی آگے قدم رکھتے ہیں ایک جگہ نہیں ٹھہر جاتے اور وہی ہیں جن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 456)

عشاقِ اسلام کے نیکیوں میں آگے بڑھنے کے یہ ایمان افروز نمونے ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں اور ہمیں دعوتِ عمل دے رہے ہیں کہ ان پاک نمونوں کو اپنی زندگیوں میں بھی جاری وساری کریں اس راہ پر چلنے والوں نے تو اپنی منزل کو پالیا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی ان راہوں پر پوری وفا کے ساتھ آگے سے آگے بڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم نہ صرف نیکیوں کو اختیار کرنے والے ہوں بلکہ ان نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے تقویٰ کے بھی اعلیٰ مدارج حاصل کریں۔ ہمارا ہر قول، ہر فعل، ہمارا اٹھنا بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہو۔ آمین

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے
حاصل ہو تم کو دید کی لذت خدا کرے

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

﴿28﴾ ﴿مشاہدات۔636﴾

ذاتی اصلاح کے بغیر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى (البقرة:190)

کہ کامل نیک وہ شخص ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔

پڑ جائے ایسی نیکی کی عادت خدا کرے
سر زد نہ ہو کوئی بھی شرارت خدا کرے

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔"ذاتی اصلاح کے بغیر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں"

قوموں کی اصلاح افراد کی ذاتی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ کسی بھی قوم کی تعمیر و ترقی میں قوم کے افراد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ کسی قوم کو اَوجِ ثریّا پر پہنچانے میں اس کے افراد کلیدی کردار ادا کرتے ہیں وہاں یہ بات بھی حقیقت ہے کہ کسی قوم کو تنزلی کی گھاٹیوں میں گرانے کے ذمہ دار بھی اس کے افراد ہی ہوتے ہیں۔انفرادی بُرائیوں کا اگر سدِّباب نہ کیا جائے تو وہ قومی بُرائیاں بن جاتی ہیں اور سب کو اس کا نقصان پہنچتا ہے۔ذاتی اصلاح کے بغیر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں،اگر ہر فرد اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے رستے کے مطابق زندگی گزارے تو معاشرہ جنت نظیر بن جائے۔یقیناً نیک راہ اختیار کرنے سے ہی انسان اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

سامعین! ذاتی اصلاح کے بہت سے پہلو ہیں۔ذاتی اصلاح کے لیے سب سے بنیادی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ ایمان لانے کی ایک برکت یہ ہے کہ اِس سے اصلاحِ نفس اور نیکیوں پر قدم مارنے کے لیے مضبوط قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”انسان کے دل میں اگر پختہ ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق ہو تو... کوئی مشکل ایسی نہیں رہتی جو آسان نہ ہو جائے۔“

(خطباتِ محمود جلد 17 صفحہ 344)

انفرادی و قومی اصلاح کے لیے ایمان کے بعد سب سے اہم اور ضروری امر نماز کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بار بار أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ کے الفاظ سے اس طرف توجہ دلائی ہے۔ ذاتی اصلاح کے لیے نماز بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ نماز بدیوں کے خلاف ایک ڈھال ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت:64) کہ یقیناً نماز بُرائیوں اور بے حَیائیوں سے روکتی ہے۔

منکر و فحشاء سے انسان کو بچاتی ہے نماز
رحمتیں اور برکتیں ہمراہ لاتی ہے نماز

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اس غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ایک عبد کے طور پر زندگی گزارتے ہوئے قربِ الٰہی کی سب راہوں کی پیروی کرتا رہے تاکہ جب اس دارالعمل سے دارالجزاء کی طرف منتقل ہو تو اپنے مقصدِ حیات میں کامیاب قرار پائے۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ نے جو ذرائع اور وسائل انسان کو عطا فرمائے ہیں اُن میں سب سے اہم ذریعہ نماز ادا کرنا ہے۔ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل خدا تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے تو آپؐ نے فرمایا: اَلصَّلَاۃُ عَلٰى وَقْتِهَا کہ وقت پر نماز پڑھنا۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب فضل الصلوٰۃ لوقتہا)

سامعین! اصلاحِ اعمال کا ایک بہت ہی بنیادی اور اہم ذریعہ سچائی پر کاربند ہونا ہے۔ دراصل یہ بھی پختہ ایمان کا ایک ثمرہ ہے۔ جھوٹ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے اگر ہم جھوٹ بولنا چھوڑ دیں تو بہت سی بُرائیوں سے بچ سکتے ہیں۔ انسانی سیرت و کردار کی تعمیر میں سب سے اہم وصف صدق لہجہ، سچائی اور راست گفتاری

ہے۔ دراصل انسان کی باطنی سچائی ہی ہے جس کا اظہار اس کی زبان سے ہوتا ہے۔ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھ میں بہت سی بُرائیاں پائی جاتی ہیں۔ مَیں ان بُرائیوں کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ آپ کوئی علاج بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اس نے آپؐ سے وعدہ کرلیا کہ مَیں آئندہ ہمیشہ سچ بولوں گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص دوبارہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپؐ کی ہدایت پر عمل کرکے مَیں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا اس طرح آہستہ آہستہ میری تمام بُرائیاں دور ہوگئیں کیونکہ مَیں جب بھی کوئی بُرا کام کرنے لگتا تو فوراً خیال آتا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا؟ اس خیال کے آتے ہی مَیں بُرا کام کرنے کا خیال چھوڑ دیتا۔ سچائی کی برکت سے اس سعادت مند کو رفتہ رفتہ سارے گناہوں سے نجات مل گئی۔

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

سامعین! انفرادی اصلاح کے لیے چوتھا اہم امر انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ اس کا مطلب صرف مال خرچ کرنا ہی نہیں بلکہ اس سے مراد ہر استعداد کو خدا کی رضا کے لیے خرچ کرنا ہے۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق متقین کی تیسری صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ یہ بھی ایک عملی کیفیت ہے جس میں انسان خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں اور رزق کو اس کی راہ میں مخلوقِ خدا کی بھلائی اور بہتری کے لئے صَرف کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:4) یعنی جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

خدمتِ خلق کے سارے کام انفاق کے تحت ہی آتے ہیں۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عام لوگ رزق سے مراد اشیاءِ خوردنی لیتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ جو کچھ قویٰ سے دیا جاوے وہ بھی رزق ہے۔ علوم وفنون وغیرہ معارف حقائق عطا ہوتے ہیں۔ جسمانی طور پر معاش مال میں فراخی ہو، سب رزق ہے۔ رزق میں حکومت بھی شامل ہے اور اخلاقِ فاضلہ بھی رزق ہی میں داخل ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنی روٹی میں سے روٹی دیتے ہیں، علم میں سے علم اور اخلاق میں سے اخلاق"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 289)

سامعین! اللہ تعالیٰ کی خشیت، نفس کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ کا خوف انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ خشیتِ الٰہی بہت ہی عظیم اور فائدہ والی صفت ہے۔ انبیاء اور ان کے ماننے والوں کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان پر خشیتُ اللہ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ خوفِ آخرت سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ خشیتِ الٰہی گناہوں کے خلاف ایک ڈھال ہے۔ خشیتِ الٰہی تمام نیکیوں اور دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کی اصل اور جنت میں لے جانے والا عمل ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو قطرے ایسے ہیں جن سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز پیاری نہیں ہے۔ ایک خوفِ خدا کے نتیجہ میں آنسوؤں کا قطرہ اور دوسرا راہ خدا میں بہنے والا خون کا قطرہ۔

(سنن الترمذی ابواب فضائل الجہاد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کے حضور اس کی خشیت سے متاثر ہو کر رونا دوزخ کو حرام کر دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 272)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو... چاہئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 12)

نفس کی اصلاح کا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت محبوب ہے۔ انبیاء کی آمد کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہمارے نفس کو پاکیزگی مل سکے۔ ہر دَور میں اللہ کے فرستادوں نے بندگانِ خدا کے دلوں میں نیکی و تقویٰ کی شمعیں

روشن کیں۔ سلسلہ انبیاء میں سب سے آخر پر نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر احسانِ عظیم ہے کہ آپؐ کو جو پاک اور کامل تعلیم عطا کی گئی آپؐ نے اِس تعلیم پر خود عمل کر کے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے کامل نمونہ دکھایا۔

سامعین! صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اِس آسمانی نور سے آدابِ زندگی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی روشنی حاصل کی۔ تاریخ شاہد ہے کہ وفا کے پُتلوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزاری اور اپنے عہدوں کو اس طرح نبھایا کہ نہ دن دیکھا نہ رات، نہ مال کی پرواہ کی اور نہ جان کی۔ ایک صحابی نے مرتے وقت یہ نعرہ بلند کیا۔ فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ کہ ربِ کعبہ کی قسم! مَیں کامیاب ہو گیا۔ اطاعت ایسی کہ گلی میں راہ چلتے صحابی کے کان میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پڑی کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ براہ راست مخاطب بھی نہ تھے لیکن وہیں گلی میں بیٹھ گئے۔ شراب کا دَور چل رہا تھا اعلان سنائی دیا کہ شراب آج سے حرام کر دی گئی ہے۔ غلبہ خمر کے باوجود ایک صحابی اُٹھے اور لاٹھی سے شراب کے مٹکے کو چکنا چور کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی زبانی آیت کریمہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 145) سن کر حضرت عمرؓ پر کیا گزری؟ سونتی ہوئی تلوار ہاتھ سے گر پڑی اور کھڑا ہونا بھی مشکل ہو گیا۔ مالی قربانی ایسی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال اور حضرت عمرؓ نے نصف مال راہِ خدا میں دے دیا، ایثار ایسا کہ مرتے وقت پیاس کی شدت کے باوجود پانی نہیں پیا کہ دوسرے صحابی کی آواز سن کر کہا کہ پہلے اُسے پانی دو۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو دیکھو کہ انہوں نے بکریوں کی طرح اپنا خون بہا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ایسے گم ہو گئے کہ وہ اس کے لئے ہر ایک تکلیف اور مصیبت اٹھانے کو ہر وقت تیار تھے۔ انہوں نے یہاں تک ترقی کی کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البینۃ:9) کا

سرٹیفکیٹ ان کو دیا گیا...ان کی نسبت آیا ہے مِنۡهُمۡ مَنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَنۡ يَّنۡتَظِرُ (الاحزاب:24) یعنی بعض اپنا حق ادا کر چکے اور بعض منتظر ہیں کہ ہم بھی اس راہ میں مارے جاویں۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 527۔528)

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اصلاحِ نفس کی منزل کو اس طرح پایا کہ وہ جو پہلے جہالت اور گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، ہدایت و رشد کے داعی بن گئے۔ وہ جن کی سیاہ کاریوں سے عرب کی تاریخ شرمندہ ہو رہی تھی، راستی اور پاکیزگی کے مینار بن گئے۔ جنہیں لڑائی جھگڑے اور شعر و شاعری کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا، تہذیب سے شناسا ہو گئے۔ جانی دشمن ایثار و محبت کے پیکر بن گئے، ایسی کایا پلٹی کہ اُن کا اوڑھنا بچھونا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، حتیٰ کہ سوچنے، بولنے کے انداز تک بدل گئے۔

اِس دَورِ آخرین میں جب انسانیت کے گم کردہ راہ قافلے نے اسلام کی تعلیم کو فراموش کر دیا اور مسلمانوں کا تعلق قرآن کریم سے صرف ظاہری طور پر رہ گیا۔ تب رحمتِ ایزدی نے بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے حضرت امام مہدی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مَیں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں اور خدا تعالیٰ کا وجود لوگوں پر ثابت کر کے دکھلاؤں ...سو مَیں بھیجا گیا ہوں کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آئے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔"

(کتاب البریۃ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 291۔293۔294 حاشیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی عظمت کو از سر نو زندہ کیا اور خشک ہوتے ہوئے شجرِ اسلام کو پُرسوز دعاؤں اور قلمی و علمی جہاد سے پھر سے سرسبز شاداب کر دیا اور ہمیں وہ ضابطہ حیات بخشا کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تعلیم ہے۔

سامعین! انفرادی اصلاح کا ایک اور بڑا ذریعہ اپنی مسلسل نگرانی اور اپنی حالت کا جائزہ لینا بھی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے خطبات میں بار بار یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اگر خلیفہ وقت کی باتوں پر کان نہیں دھریں

گے تو آہستہ آہستہ نہ صرف اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے فضلوں سے دور کر رہے ہوں گے بلکہ اپنی نسلوں کو بھی دین سے دور کرتے چلے جائیں گے۔

(خطبات مسرور جلد 8 صفحہ 191)

آخرت گر سنوارنا ہے تو
نیک اعمال کر، سزا سے ڈر
خود ہی کر تو محاسبہ اپنا
پاس آتی ہوئی قضا سے ڈر

خلیفہ وقت کی کامل اطاعت کرتے ہوئے، آپ کے ارشادات پر عمل کرنے کا عہد انفرادی اصلاح کے ہر مرحلہ کو پار کرنے کا موجب ہو گا۔ خلیفہ وقت وہ روحانی طبیب ہیں جو زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض کی تشخیص کر کے اُس کا علاج تجویز فرماتے ہیں۔ امام کی نصائح پر عمل کر کے ہم اپنی زندگیوں میں نکھار پیدا کر سکتے ہیں۔ امام کے ارشادات آنکھوں کی راہ سے دلوں میں اُتر کر ہیجان پیدا کرتے ہیں، علم و عمل کی نئی راہیں متعین ہوتی ہیں، ان میں ایسا نور، سچائی اور ایسی صداقت ہے کہ جی بھر کر دیکھنے کے باوجود جی نہیں بھرتا بلکہ پیاس بڑھتی چلی جاتی ہے جو ہر نئے گھونٹ کے ساتھ محبت کے نئے جام پلاتی ہے۔ ہر خطبہ جمعہ روحانیت کا ایک نیا جام لے کر آتا ہے جو دلوں میں علم و عرفان اور ایمان ویقین کے بیج بوتا چلا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں جب دنیا حقیقی رہنمائی سے محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلیفہ وقت کی صورت میں حقیقی رہنمائی کرنے والا وجود بخشا ہے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کریں وہ کم ہے۔ وقت کے امام کو مان کر اس کی جماعت میں شامل ہونے والوں پر بہت بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی پوری کوشش کریں۔ خدا کرے کہ ہم انفرادی اصلاح کرتے ہوئے، بہترین قوم کے بہترین فرد بن کر، اس نئی زمین اور نئے آسمان کے بنانے میں اپنا کردار ادا کریں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فضل خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گزرے

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

۞۞۞۞

﴿29﴾ ﴿مشاہدات۔634﴾

مدرسہ میرا، میری ذات میں ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (المجادلہ:12)

اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور خصوصاً اُن کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے اور اللہ اُس سے جو تم کرتے ہو ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

قرآں کو یاد رکھنا پاک اِعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صِدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

معزز سامعین! مجھے آج معروف شاعر جناب ساقی امروہوی کے ایک شعر پر لب کشائی کرنی ہے۔ مکمل شعر یوں ہے۔

مدرسہ میرا، میری ذات میں ہے
خود مُعلّم ہوں، خود کتاب ہوں مَیں

جب اِس دنیا سے کوئی بڑا آدمی، کوئی نامور عالِم، کوئی حکیم، کوئی فلاسفر یا سائنسدان رخصت ہوتا ہے تو مختلف انداز، مختلف پیرایوں اور مختلف الفاظ میں اُسے خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ اُس کی خداداد صلاحیتوں، قابلیتوں کو یہ کہہ کر خراجِ عقیدت پیش کیا جارہا ہوتا ہے کہ وہ تو اپنی ذات میں ایک دفتر تھے۔ وہ تو چلتے پھرتے انسٹیٹیوٹ تھے، وہ ایک مکمل ادارہ تھے۔ وہ تو زمانہ کا ایک باب تھے اور وہ تو علمی میدان میں پورے کا پورا مدرسہ تھے وغیرہ وغیرہ۔ یہ خراجِ عقیدت بنتا تو تب ہے جب ایک نافع النّاس وجود اپنے

پیچھے سینکڑوں، ہزاروں ایسے لوگ یادگار چھوڑ گیا ہو جو صدقہ جاریہ کے طور پر اِس مرحوم کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہوں اور اُس کے نام کو زندہ رکھ رہے ہوں اور وہ واقعی ایک مدرسہ تھا جس کی درس گاہ سے شعور پانے والوں اور علم حاصل کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہو۔ وہ واقعتاً ایک کتاب تھا جس سے علم اور فیض پا کر آج بھی لوگ مستفیض ہوتے ہوں۔ اِس خراجِ عقیدت میں کسی قسم کا دکھاوا، انا، تکبر اور فخر کا شائبہ تک نظر نہیں آتا کیونکہ یہ خراجِ عقیدت غیر پیش کر رہے ہوتے ہیں لیکن زیرِ نظر تقریر کے عنوان پر باریک بینی سے غور کریں تو اس کے منفی اور مثبت دونوں پہلو نظر آتے ہیں اور بنظرِ غائر دیکھنے اور غور کرنے سے مثبت پہلو، منفی پہلو پر حاوی ہیں۔ اِسی لیے مَیں نے اِس کو موضوعِ سُخن بنایا ہے۔ منفی تو صرف اس لحاظ سے کہ ایک انسان اپنے آپ کو مدرسہ یا کتاب کہے جو بظاہر نظر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا کہے تو تب بات بھی بنتی ہے۔ اِس میں تکبّر، فخر، انا اور خود میاں مٹھو بننا، کہا جاسکتا ہے لیکن مثبت پہلو کو سامنے رکھ کر پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ ہر شخص بالخصوص ایک مسلمان کو یہ عزم باندھنا چاہیے کہ مَیں اِس حد تک اسلامی تعلیمات اور دیگر علوم سے اپنے آپ کو مرصّع کر لوں کہ میری ذات صرف میرے تک محدود نہ رہے بلکہ میرے علم سے لوگ فیض پائیں اور مَیں اپنے لیے اور غیروں کے لیے مدرسہ بنوں۔ ایک انسٹیٹیوٹ بنوں۔ میرے اندر علوم کا ایسا خزانہ ہو کہ مَیں خود بھی اِس سے فائدہ اٹھاؤں اور دوسرے بھی مجھ سے فائدہ اٹھائیں اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مَیں کوئی علم اپنے ساتھ نہیں لایا یہ اُس خدا کی دین اور عنایت ہے جو عالِمِ کُل ہے۔

سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے

سامعین! علم حاصل کرنے کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُطلُبُوا الْعِلمَ مِنَ الْمَهدِ إِلَى اللَّحْدِ اور ایک روایت میں ہے کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنِ کہ علم پنگھوڑے یعنی بچپن سے لے کر لحد یعنی وفات پانے تک حاصل کرتے رہو پھر فرمایا کہ علم حاصل کرو خواہ اِس کے لیے تمہیں چین جانا پڑے۔ دوسرا مفہوم ''مدرسہ میرا، میری ذات میں ہے'' کا یہ ہے کہ مدرسہ، پڑھانے کی جگہ یعنی درس گاہ کو کہتے ہیں جہاں اَور مدرّس بھی ہوتے ہیں، طلبہ بھی ہوتے ہیں، لائبریری اور کتب ترتیب سے پڑی ہوتی ہیں جس سے طلبہ تو فائدہ اٹھاتے ہی ہیں اساتذہ بھی مستفیض ہو رہے ہوتے ہیں اور علوم و فیوض کا تبادلہ بھی

ہوتا رہتا ہے۔ یہ تمام چیزیں اگر کسی نے دیکھنی ہوں تو ہم میں سے ہر شخص اپنے اندر دیکھے کہ وہ اپنی ذات میں متعلّم بھی ہے یا نہیں، معلّم بھی ہے یا نہیں، کتاب بھی ہے یا نہیں، دوسروں کے لیے مفید وجود بھی ہے یا نہیں۔ وہ یہ سوچے کہ لوگ مجھ سے علم حاصل کرتے ہیں۔ میرے اندر تکبّر اور فخر تو نہیں ہے۔ جس طرح تدریس گاہیں، اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیاں اپنا نام پیدا کر لیتی ہیں اور لوگ بہت دُور دُور سے اپنے بچوں کو نام رکھنے والے اِن تعلیمی اداروں میں پڑھانے کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ بات بڑے فخریہ انداز میں بیان کی جاتی ہے کہ مَیں یا میرا بچہ فلاں کالج یا یونیورسٹی سے پڑھا ہوا ہے۔ بعینہٖ ہر انسان یہ سوچے کہ مَیں اپنی تعلیم اور کردار سے ایک ایسا تعلیمی ادارہ بن چکا ہوں جس کی ایک پہچان ہے۔ مَیں جہاں اپنے لیے خود ہی مدرسہ ہوں وہاں دوسروں کے لیے علم کی آماجگاہ بھی ہوں۔

سامعین! شاعر اس شعر میں مزید یہ کہنا چاہتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں مدرسہ تو ہے ہی اِسی مدرسہ میں وہ معلّمِ یعنی استاد بھی ہے اور کتاب بھی جس پر اُس کا کردار لکھا ہوا ہے۔ اس مدرسہ میں تدریس حاصل کرنے والے طلبہ جہاں اُس سے علم حاصل کرتے ہیں وہاں وہ یہ بھی سوچے کہ میرے کردار اور میرے نمونہ کو دیکھ کر وہ طلبہ کچھ سیکھتے بھی ہیں اور مَیں بطور معلّمِ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ پر عمل کرتا ہوں کیونکہ اِس ارشاد میں اُس معلّمِ کو مُعلمین میں بہترین قرار دیا گیا ہے جو قرآن کو خود سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔ وہ یہ سوچے کہ اُس کے لیے یہی الٰہی کتاب نمونہ ہے۔ مَیں نے اِسی کو پہلے اپنے اندر اُتارنا ہے اور پھر کوشش کرنی ہے کہ میرے دوسرے شاگرد بھی اِس کتاب پر عمل پیرا ہو کر اپنی عاقبت سنواریں۔ اِس کے اندر جو 700 احکاماتِ خداوندی ہیں اُن پر پوری طرح کاربند ہونے کی کوشش کرے اور طلبہ سے بھی کروائے۔ وہ عملاً یہ کہہ رہا ہے کہ دراصل یہی وہ پیاری کتاب ہے جس کا مَیں معلّمِ ہوں اور یہی وہ کتاب ہے جو میرے مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ اِسی عظیم کتاب کے ذیل میں احادیث کی تعلیم سے آراستہ ہو کر مدرسہ میں تعلیم دیتا ہوں۔ پھر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور آپؑ کے علم سے مستفیض ہوتا ہے اور دنیا میں پھیلے علوم سے آشنا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اُن کی کتب کو پڑھتا ہے یوں وہ اپنے لیے اور دوسروں کے افادہ عام

کے لیے مدرسہ کا درجہ رکھتا ہے جس میں وہ تعلیم بھی خود دیتا ہے اور قرآن کریم و دیگر کتب کا پرچار بھی کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 161)

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

”ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان کامل دنیا میں نہیں گزرا لیکن آپؐ کو بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا کی تعلیم ہوئی تھی۔ پھر اور کون ہے جو اپنی معرفت اور علم پر کامل بھروسہ کر کے ٹھہر جاوے اور آئندہ ترقی کی ضرورت نہ سمجھے۔ جوں جوں انسان اپنے علم اور معرفت میں ترقی کرے گا اسے معلوم ہوتا جاوے گا کہ ابھی بہت سی باتیں حل طلب باقی ہیں۔ بعض امور کو وہ ابتدائی نگاہ میں ... بالکل بے ہودہ سمجھتے تھے لیکن آخر وہی امور صداقت کی صورت میں ان کو نظر آئے۔ اس لئے کس قدر ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کو بدلنے کے لئے علم کو بڑھانے کے لئے ہر بات کی تکمیل کی جاوے۔ تم نے بہت ہی بے ہودہ باتوں کو چھوڑ کر اس سلسلے کو قبول کیا ہے۔ اگر تم اس کی بابت پورا علم اور بصیرت حاصل نہیں کرو گے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا۔ تمہارے یقین اور معرفت میں قوت کیونکر پیدا ہو گی۔ ذرا ذرا سی بات پر شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اور آخر قدم کو ڈگمگا جانے کا خطرہ ہے۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 141-142)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ دعا سکھا کر مومنوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے یہ دعا صرف برائے دعا ہی نہیں کہ منہ سے کہہ دیا کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ کر اور یہ کہنے سے علم میں اضافے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ بلکہ یہ توجہ ہے مومنوں کو کہ ہر وقت علم حاصل کرنے کی تلاش میں بھی رہو، علم حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتے رہو۔ طالب علم ہو تو محنت سے پڑھائی کرو اور پھر دعا کرو تو اللہ تعالیٰ

حقائق اشیاء کے راستے بھی کھول دے گا۔ علم میں اضافہ بھی کر دے گا اور پھر صرف یہ طالب علموں تک ہی بس نہیں ہے بلکہ بڑی عمر کے لوگ بھی یہ دعا کرتے ہیں اور اس دعا کے ساتھ اس کوشش میں بھی لگے رہیں کہ علم میں اضافہ ہو اور اس کی طرف قدم بھی بڑھائیں۔ تو یہ ہر طبقے کے سب عمروں کے لوگوں کے لئے یہی دعا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ یعنی چھوٹی عمر سے لے کے، بچپنے سے لے کے آخری عمر تک جب تک قبر میں پہنچ جائے انسان علم حاصل کرتا رہے۔ تو یہ اہمیت ہے اسلام میں علم کی۔ پھر اس کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ لگالیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم یا دعا پر سب سے زیادہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا۔ اور آپؐ عمل کرتے تھے، اللہ تعالیٰ تو خود آپؐ کو علم سکھانے والا تھا اور قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب بھی آپ پر نازل فرمائی جس میں کائنات کے سربستہ اور چھپے ہوئے رازوں پر روشنی ڈالی جس کو اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شاید سمجھ بھی نہ سکتا ہو۔ پھر گزشتہ تاریخ کا علم دیا، آئندہ کی پیش خبریوں سے اطلاع دی لیکن پھر بھی یہ دعا سکھائی کہ یہ دعا کرتے رہیں کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ بہر حال ہر انسان کی استعداد کے مطابق علم سیکھنے کا دائرہ ہے اور اس دعا کی قبولیت کا دائرہ ہے۔ وہ راز جو آج سے پندرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے بتائے آج تحقیق کے بعد دنیا کے علم میں آرہے ہیں۔ یہ باتیں جو آج انسان کے علم میں آرہی ہیں اس محنت اور شوق اور تحقیق اور لگن کی وجہ سے آرہی ہیں جو انسان نے کی۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 18 جون 2004ء)

آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آج یہ ذمہ داری ہم احمدیوں پر سب سے زیادہ ہے کہ علم کے حصول کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کریں، زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی قرآن کریم کے علوم و معارف دیئے گئے ہیں اور آپؑ کے ماننے والوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مَیں انہیں علم و معرفت اور دلائل عطا کروں گا۔ تو اس کے لئے کوشش اور علم حاصل کرنے کا شوق اور دعا کہ اے میرے اللہ! اے میرے رب! میرے علم کو بڑھا، بہت ضروری ہے۔ گھر بیٹھے یہ سب علوم و معارف نہیں مل جائیں گے اور پھر اس کے لئے کوئی عمر کی شرط بھی نہیں ہے۔ تو سب سے پہلے تو قرآن کریم کا علم

حاصل کرنے کے لئے، دینی علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بے بہا خزانے مہیا فرمائے ہیں ان کو دیکھنا ہوگا۔ ان کی طرف رجوع کریں، ان کو پڑھیں کیونکہ آپؑ نے ہمیں ہماری سوچوں کے لئے راستے دکھا دیئے ہیں۔ ان پر چل کر ہم دینی علم میں اور قرآن کے علم میں ترقی کر سکتے ہیں اور پھر اسی قرآنی علم سے دنیاوی علم اور تحقیق کے بھی راستے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے جماعت کے اندر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب پڑھنے کا شوق اور اس سے فائدہ اٹھانے کا شوق نوجوانوں میں بھی اپنی دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔ بلکہ جو تحقیق کرنے والے ہیں، بہت سارے طالب علم مختلف موضوعات پر ریسرچ کر رہے ہوتے ہیں، وہ جب اپنے دنیاوی علم کو اس دینی علم اور قرآن کریم کے علم کے ساتھ ملائیں گے تو نئے راستے بھی متعین ہوں گے، ان کو مختلف نہج پر کام کرنے کے مواقع بھی میسر آئیں گے جو اُن کے دنیادار پروفیسر ان کو شاید نہ سکھا سکیں۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 18 جون 2004ء)

میرے بھائیو! اِس سلسلہ میں قرآنی دعا رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کے ساتھ ساتھ ماموِر زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دو الہامی دعائیں بھی زیر ورد رکھیں۔ رَبِّ اَرِنِیْ حَقَآئِقَ الْاَشْیَآءِ کہ اللہ! مجھے اشیاء کی پاتال تک پہنچنے کی توفیق دے اور دوسری دعا یہ ہے کہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْوَارَکَ الْکُلِّیَّۃِ کہ اے میرے رب! مجھے اپنے تمام انوار دکھلا۔

پس اے سامعین! اپنے آپ کی ایسے رنگ میں تعمیر کرو اور اِس حد تک قرآن، حدیث، کتب مسیح موعود علیہ السلام کا مطالعہ کرو کہ آپ دنیا بھر میں مدرسہ بھی سمجھے جاؤ، معلّم بھی۔ جہاں علم کی آماجگاہ ہو اور آپ ایک ایسی کتاب ہو جاؤ جس کو پڑھ کر، دیکھ کر بھٹکے ہوئے لوگ راستہ تلاش کریں اور جب آپ کی رخصتی کا وقت آئے تو بقول عرب شاعر جب تُو پیدا ہوا تھا تو تُو رو رہا تھا اور لوگ ہنس رہے تھے۔ اب ایسے کام کر جاؤ کہ تمہاری وفات پر تم ہنستے مسکراتے اپنے خدا کے حضور حاضر ہو رہے ہو اور تمہارے ارد گرد لوگ تمہاری عظیم شخصیت ہونے کے ناطے رو رہے ہوں۔ کان اللہ معکم

دکھائے جو ہر دم ترا حُسن مجھ کو
میری جاں! مَیں وہ آئینہ چاہتا ہوں

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿30﴾ ﴿مشاہدات۔309﴾

تبلیغ حق۔ اصلاح نفس کا ذریعہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حٰم السجدہ:34)

ترجمہ: اور بات کہنے میں اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک اعمال بجالائے اور کہے کہ میں یقیناً کامل فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

خدا نے ہے خضرِ رَہ بنایا ہمیں طریقِ محمدیؐ کا
جو بھولے بھٹکے ہوئے ہیں ان کو صنم سے لاکر ملائیں گے ہم
مٹا کے کفر و ضلال و بدعت کریں گے آثارِ دیں کو تازہ
خدا نے چاہا تو کوئی دن میں ظفر کے پرچم اُڑائیں گے ہم

سامعات! میری تقریر کا عنوان ہے تبلیغ حق، اصلاح نفس کا ذریعہ

مَیں آج اپنی تقریر میں اپنی بہنو کی توجہ سورۃ حٰم السجدہ کی آیت جو مَیں نے آغاز میں تلاوت کی ہے کی طرف مبذول کروانا چاہتی ہوں۔ یہ آیت تبلیغِ اسلام کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک انسان روزانہ ہی اپنی زبان سے بے شمار "بول" بناتا ہے جسے ہم "پُکار" بھی کہہ سکتے ہیں یا آوازیں بُلند کرتا ہے۔ اِن بول یا آوازوں میں سے بعض گھریلو امور چلانے کے لئے ہوتی ہیں۔ بعض بول کاروبار چلانے کے لئے بنائے جاتے ہیں جس میں کاروبارِ زندگی بھی شامل ہیں۔ لیکن وہ بول یا پُکار یا آواز جو اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے کے لئے بلند کی گئی ہو یا اللہ کے نام کو اونچا کرنے کے لیے بلند کی گئی ہو وہ آواز، وہ بول اور وہ پکار کتنی ہی مبارک ہو گی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس آواز یا قول سے اچھا کون سا قول ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بُلانے کے لئے بلند کیا جائے جسے ہم اپنی زبان میں دعوتِ الی اللہ کا نام دیتے ہیں۔ محولہ بالا آیت میں

دعوتِ الی اللہ کے لئے بنائی گئی آواز کا پہلا اصول وَعَمِلَ صَالِحًا کے الفاظ میں بیان ہوا ہے جو آج کی تقریر کا خلاصہ یا لُبّ لباب ہے۔ مطلب یہ کہ جب تم دعوتِ الی اللہ کر رہے ہو۔ جس اہم امر کی طرف تُم لوگوں کو اللہ کی طرف بُلانے لگے ہو یا ارادہ رکھتے ہو تو پہلے تم خود اس امر پر عمل پیرا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اہل خانہ کو یا کسی جماعتی عہدہ کی حیثیت سے تم لوگوں کو نماز باجماعت کی ادائیگی کی طرف جب بلاؤ تو اِس امر کی تسلّی کر لو کہ کیا تُم خود نماز باجماعت کے عادی ہو۔ اگر نہیں تو تمہاری آواز میں کوئی تاثیر نہ ہوگی۔ اِسی طرح جماعت سے باہر کسی کو تبلیغ کرنے لگے ہو جو ایک فریضہ ہے آپ کا۔ تو پہلے خود مثالی احمدی بنو تا آپ کی آواز کا غیر کے دل میں اثر ہو اور وہ احمدی ہو جائے۔ یہ اصلاحِ نفس کا پہلا ذریعہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”جس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں۔ مجھے اس کے ایمان کا خطرہ ہے کیونکہ اس میں تکبر کی ایک جڑ ہے۔ اگر خدا راضی نہ ہو تو گویا یہ برباد ہو گیا۔ پس جب اس کی اپنی اخلاقی حالت کا یہ حال ہے تو اسے دوسرے کو کہنے کا کیا حق ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 590 ایڈیشن 1988ء)

پیاری بہنو! اِس آیت کے آخری حصہ وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ میں بھی اصلاحِ نفس کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم تبلیغ کر رہے ہو، دعوتِ الی اللہ میں مصروف ہو اور کسی نیکی کی طرف دوسرے کو بُلا رہے ہو تو تم یہ بھی اعلان کرو کہ مَیں مسلمانوں سے ہوں۔ ان الفاظ میں بہت ہی عمدہ انداز میں جماعت احمدیہ کی موجودہ پوزیشن واضح ہوتی ہے کہ مخالف کہیں گے تم مسلمان نہیں جبکہ جماعت احمدیہ کا ہر بندہ یہ دعویٰ کر رہا ہو گا کہ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہ مَیں مسلمانوں سے ہوں۔ اس لیے یہ آیت بھی جہاں جماعت احمدیہ پر لاگو ہوتی ہے وہاں افراد جماعت پر تبلیغ کے حوالے سے بہت بڑی ذمہ داری میں ڈالتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو مسلمانی کا جو اعزاز ملا ہے اس کی اپنے اعمال سے قدر اور عزت کرنی ہے۔

ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے
”اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے“

پیاری بہنو! تبلیغ کی اعلیٰ ذمہ داری سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات بھی سرخرو ہوئیں۔ صحابیاتِ رسولؐ نے ایک طرف اپنے اعمال سے مبلغہ اسلام کا نام اپنے سر کیا اور دوسرے مشکلات اور مصائب بھی اسلام کی خاطر برداشت کئے۔ وہ اپنے رب اللہ تعالیٰ کو اپنے اندر سمونے والی تھیں۔ خدا کا عکس اُن کے اندر نظر آتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی اور خوفِ الٰہی رکھتی تھیں۔ پنجوقتہ نمازیں ادا کرتیں، تلاوت باقاعدگی سے کرتیں، زکوۃ اور مالی قربانی اپنی طاقت سے بڑھ کر کرتیں تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہاء محبت و پیار کرتیں اور حضورؐ کی باتیں سُن کر عمل کرنے کے لئے کوشاں نظر آتی تھیں۔

سامعات! تبلیغِ حق اور اصلاحِ نفس کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تبلیغ کا لفظ سُن کر یا انسان ذہن میں لفظ تبلیغ لاتے ہی اپنے جسم کو جھنجھوڑتا ہے کہ یہ تو کارِ نبوت ہے۔ تبلیغ کرنے سے مَیں درجہ کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ ملنے لگی ہوں اس لیے اِس میں کامیابی کے لئے وہ اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے۔ اُس سے دعائیں مانگتی، نوافل ادا کرتی، معاشرے میں دیگر خواتین سے بھی دعا کی درخواست کرتی ہے۔ یہ سب طریق اصلاحِ نفس کے ذرائع ہیں۔

پیاری ممبرات! تبلیغ، اصلاحِ نفس کا ایک ذریعہ اِن معنوں میں بھی ہے کہ نہ حالات سازگار ملتے ہیں اور نہ ماحول۔ مخالفت ہوتی اور خوب ہوتی ہے جو برداشت کرنی پڑتی ہے۔ گالیاں سُن کے دُعا دو پاکے دکھ آرام دو کی تعلیم پر عمل کرنا پڑتا ہے اور برداشت اصلاحِ نفس کا ذریعہ ہے۔ اِس سے داعی الی اللہ کی اصلاح ہوتی ہے۔ نیز اس شعر کے دوسرے مصرع میں کبر کی عادت جو دیکھو تو دکھلاؤ انکسار میں بھی اصلاح نفس ہی کی طرف اشارہ ہے۔ تبلیغ کریں گے گالیاں سنیں گے تو تکبّر اور رعونت کا بیج مارا جائے گا، فنا ہو جائے گا اور انکساری گھر کر جائے گی تو اصلاح نفس ہو گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ جتنا کسی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُتنا ہی زیادہ اُسے عزت میں بڑھاتا ہے۔ جتنی زیادہ کوئی تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنا ہی اُسے بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 758)

پیاری ممبراتِ لجنہ! تبلیغ کرنے سے جب تعلقات بڑھتے ہیں تو واقفین اور تعلق داروں کا دائرہ بڑھا ہوتا جاتا ہے تو اس سے خاکساری اور تواضع بڑھنے لگتی ہے جس سے نفس کی اصلاح ہونے لگتی ہے۔ مبلغہ کا رجحان اور جھکاؤ اپنے اللہ کی طرف ہوتا جاتا ہے۔ دِل پسیجتا اور نرم ہوتا ہے۔ جس سے دعائیں کرنے کو دل کرتا ہے۔ انسان اللہ کی طرف بڑھتا ہے اور اللہ اپنے بندے کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا o وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا (الشمس:10-11) کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اُس کے لیے ذرائع بروئے کار لایا وہ کامیاب ہو گیا جس نے اِسے نفسانی خواہشات کے تابع ڈال دیا وہ ناکام و نامراد ہو گیا۔

اے میرے الفت کے طالب یہ میرے دل کا نقشہ ہے
اب اپنے نفس کو دیکھ لے تُو، وہ ان باتوں میں کیسا ہے

ذاتی اصلاح کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے اُس میں تبلیغِ حق کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اس کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو اور اس کے لئے ہر ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دی کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔“

(کشتی نوح صفحہ 17)

ممبرات لجنہ! پھر ہم نے دیکھا ہے کہ ہم میں سے جو دعوتِ الی اللہ کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسروں تک پہنچاتی ہیں۔ اس سے خلیفۃ المسیح دوسروں سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ وہ دربارِ خلافت تک رسائی پاتی ہے بالخصوص اس وقت جب اُسے تبلیغ کے نتیجہ میں بیعت یا بیعتیں نصیب ہوتی ہیں تو خلافت کے ساتھ جب تعلق مضبوط ہوتا ہے تو اصلاحِ نفس ہوتی ہے کیونکہ صادقوں کی صحبت میں رہنا اصلاحِ نفس کا ایک ذریعہ ہے۔ آج صادقوں کی صحبت میں سب سے اولیٰ خلیفۃ المسیح کی محبت ہے جس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

ممبرات! تقریر کے آخری حصہ میں مَیں ہر داعی اِلَی اللہ کو کامیابیوں کے لئے دُعا کی طرف توجہ دلانی چاہتی ہوں۔ اصلاحِ نفس اور ذاتی اصلاح کا یہ ایک نادر ذریعہ ہے اور تبلیغ حق کے لئے دعاؤں سے کام لینا بہت ضروری ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سب گم گشتہ راہ ہو سوائے اُن لوگوں کے جن کو مَیں صحیح راستہ کی ہدایت دوں۔ پس مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ:38)

پس جب دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ ہدایت کے سامان مہیا فرما دے گا تو ذاتی اصلاح کے سامان بھی ہوں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پہلے نمونہ بنو پھر اسلام کی تبلیغ کرو، اس کے کمالات دنیا میں پھیلاؤ۔ پس تبلیغ کے لئے بھی اپنی حالتوں میں پہلے پاک تبدیلیاں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک سچے مسلمان کا نمونہ جب انسان بن جائے تو پھر سوال ہی نہیں کہ لوگوں کی توجہ پیدا نہ ہو۔ وہ نمونہ دیکھ کر ہی لوگ توجہ پیدا کر دیتے ہیں اور اس طرح باقاعدہ تبلیغ سے پہلے تبلیغ کے راستے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں“۔

(خطبہ جمعہ 8 ستمبر 2017ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ایک داعی الی اللہ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی ایک شرط اور بہت اہم شرط اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نیک اعمال بجالانے والا ہو۔ اپنے نیک عمل ہوں گے تو تب ہی دوسروں کو بھی نیکی کی طرف بلایا جا سکتا ہے۔ دوسرے کو بھی کہا جا سکتا ہے کہ آؤ مَیں تمہیں دکھاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے ایک فرستادہ نے، ایک شخص نے جو اس زمانے کی اصلاح کے لئے آیا ہے، مجھے ایسے راستے بتائے ہیں جن پر چل کر مَیں خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا بن گیا ہوں یا اس طرف چل کے مَیں بہت لحاظ سے، ایک حد تک اپنے دل میں سکون اور چین پاتا ہوں اور اس طرف میرے ترقی کے قدم بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کی طرف مَیں اس تعلیم کی وجہ سے متوجہ ہوا ہوں۔ آؤ تم بھی میری باتیں سنو۔

جس طرح مَیں فرمانبردار بننے کی کوشش کر رہا ہوں، تم بھی اس دین کی طرف آؤ اور اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے کی کوشش کرو۔"

(خطبہ جمعہ 9 اپریل 2010ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنی اصلاح کی خاطر دعوت الی اللہ اور تبلیغ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اُسے دے چکے مال و جان بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

❁❁❁❁

﴿31﴾ ﴿مشاہدات۔ 601﴾

سامانِ زیست

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (البقرۃ:224)

کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس اپنی کھیتیوں کے پاس جیسے چاہو آؤ اور اپنے نفوس کے لئے (کچھ) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم ضرور اس سے ملنے والے ہو اور مومنوں کو (اس امر کی) بشارت دے دے۔

نفرت نہیں کسی سے، محبت سبھی سے ہے
سارے جہاں کو ساتھ ملانے کا دن ہے آج
ناراضگی کو جانے دو غصے کو بھول جاؤ
روٹھے ہوؤں کو دل سے منانے کا دن ہے آج

معزز سامعین! آج خاکسار کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر گفتگو کرنی ہے جس میں آپؐ نے عورت کو ''سامانِ زیست'' قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ دنیا تو سامانِ زیست ہے اور نیک عورت سے بڑھ کر کوئی اور سامانِ زیست نہیں ہے۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب فضل النکاح)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر حُسنِ معاشرت کی تعلیم دی ہے۔ پھر اس الٰہی تعلیم کی روشنی میں ہمارے بہت ہی پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ان کی تشریح وتصریح میں حُسنِ معاشرت پر مزید تعلیمات کھول کر بیان فرمائیں وہاں اپنے عمل اور نمونہ سے اہل خانہ سے حُسنِ سلوک کی تعلیم دی۔

پیارے بھائیو! اس پیاری تعلیم اور اس پر اُسوۂ رسول بیان کرنے سے قبل سامانِ زیست کے لغوی معانی جاننے ضروری ہیں۔ سامان بولتے ہیں۔ اسباب، ضروری چیزیں، ضروریات، پُونجی، اثاثہ، مال و دولت، اصل زر یاراسُ المال جیسے سامانِ سفر، سامانِ حرب، سامانِ تجارت یاسامانِ تفریح۔ سامان کے لفظ کو جس زاویہ سے بھی دیکھیں ایسے اسباب کو کہتے ہیں جن کے بغیر زندگی کا پہیہ نہ چل سکے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عورت کو زندگی کو بہترین سامان قرار دیا ہے۔ زیست کہتے ہیں زندگی، عمر وغیرہ۔

انسان اپنی زندگی میں اپنے لئے، اپنے اہل وعیال کے لئے بہترین اسباب اور سامان کی تلاش میں رہتا ہے تا وہ اپنی زندگی آرام اور سکون سے گزار سکے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان کے لئے "متاع" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ اوپر جو خاکسار سامان کے معانی کر آیا ہے وہ تمام اس لفظ متاع پر لاگو ہوتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ کسی عورت سے نکاح کرنے کی چار ہی بنیادیں ہو سکتی ہیں اول اس کا مال وزر دیکھ کر۔ دوم اس کے خاندانی جاہ وجلال کو دیکھ کر۔ سوم اس عورت کے حُسن وجمال اور خوبصورتی دیکھ کر اور چہارم اس کی دینداری، نیکی اور تقویٰ دیکھ کر۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے مومن! تُو جب اپنے نکاح کے لئے کسی عورت کی تلاش میں نکلے تو تُو دنیدار، متقی اور صالحہ عورت کو ترجیح دے۔

(بخاری کتاب النکاح)

پھر ایک اور موقع پر فرمایا کہ تم ایسی عورتوں سے شادی کرو جو اَلْوُدُوْد اور اَلْوَلُوْد یعنی محبت کرنا جانتی ہوں اور جن کے ہاں زیادہ اولاد پیدا ہو۔ اس کی وجہ کیا فرمائی کہ تامَیں کثرتِ افراد کی وجہ سے سابقہ اُمتوں پر فخر کر سکوں۔

(ابوداؤد کتاب النکاح)

اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کو مَتَاعُ الدُّنْیَا یعنی زندگی کے سامان پر لاگو کر کے دیکھیں تو معانی یہ بنتے ہیں کہ جس طرح انسان دنیا کے سامان پر فخر کرتا ہے کہ میرے پاس اتنا زیادہ مال، زر ہے، ہیرے جواہرات ہیں ویسے ہی بانیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک، صالح اولاد کی کثرت کو اسلام کے لئے فخر قرار دیا۔

سامعین! پھر ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سی رفیقہ حیات بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کی طرف دیکھنے سے تمہاری طبیعت خوش ہو۔ اس کا خاوند اپنی بیوی سے جو کہے وہ بجالائے اور جس بات کو اُس کا خاوند ناپسند کرے اس سے وہ عورت بچے۔

(حدیقۃ الصالحین از ملک سیف الرحمن مرحوم صفحہ 390)

اب اس فرمان رسولؐ کو مَتَاعُ الدُّنْیَا پر اپلائی کریں تو کیا ہی حسین مفہوم سامنے آتا ہے کہ جس طرح تاجر اپنے سامانِ تجارت کو بڑھتا دیکھ کر خوش و خرم ہوتا ہے بعینہٖ وہ خاوند خوشی محسوس کرتا ہے جس کی بیوی سے اس کی اولاد بڑھوتڑی کا موجب ہو۔

ایک انسان سامانِ زیست جمع کرنے کے لئے اُس سامان کو غور سے دیکھتا ہے۔ اُس کے متعلق پوری تحقیق کرتا ہے۔ اگر غلہ گودام یا مارکیٹ میں پڑا ہو تو اس کے اندر اپنے ہاتھ ڈال کر بغور اسے پرکھتا ہے بعینہٖ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی عورت سے رشتہ کرنا چاہو تو اس لڑکی کی سیرت و عادات کے بارہ میں تحقیق کر لیا کرو۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے ایک بیوہ سے شادی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کنواری لڑکی سے شادی کرتے وہ تم سے کھیلتی اور تم اُس سے کھیلتے۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور! میرے والد شہید ہو چکے ہیں اور اپنے پیچھے چھوٹی چھوٹی میری بہنیں چھوڑ گئے ہیں۔ تو مَیں نے ایسی عورت سے شادی کی جو ان بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے۔

(بخاری کتاب الجہاد)

پیارے سننے والو! اب اس حدیث کو مَتَاعُ الدُّنْیَا (اَیْ) اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ۔ کے الفاظ کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو یہ ایک سامانِ تجارت ہے۔ جو اچھے مال کے ساتھ بڑھتا ہے نہ صرف بڑھتا بلکہ تاجر اس پر فخر کرتا ہے۔ ہمارے ہاں پاکستان میں ایک دیانت دار احمدی دوست سرکاری دفتر میں ملازم تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے بھی کوئی جائیداد بنائی ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ مَیں اپنی اس معمولی تنخواہ سے کوئی پلاٹ یا کوٹھی وغیرہ تو نہیں بنا سکا۔ ہاں! مَیں نے اپنے بچوں کو اعلیٰ دینی اور دنیاوی تعلیم دے کر اُنہیں بطور پلاٹس کے تیار کیا ہے۔ وہی میرا سامانِ زیست ہے یعنی زندگی کا سرمایہ ہے۔

سامعین! جہاں تک عورتوں سے حُسنِ معاشرت کا تعلق ہے۔ فرمایا کہ مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سے خُلق کے لحاظ سے بہترین وہ ہے جو اپنی عورتوں سے بہترین اور مثالی سلوک کرے۔

(ترمذی کتاب النکاح)

پھر ہم نے دیکھا کہ انسان اپنے سامانِ زیست کی حفاظت بھی کرتا ہے۔اِسے سنبھال کر رکھتا ہے۔ بعینہٖ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ میں اونٹوں کو جن پر خواتین (سامانِ زیست) سوار تھیں کو حُدِّی پڑھ کر تیز چلانے کی کوشش ہوتی دیکھی تو حُدِّی کرنے والے شخص کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے انجشہ! ذرا ٹھہر کر اور آہستہ حُدِّی خوانی کرو رُوَیْدَکَ سَوْقاً بِالْقَوَارِیْرِ

(مسلم کتاب الفضائل)

کہ یہ عورتیں شیشے اور آبگینے ہیں جو نازک مزاج ہیں۔ ان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔
سامعین! پھر ایسی اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ خاوند کی زندگی میں اِس حالت میں وفات پاجائے کہ اُس کا خاوند اُس سے خوش اور راضی ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔

(ابن ماجہ کتاب النکاح)

سامانِ زیست کے حوالہ سے کون کون سا فرمانِ رسول آپ سامعین کے سامنے رکھوں۔ ایک لمبی فہرست ہے۔ انسان کے سامان میں کبھی کبھار کھوٹ بھی نکل آتا ہے۔ فرمایا کہ اپنی مومنہ بیوی سے کبھی نفرت اور بغض نہ کرو۔ اگر ایک بات اس کی ناپسند ہے تو دوسری بات پسندیدہ بھی ہوگی۔ جائز اور ناجائز امور کی بات چلی ہے تو ایک اور حدیث آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ اَلطَّلَاقُ

(ابوداؤد کتاب الطلاق)

کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ بات طلاق ہے۔ جہاں تک بچوں کی یعنی سامانِ زیست کی اچھی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے۔ فرمایا۔ اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی بہترین تحفہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔

(ترمذی)

سامعین! اب اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو دیکھیں تو آپؐ نو(9) ازواجِ مطہرات کے ساتھ ایک وقت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپؐ کی ازواج کو یہ اختیار بھی دیا کہ اگر دنیا چاہتی ہو تو آپ آزاد ہیں مگر تمام کی تمام ازواج آپؐ کے حُسنِ سلوک کی وجہ سے آپؐ کو چھوڑنے کو تیار نہ تھیں۔ آپؐ تمام بیویوں سے حُسنِ سلوک فرماتے۔ اِن کے نان و نفقہ کا خیال رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مومنوں کو عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:20) کا حکم دے کر ارشاد فرمایا کہ ان سے نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ پھر فرمایا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ (النحل:73)

یعنی اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے تمہاری جنس میں سے ہی جوڑے پیدا کئے اور تمہیں تمہارے جوڑوں میں سے ہی بیٹے اور پوتے عطا کئے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا۔ تو پھر کیا وہ باطل پر تو ایمان لائیں گے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کر دیں گے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اس الہام (خُذُوا الرِّفْقَ الرِّفْقَ فَاِنَّ الرِّفْقَ رَاْسُ الْخَيْرَاتِ کہ نرمی کرو، نرمی کرو کہ تمام نیکیوں کا سر نرمی ہے) میں تمام جماعت کے لیے تعلیم ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ رفق اور نرمی کے ساتھ پیش آویں وہ ان کی کنیزیں نہیں ہیں۔ در حقیقت نکاح مرد اور عورت کا باہم ایک معاہدہ ہے۔ پس کوشش کرو کہ اپنے معاہدہ میں دغاباز نہ ٹھہرو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:20) یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کے ساتھ زندگی کرو اور حدیث میں ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ بِاَهْلِهٖ یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ سو روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ ان کے لیے دُعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو کیونکہ نہایت بد خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے۔ جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو ایک گندہ برتن کی طرح جلد مت توڑو۔“

(اربعین نمبر 3، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 428 حاشیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

”مَیں نے گھریلو زندگی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کو اپنے اہل سے اپنے گھر والوں سے حسنِ سلوک کا کس طرح ارشاد فرماتے تھے؟۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش ہو کر یہ بیان کیا کہ میری بیوی اپنے میکے میں اتنا عرصہ رہ کر آئی ہے اور اب مَیں نے ارادہ کیا ہے کہ اُسے کبھی میکے نہیں جانے دینا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کو سُن کر بڑا رنج پہنچا، بڑی تکلیف ہوئی۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے کہا کہ ہماری مجلس سے چلے جاؤ کہ یہ باتیں ہماری مجلس کو گندہ کر رہی ہیں اور آپ نے کافی سخت الفاظ اُنہیں فرمائے۔ پھر اُنہوں نے معافیاں مانگیں۔ ایک دوسرے صحابی جو اپنی بیوی سے زیادہ حُسنِ سلوک نہیں کرتے تھے وہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، وہ وہاں سے فوراً اُٹھ کر بازار گئے۔ بازار جا کر کچھ چیزیں بیوی کے لئے خریدیں اور گھر لے جا کر اُس کے سامنے رکھیں کہ یہ تمہارے لئے تحفہ ہیں اور بڑے پیار سے باتیں کیں۔ بیوی پریشان کہ آج میرے خاوند کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ انقلاب کیسا ہوا ہے؟ اُس سے پوچھا کہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیوی سے بدسلوکی کا بیان ہونے پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخت تکلیف اور ناراضگی دیکھ کر آیا ہوں۔ اللہ میرے گزشتہ گناہ معاف کرے۔ جو تم سے مَیں سلوک کرتا رہا تم بھی مجھے معاف کرو اور آئندہ حُسنِ سلوک ہی کروں گا۔ (ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد 3 صفحہ 128-129 روایات محمد اکبر صاحبؓ)

تو یہ تبدیلی ہے جو ہدایت کے راستوں کی طرف لے جاتی ہے۔ گھریلو زندگی سے شروع ہوتی ہے۔ معاشرے میں پھیلتی ہے اور پھر دنیا میں پھیلتی ہے اور اسی بات کا آج ایک احمدی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عہدِ بیعت باندھا ہے اور اسی سے پھر اللہ تعالیٰ کے قرب کے رشتے حاصل ہوتے ہیں۔ تو ہدایت صرف کسی مامور کو مان لینا نہیں ہے یا نظام سے وابستہ ہو جانا ہی نہیں ہے بلکہ اپنی زندگیوں کو اُس تعلیم کے مطابق ڈھالنا اور اُس پر قائم ہونا ہدایت کی اَصل ہے، بنیاد ہے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا صرف حقوقُ اللہ کی ادائیگی کے لئے نہیں ہے۔ یہ دعا صرف اپنے ایمان کی مضبوطی کے

لئے نہیں ہے بلکہ حقوقُ العباد کی ادائیگی کے لئے بھی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو فرمایا ہے یہ دعا تمہاری زندگی کے ہر شعبے کے لئے ہے۔"

(خطبہ جمعہ 17 جون 2011ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عیال کے ساتھ نیک سلوک کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ بائی: فائقہ بشریٰ)

﴿32﴾ ﴿مشاہدات۔33﴾

"شادی ایک مدرسہ ہے"

(حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ)

معزز سامعات! میری تقریر کا موضوع ہے **"شادی ایک مدرسہ ہے"**

یہ موضوع حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اقتباس سے لیا گیا ہے جس میں آپ شادی جیسے مقدس تعلق کی حقیقت بتاتے ہوئے اسے مدرسے کی حیثیت قرار دیتے ہیں۔

معزز سامعات! مدرسہ کیا ہوتا ہے؟ وہاں کیا کام کیا جاتا ہے؟ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مدرسہ بھی گویا ایک طرح کا کارخانہ ہے جیسے کارخانوں میں خام مال سے کارآمد اشیاء تیار کی جاتی ہیں ان کو مشینوں سے گزار کر بھٹی میں تپا کر کندن بنایا جاتا ہے اسی طرح مدرسہ بھی ناپختہ دماغوں کو ایک مضبوط سوچ عطا کرتا ہے۔ کم علم والوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ عام انسان کو خاص بنایا جاتا ہے۔ عورت کو ترقی دے کر خاتون بناتا ہے۔ اسے دین و دنیا کے علوم کے بحر بے بیکراں میں شناوری کا ہنر سکھایا جاتا ہے۔ قابل اساتذہ کی بدولت شاگرد کی قسمت چمک جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا سارا علم و تجربہ اپنے شاگردوں کے ذہنوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ

"شاگرد نے جو پایا استاد کی دولت ہے"

بلاشبہ مدرسہ کسی بھی انسان کی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اب شادی اور مدرسے کا کیا تعلق بھلا؟ شادی تو دو انسانوں کے مابین ہوا کرتی ہے جس طرح مدرسہ میں بے شمار طلبہ، طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں لیکن استاد اور ہر اک شاگرد کا اپنا ایک الگ تعلق ہوا کرتا ہے اور وہی تعلق شاگرد کی اگلی زندگی کی کامیابی یا ناکامی کا تعین کرتا ہے اسی طرح شادی میں بھی بے شک دوسرے بہت سے رشتے شامل ہوتے ہیں لیکن اصل معاملہ میاں اور بیوی کا ہوتا ہے اگر ان کے درمیان ایک حقیقی اور سچا محبت بھرا تعلق موجود ہے تو پھر باقی سب رشتے بھی درست سمت میں ہی چلتے ہیں۔ اولاد بھی والدین کی محبت اور ایک

دوسرے کے لیے سچی ہمدردی دیکھ کر ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی عائلی زندگی بھی سنوار لیتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ باقی تمام رشتے بھی احسن رنگ میں نبھاتی ہے۔

کتاب رحمان میں خدائے رحمان ورحیم نے فرمایا ہے کہ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

(الروم:22)

اس کے نشانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کی طرف تسکین حاصل کرنے کے لیے جاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں ایسی قوم کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں بہت سے نشانات ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ مدرسہ کے قواعد بتاتے ہوئے فرماتے ہیں :

” جو بچے ابتدائی مرحلہ میں مدرسہ میں بٹھائے جاتے ہیں اُن کے لئے اور کتابیں ہوتی ہیں اور پھر جب اچھی طرح حروف شناس ہو جاتے ہیں تو پھر اور کتابیں اُن کو دی جاتی ہیں اور پھر جب استعداد اُس سے بھی بڑھ جاتی ہے تو دوسری کتابیں حسب استعداد ان کو دی جاتی ہیں اور سب کے بعد انتہائی کتاب کا وقت آتا ہے اور چونکہ خدا اپنی تعلیم میں گڑبڑ ڈالنا نہیں چاہتا اس لئے پیش از وقت کوئی قانون الہامی انسانوں کو نہیں دیتا کیونکہ جن تغیرات کا ابھی انسان کو علم ہی نہیں اُن تغیرات کے موافق انسان کو قانون دینا گویا اس کو سخت پریشانی میں ڈالنا ہے۔“

(روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 107)

صدر مجلس ! شادی کے معنی دلی خوشی، شادمانی اور راحت کے ہیں اگر اس سے خوشی اور راحت حاصل نہیں ہو رہی تو اس شادی کے رشتے پر محنت کرنے کی ضرورت ہے جیسے مدرسے میں اگر ہم کسی مضمون میں کمزور ہوتے ہیں یا اسے اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے تو اس کی بار بار مشق کرتے ہیں۔ اس مضمون کو خاص وقت اور توجہ دیتے ہیں تاکہ ہم اس پر عبور حاصل کر سکیں اس کے لیے بسا اوقات ٹیوشن بھی رکھتے ہیں تو

اسی طرح اگر شادی میں کسی طرح کی مشکل پیش آرہی ہے تو اسے اضافی وقت اور توجہ کی ضرورت ہے، اس پر محنت چاہیے۔ اگر خود سے معاملات حل نہیں ہو رہے تو کسی عقل مند اور معاملہ فہم بندے سے ٹیوشن بھی لے جاسکتی ہے جو غیر جانبدار ہو کر اس معاملے کی تہہ تک پہنچے اور اس کا مثبت حل تلاش کر کے اس شادی کو کامیاب کرنے کی کوشش میں مددگار ثابت ہو سکے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"شادیوں کا معاملہ محبت کی بنیاد کے قیام کے لیے ہے میاں بیوی کی محبت در حقیقت خدا ہی کی محبت کا ظِل ہے۔شادی ایک مدرسہ ہے جہاں خدا تعالیٰ کے عشق کا سبق پڑھایا جاتا ہے... اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے تعلقات کو اپنی محبت کا ایک نشان قرار دیا ہے... غرض ماں باپ کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت کا ایک ظل ہے، بیوی کی محبت بھی خدا تعالیٰ کی محبت کا ظل ہے اور اولاد کی محبت بھی خدا تعالیٰ کی محبت کا ایک ظل ہے... گویا یہ تینوں ایک درس گاہ ہیں جن میں انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبق سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔"

(خطبات محمود جلد سوم صفحہ 376)

اس اقتباس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا کا ہر خوبصورت اور مضبوط رشتہ دراصل خدا کی محبت کا ہی عکاس ہے۔ ہر ایسے پُر خلوص رشتے میں خدا جلوہ گر ہوتا ہے دو افراد جو بظاہر بالکل اجنبی ہیں، کیسے بے تکلفی، کیسے اخلاص اور کیسے اٹوٹ بندھن میں بندھ جاتے ہیں اور یہ تعلق کسی دوسرے رشتے میں نظر آنا بعید ہے۔ بیوی کے لیے جو شوہر کو مجازی خدا کا درجہ دیا گیا ہے یہ بھی اسی ضمن میں وہی تعلق باللہ کو سمجھانے کے لیے ہے کہ جس طرح میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں ایک دوسرے کے عیوب دنیا پر ظاہر نہیں کرتے ایسے ہی وہ حقیقی خدا بھی ستار ہے پردے رکھتا ہے پردہ دری کرنا اس کی صفت نہیں۔

پھر والدین کی محبت کا ذکر بھی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ظل ہیں اور اولاد بھی۔ اگر فی الوقت صرف شادی کے موضوع کو ہی زیر بحث لا کر والدین اور اولاد کا اس مدرسے میں کیا اہم کردار ہے اس کا تذکرہ کر لیا جائے۔

والدین کا کردار اس مدرسے میں پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر جیسا ہوتا ہے۔ جو گاہے بگاہے طالب علموں کی کارگردگی کا جائزہ لیتے اور ان میں مزید بہتری کیسے لائی جائے اس بارے میں لائحہ عمل مرتب دیتے ہیں اور اپنے

زندگی کے تجربات کی روشنی میں اعلیٰ نصائح کرتے ہیں پھر جیسے ہمدرد اساتذہ دوا اور دعا دونوں کرتے ہیں وہ بھی دعاؤں کے زادِ راہ ان کے ہمراہ کرتے ہیں جس کی بدولت ان کی زندگیاں سہل ہوتی جاتی ہیں۔

پھر اولاد ہے جو شادی شدہ زندگی میں خوشیاں بکھیرتی ہے اس کا کردار اگر ہم غیر نصابی سرگرمیوں جیسا سمجھ لیں جو ذہنی تھکن کو مٹا کر طلبہ کو تر و تازہ کرتی ہیں۔ جسمانی سرگرمیاں صحت کو بہتر کرتی ہیں اور ادبی سرگرمیاں ذہن کو جلا بخشتی ہیں۔ بہت سے طالب علم اگر پڑھائی میں اچھے نہ بھی ہوں تو ان کو غیر نصابی سرگرمیوں کی وجہ سے اضافی نمبرز مل جاتے ہیں اسی طرح اولاد بھی ایک ذریعہ ہوتا ہے شادی کو کامیاب بنانے کا، میاں بیوی کو جوڑ کر رکھنے کا۔ میاں بیوی اولاد کو لے کر ایک جیسی سوچ رکھتے ہیں دونوں ان کی بہتری چاہتے ہیں۔ اولاد کے لیے دونوں کا نفع نقصان سانجھا ہوتا ہے اسی لیے اولاد کی وجہ سے بھی یہ مدرسہ عمدگی سے چلتا رہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اولاد کے لیے یہ دعائیہ اشعار کہے جو بزبان حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا تھے یعنی دونوں والدین کی اپنی اولاد کے لیے یہی جذبات تھے۔

میری اولاد کو تُو ایسی ہی کر دے پیارے
دیکھ لیں آنکھ سے وہ چہرہ تاباں تیرا
عمر دے، رِزق دے اور عافیت و صحت بھی
سب سے بڑھ کر یہ کہ پا جائیں وہ عرفاں تیرا
اب مجھے زندگی میں ان کی مصیبت نہ دِکھا
بخش دے میرے گُنہ اور جو عِصیاں تیرا

سامعات! شادی کے مدرسہ میں مرد بہر حال زیادہ ذمہ دار ہوتا ہے جیسے کلاس کا مانیٹر جو پڑھائی تو باقی کلاس کے ساتھ ہی کر رہا ہوتا ہے لیکن اس پر باقی کلاس کی نسبت استاد نے کچھ اضافی ذمہ داریاں ڈالی ہوتی ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم نے مرد کو قوام بنا کر اس پر کچھ بھاری ذمہ داریاں ڈالی ہیں جن کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

”اگر مرد کوئی کجی یا خامی اپنے اندر رکھے گا تو عورت ہر وقت کی اس پر گواہ ہے۔ اگر وہ ثبوت لے کر گھر آیا ہے تو اس کی عورت کہے گی کہ جب خاوند لایا ہے تو میں کیوں حرام کہوں۔ غرضکہ مرد کا اثر عورت پر ضرور پڑتا ہے اور وہ خود ہی اسے خبیث اور طیب بناتا ہے اسی لیے لکھا ہے۔ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ (نور:27) اس میں یہی نصیحت ہے کہ تم طیب بنو ورنہ ہزار ٹکریں مارو کچھ نہ بنے گا۔ جو خدا سے خود نہیں ڈرتا تو عورت اس سے کیسے ڈرے؟ نہ ایسے مولویوں کا وعظ اثر کرتا ہے نہ خاوند کا۔ ہر حال میں عملی نمونہ اثر کیا کرتا ہے بھلا جب خاوند رات کو اٹھ اٹھ کر دعا کرتا ہے۔ روتا ہے تو عورت ایک دو دن تک دیکھے گی آخر ایک دن اسے بھی خیال آوے گا اور ضرور متاثر ہو گی۔ عورت میں متاثر ہونے کا مادہ بہت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب خاوند عیسائی وغیرہ ہوتے ہیں تو عورتیں ان کے ساتھ عیسائی وغیرہ ہو جاتی ہیں۔ ان کی درستی کے واسطے کوئی مدرسہ بھی کفایت نہیں کر سکتا خاوند کا عملی نمونہ کفایت کرتا ہے۔ خاوند کے مقابلہ میں عورت کے بھائی بہن وغیرہ کا بھی کچھ اثر اس پر نہیں ہوتا۔ خدا نے مرد عورت دونو کا ایک ہی وجود فرمایا ہے۔ یہ مردوں کا ظلم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو ایسا موقع دیتے ہیں کہ وہ ان کا نقص پکڑیں۔ ان کو چاہیئے کہ عورتوں کو ہرگز ایسا موقع نہ دیں کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ تو فلاں بدی کرتا ہے بلکہ عورت ٹکریں مار مار کر تھک جاوے اور کسی بدی کا پتہ اسے مل ہی نہ سکے تو اس وقت اس کو دینداری کا خیال ہوتا ہے اور وہ دین کو سمجھتی ہے۔“

(البدر جلد 2 نمبر 9 صفحہ 68 مورخہ 20 مارچ 1903ء)

نیز فرمایا:

”مرد اپنے گھر کا امام ہوتا ہے پس اگر وہی بد اثر قائم کرتا ہے تو کس قدر بد اثر پڑنے کی امید ہے۔ مرد کو چاہیئے کہ اپنے قویٰ کو برمحل اور حلال موقع پر استعمال کرے مثلاً ایک قوت غضبی ہے جب وہ اعتدال سے زیادہ ہو تو جنون کا پیش خیمہ ہوتی ہے جنون میں اور اس میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ جو آدمی شدید الغضب ہوتا ہے اس سے حکمت کا چشمہ چھین لیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی مخالف ہو تو اس سے بھی مغلوب الغضب

ہو کر گفتگو نہ کرے۔ مرد کی ان تمام باتوں اور اوصاف کو عورت دیکھتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ میرے خاوند میں فلاں فلاں اوصاف تقویٰ کے ہیں جیسے سخاوت، حلم، صبر اور جیسے اسے پرکھنے کا موقع ملتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ اسی لیے عورت کو سارق بھی کہا ہے کیونکہ یہ اندر ہی اندر اخلاق کی چوری کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ آخر کار ایک وقت پورا اخلاق حاصل کر لیتی ہے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ ایک دفعہ عیسائی ہوا تو عورت بھی اس کے ساتھ عیسائی ہو گئی۔ شراب وغیرہ اوّل شروع کی پھر پردہ بھی چھوڑ دیا۔ غیر لوگوں سے بھی ملنے لگی۔ خاوند نے پھر اسلام کی طرف رجوع کیا تو اس نے بیوی کو کہا تو بھی میرے ساتھ مسلمان ہو۔ اس نے کہا کہ اب میرا مسلمان ہونا مشکل ہے۔ یہ عادیتں جو شراب وغیرہ اور آزادی کی پڑ گئی ہیں یہ نہیں چھوٹ سکتیں۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 157-158 ایڈیشن 1988ء)

پیاری بہنو! حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی شوہر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا محبت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے عمل سے اپنی عائلی زندگیوں کو سنوارنے کا ہنر سکھایا اپنی ازواج سے بے حد شفقت ورحم کا سلوک، گھریلو کاموں میں مدد، ہنسی مذاق اور ہر بیوی کے دلی جذبات کا خیال رکھنا۔ یہی سلوک اور رحم دلی دیکھ کر آپؐ کی ہر زوجہ محترمہ آپؐ پر دل سے فدا تھیں اور محبت میں ایک دوسرے سے بڑھی ہوئی تھیں۔ ایک بار جنگ خیبر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت صفیہؓ کے لیے اونٹ پر جگہ بنا رہے ہیں۔ وہ جُبہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا ہوا تھا اتار کر تہہ کر کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھا۔ پھر سوار کراتے وقت اپنا گھٹنا ان کے آگے جھکا دیا اور فرمایا اس پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔

(بخاری)

غرض کہ آپؐ کی سیرت سے ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جب آپؐ نے اپنی بیویوں کے ساتھ محبت وشفقت کا سلوک فرمایا۔

بحیثیت لجنہ اماء اللہ ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ

- ہم اپنے مدرسے سے کیا سبق سیکھ رہی ہیں؟
- ہم کتنی ذہین طالبہ ہیں؟
- کیا اس مدرسے میں داخلے کے بعد سے ہماری تعلیم میں اضافہ ہوا ہے؟
- کیا ہم نے قربِ الٰہی کی منازل طے کیں ہیں؟
- کیا ہم اپنے خاوند سے اس کے عزیز رشتے داروں سے محض للہ سچی دلی ہمدردی اور محبت کے جذبات رکھتی ہیں؟
- کیا ہم اپنے شوہر کی خوبیوں کو اپنا رہی ہیں یا اگر کوئی کمزوری ہے تو اسے دور کرنے کے لیے سعی اور دعا کر رہی ہیں؟
- کیا ہماری اولاد ہمارے لیے اضافی نمبروں کا باعث بن رہی ہے، ہماری عائلی زندگی کو مزید کامیاب بنا رہی ہے؟
- ہمارے والدین نے ہمیں جو دین و دنیا میں بہتر بننے کے طریق سکھائے ہیں کیا ہم ان پر عمل کر کے اپنی زندگیاں بہتر بنا رہی ہیں؟

اگر تو ان سب سوالات کے جواب ہاں میں ہیں تو مبارک ہو کہ آپ اس مدرسے سے کامیاب و کامران ہو کر نکلی ہیں۔ آپ اعلیٰ نمبروں میں پاس ہو گئی ہیں۔ اگر کہیں بھی کوئی کمی ہے تو دیر نہیں ہوئی ابھی بھی اسی خدا سے مدد مانگیں اور دل لگا کر محنت کریں نتیجہ ان شاء اللہ شاندار آئے گا۔ کیونکہ

محنت ہو اگر سچی ضائع وہ نہیں ہوتی
تم کام کئے جاؤ اخلاص سے ہمت سے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بہت خوبصورت الہام ہے:

ع اَمن اَست دَر مَکَانِ مَحَبّت سَرَائے مَا

ہمارا مکان جو ہماری محبتِ سرائے ہے اس میں ہر طرح سے امن ہے۔

خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک کا گھر اس الہام کے مصداق ہو جائے نیز ہر دنیاوی مکان بھی محبت سرائے بن جائے جہاں بس امن ہی امن ہو۔ محبت ہی محبت ہو۔

اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

(صدف علیم صدیقی۔ کینیڈا)

۞۞۞۞

﴿33﴾ ﴿مشاہدات۔183﴾

شادی بیاہ کے موقع پر پردے کا معیار

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَزۡکٰی لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ۔ وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِہِنَّ وَیَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَہُنَّ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ اِلَّا مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِہِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِہِنَّ ۪ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِہِنَّ اَوۡ اٰبَآئِہِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِہِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِہِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِہِنَّ اَوۡ اِخۡوَانِہِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِہِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِہِنَّ اَوۡ نِسَآئِہِنَّ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُنَّ اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡہَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ ؕ وَتُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔

(النور:31-32)

ترجمہ: (اے رسول) مومنوں کو کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ بات ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ یقیناً اللہ، جو وہ کرتے ہیں اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے اور مومن عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کیا کریں سوائے اس کے کہ جو اس میں سے از خود ظاہر ہو اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیا کریں اور اپنی زینتیں ظاہر نہ کیا کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے باپوں یا اپنے خاوندوں کے باپوں یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی عورتوں یا اپنے زیر نگیں مردوں کے لیے یا مردوں میں ایسے خادموں کے لیے جو کوئی (جنسی) حاجت نہیں رکھتے یا ایسے بچوں کے لیے جو عورتوں کی پردہ دار جگہوں سے بے خبر ہیں اور وہ اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ (لوگوں پر) وہ ظاہر کر دیا جائے جو (عورتیں عموماً)

اپنی زینت میں سے چھپاتی ہیں اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرتے ہوئے جھکو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

سب چیزیں قدر و قیمت کی نسبت سے سنبھالی جاتی ہیں
پردہ عورت کی قید نہیں، تعزیر نہیں، زنجیر نہیں
عفت ہے، حیا ہے، نیکی ہے، جنت ہے، سکینت ہے عورت
عورت تو گھر کی زینت ہے بازاروں کی تشہیر نہیں

معزز بہنو! آج میری تقریر کا عنوان ہے: **شادی بیاہ کے موقع پر پردے کا معیار**

پیاری بہنو! خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ کی اکثر و بیشتر خواتین پردہ کی فرضیت اور اہمیت کا بخوبی علم رکھتی ہیں اور اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے پردہ کی پابند رہنے کی قابلِ تقلید مثال پیش کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاہم دَورِ حاضر میں مختلف مذہبی اور معاشرتی پسِ منظر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے آپس میں تیزی سے خلا ملا کی وجہ سے روایات و اقدار میں ٹوٹ پھوٹ اور تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔ انسانی فطرت معاشرے کے دباؤ کو قبول کرکے زمانے کے بہاؤ کے رخ پر بہنے لگتی ہے۔ خاص طور پر خواتین جلدی اثر لیتی ہیں۔ پردے ہی کو لے لیں اگرچہ حِجاب کی پابندی کی اہمیت اور ضرورت کا علم ہے سالہا سال کی تربیت بھی ہے۔ بزرگوں کا نمونہ بھی نظر آتا ہے پھر بھی بعض مقامات پر روایتی بندھنوں کی پابندی مشکل معلوم ہونے لگتی ہے۔ مثلاً اعلیٰ تعلیم کے لئے مخلوط تعلیمی اداروں میں اور ایسی ملازمت کے دوران جہاں مرد عورت مل کر کام کرتے ہیں دن بھر کا ساتھ ہوتا ہے گروپ بنتے ہیں ٹرپ بھی ہوتے ہیں سارا وقت حِجاب سے رہنا مشکل لگتا ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ اور دوسری تقاریب میں بھی احتیاط کا دامن چھوٹا پڑ جاتا ہے اس کا کچھ اندازہ تو پاکستان میں رہتے ہوئے بھی تھا دوسرے ملکوں میں آکر خود مشاہدہ کیا کہ جو خواتین اس ماحول میں اسلامی شِعار اور روایات کا لحاظ رکھتی ہیں وہ کتنی جدوجہد اور قربانی کرتی ہیں۔ کیا اسلام نے عورت کو پردے کا حکم دے کر مشکل میں ڈالا ہے؟

معزز بہنو! اسلام کی تعلیم اتنی جامع و مانع ہے کہ اگر نیت درست ہو تو اس میں ہر مسئلہ کا شافی و کافی حل موجود ہے۔ قرآنی احکام کسی زمان و مکان کے لئے مختص نہیں ہیں کل عالم کے لئے اور ہر قسم کے حالات کے لئے قابل عمل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے انسانی فطرت بھی اس نے بنائی اور احکام بھی اسی ذات پاک کے بنائے ہوئے ہیں۔ صرف ہمارے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید کی روشنی میں ایماندار عورت کی جو خصوصیات بیان فرمائی ہیں انہیں ذہن میں حاضر کرنے کے لئے آپؑ کے متعدد ارشادات میں سے ایک چھوٹا سا اقتباس پیش کرتی ہوں جو دراصل عورت کی عزّت، وقار، تقدس اور حیا قائم رکھنے کے لئے ایک مکمل لائحۂ عمل ہے سارے احکام کی روح اور نچوڑ ہے فرماتے ہیں:

"ایماندار عورتوں کو کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مَردوں کے دیکھنے سے بچائیں اور اپنے کانوں کو بھی نامحرموں سے بچائیں یعنی ان کی پُر شہوت آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ وہ تدبیر ہے کہ جس سے پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔"

(رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ 100۔101 بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم صفحہ 444)

معزز بہنو! اسلام کسی مخصوص اوڑھنی، دوپٹہ، کوٹ، چادر، عبا، برقع، نقاب، سکارف اور حجاب کا پابند نہیں کرتا۔ ایسے تمام رستے بند کرتا ہے جو ٹھوکر سے بچائیں۔ روح میں اُتر کر سوچیں بظاہر مشکل چند ہدایات پر عمل ہمیں کتنی مشکلات سے بچا لیتا ہے۔ یہ عام ماحول کے لئے احکام ہیں لیکن جب ماحول میں بے راہ روی بڑھ جائے تو اپنے بچاؤ کے لئے ان پر زیادہ سختی سے عمل کی ضرورت ہے۔ ہم ہوا اور آندھی کی مثال لے سکتے ہیں۔ آجکل کا ماحول تیز آندھی کا ماحول ہے اس میں بچاؤ کے لئے زیادہ احتیاط اور پیش بندی کی ضرورت ہے۔

اس وقت شادی بیاہ کی تقریبات میں مناسب پردہ کا لحاظ رکھنے کے مطابق کی ضرورت پر کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے خلفائے کرام تواتر سے حکمت کے ساتھ دلائل دے دے کر اسباب اور نتائج کھول

کھول کر وضاحت سے بیان فرماتے ہیں۔ جزوی اور کلی طور پر ہر پہلو سمجھاتے ہیں ہمیں گڑھوں سے بچانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں جیسے ہمیں خطرہ کی طرف جانے سے کھینچ کھینچ کر روک رہے ہوں رہے ہوں۔ عورت کی عزت واحترام کے تحفظ کے لئے حجاب میں رہنا فی زمانہ پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہو گیا ہے عام حالات میں تو ہم حتی المقدور حجاب وحیا کا خیال رکھتے ہیں مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ خاص حالات میں خاص خیال رکھا جائے۔ پردہ کی اسلامی تعلیمات میں کسی جگہ بھی ایک فرض کی ادائیگی کی صورت میں دوسرے فرض کو پسِ پُشت ڈال دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ جس طرح روزہ رکھ کر نماز نہیں چھوڑی جاسکتی اسی طرح مقدس فریضہ جو شادی کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے بجالاتے ہوئے پردہ کے حکم کو فراموش کر دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ بے احتیاطی کے پیچھے کچھ عوامل کارفرما ہوتے ہیں بعض گھرانوں میں رشتہ میں مشکلات وغیرہ کے پیشِ نظر رشتہ داروں اور ملنے جلنے والوں سے بے تکلفی کے اظہار کے طور پر آزادانہ ملنے ملانے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ اس طرح کچھ لوگ خود کو پسماندگی کے طعنے سے محفوظ رکھنے اور بظاہر اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق ظاہر کرنے کا شوق پورا کرنے کے لئے بعض پابندیوں کو غیر ضروری قرار دے دیتے ہیں۔ کچھ دولت مندوں کی جان دولت کا دکھاوا کرنے میں ہوتی ہے تقریبات میں پیسہ بہانے کے بہانے تلاش کرتے نہیں تھکتے۔ اس طرح وہ خوشی جو ایک جوڑے کے ازدواجی بندھن پر منائی جاتی ہے دکھاوے کی نذر ہو جاتی ہے۔ ہر عمل کا کوئی نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر بنیاد شرافت، دینداری، پرہیز گاری اور سچائی پر ہونے کی بجائے آزاد خیالی یا دولت مندی کے دکھاوے پر ہو گی تو ان کھوکھلی بنیادوں پر کھڑی کی جانے والی عمارت پائیدار کیسے ہو گی۔ مشکل کشا اور حاجت روا تو خدا تعالیٰ کی ذات ہے اس نے فرمایا ہے کہ مجھ سے مانگو، مجھ پر توکل کرو اور وہ ہر قدرت رکھتا ہے، تو پھر ہلکے سستے اور کم معیار کے طریق اپنانا خدا تعالیٰ کی ذات وصفات پر عدم یقین اور عدم توکل کی علامت ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک اس سے بچا کے رکھے۔

معزز بہنو! شادی کی تقریب کے ہر مرحلے میں پردہ کی پابندی عام حالات کی طرح لازمی ہے۔ رشتہ کرنے کے لئے لڑکے لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور والدین کی موجودگی میں ملاقات کی اجازت ہے۔ اس اجازت سے رعایت لے کر مسلسل رابطوں اور دونوں خاندانوں کے آپس میں بغیر پردہ ملنے جلنے کی طرح ڈالنا اور اسے اچھے تعلقات اور انڈرسٹینڈنگ کے لئے ضروری سمجھنا خام خیالی ہے بعض اوقات نتائج

مختلف نکل آتے ہیں ۔ اپنی حدیں خود متعین کرنا بہتر ہے۔ رشتہ طے ہو جانے کے بعد سسرالی رشتے داروں سے محبت پیار اور اپنائیت کا طریق نہایت مناسب اور بابرکت ہے۔ اس میں بھی جوان عمر غیر شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کا گھل مل جانا متعدد قباحتوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ جس کی شادی طے ہوتی ہے وہ تو حجاب میں رہتی ہے، مگر دوسری بہنیں اور قریبی رشتہ دار خواتین بعض اوقات اس حد تک گھل مِل جاتی ہیں کہ وہ پردہ کا لحاظ نہیں رکھتیں، حفظِ مراتب کا خیال رکھ کے مہذبانہ اور خوشگوار مذاق سالی بہنوئی اور نند بھابی کا چلتا رہے تو گوارا ہوتا ہے مگر بہت زیادہ بے تکلفی مناسب نہیں اس کے نتیجہ میں منگنی اور نکاح کے بعد رخصتی سے قبل کئی ناخوشگوار حالات پیدا ہو سکتے ہیں اور رشتے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ اس صورت میں جن خواتین یا نَو عمر بچیوں کی بے پردگی ہوئی وہ تکلیف دہ حالات بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اس طرح کی بدمزگی سے بچنے کے لئے رخصتی تک پردہ کے قابل خواتین کا حجاب اور پردہ کی پابندی بہت بہتر ہے۔ سب کو علم ہے کہ رشتے طے کرنا اور سارے مراحل سے گزر کے شادی کی تقریب تک آنے کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کے حضور کتنا گڑ گڑانا پڑتا ہے، کتنی عاجزی و انکساری سے مناسب اور شریف رشتہ مانگا جاتا ہے، پھر بہت دعاؤں کے بعد یہ خوشی کے دن نصیب ہوتے ہیں۔ اس خوشی کی تقریبات میں خدا تعالیٰ کے رجوع برحمت ہونے کی احسان مندی کے طور پر زیادہ سے زیادہ احکام خداوندی پر عمل کرنا ہم پر فرض ہو جاتا ہے، ہم شرعی حدود میں رہ کر اپنے خوشی کے ارمان اپنے ذوق اور استطاعت کے مطابق پورے کر سکتے ہیں۔

معزز بہنو! شادی گاؤں میں ہو یا شہر میں خوشی کے موقع پر لڑکیاں اور عورتیں گاتی بجاتی ہیں، جہاں تک گانے کا تعلق ہے ان کے بول مہذب اور شائستہ ہوں، طربیہ نظمیں ہوں، جس سے ایک احمدی عورت کا کردار باوقار نظر آئے اور کچے ذہن کی نَو عمر مُتَجَسّس بچیاں بے ہودہ بولوں والے گانوں سے محفوظ رہیں۔ اِن گانوں اور میوزک کی آواز اتنی اُونچی نہ ہو کہ پڑوس میں اگر کوئی بیمار ہے یا طالب علم ہے تو وہ کوفت محسوس کرے۔ اپنی خوشی میں دوسرے کے آرام کا خیال رہے تو اچھا ہے، دوسرے عورت کی آواز کا اتنا بلند ہونا کہ اڑوس پڑوس کے مرد بھی محظوظ ہوں اسلامی وقار کے بھی منافی ہے۔ ایک حدیث پاک کی

رُو سے عورت کا نامحرم مَرد کے سامنے دھیمی، نازک اور لوچ دار پُر کشش آواز میں بات کرنا منع ہے۔ اور گانا تو نام ہی آواز کے لوچ اور نزاکت کا ہے۔

پھر شادی کی تقریب میں عُمدہ سے عُمدہ لباس پہنتے ہیں حتیٰ المقدور قیمتی زیورات سے خود کو آراستہ کرتے ہیں، سجاوٹ کے لئے بال خوب صورت بنانا' میک اَپ ' مہندی کا بھرپور استعمال ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے استفادہ منع نہیں بلکہ موقع کی مناسبت سے ان کا استعمال ایک طریق پر شکرانے کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ سجنا سنورنا منع نہیں۔ ہاں اس نے یہ بتایا ہے کہ کس کے سامنے حسن ظاہر کرنے کی اجازت ہے کس کے سامنے حسن کی نمائش منع ہے اور اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ اصل خوب صورتی الٰہی احکام کی تعمیل میں ہے۔ اصل شکر کا اظہار اس کی اطاعت میں ہے جو ہمارے قول و فعل سے ظاہر ہو جس سے ظاہر اور باطن دونوں سج سنور جاتے ہیں۔ حجاب و حیا کے ساتھ خوشی کی تقریب منانے سے ہم عملی طور پر دوسروں کو یہ تعلیم دے رہے ہوتے ہیں کہ اسلام میں کہیں بے جا بندشیں نہیں ہیں۔

خوشی اور مسرتوں کے ریلے میں اُس وقت انتہائی جوش و خروش شامل ہو جاتا ہے، جب بارات آتی ہے، بارات دیکھنے اور استقبال کی خوشی میں چار دیواری سے باہر بے پردہ نکل جانا مسرت کا بھرپور اظہار تو شاید ہو مگر پردے کے حکم کی یقیناً نافرمانی ہوگی۔ ہار پہنانا اور استقبال کرنا پردہ کے اندر رَہ کر بھی ممکن ہے۔ دولہا والے جب دلہن کو سجی ہوئی کار میں بٹھاتے ہیں تو شادی کے بھاری دوپٹے کو برقع کا بدل سمجھ لیا جاتا ہے۔ مگر بہر حال دلہن کار میں جائے، تانگہ میں جائے، ریل یا ہوائی جہاز میں حجاب کا حکم تو اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔

جہاں بھی کوئی ایک احمدی گھرانہ رہتا ہے ارد گرد کے کئی گھر جانتے ہیں کہ یہ احمدی ہیں اور ان کے گھر شادی کی تقریب ہو رہی ہے۔ وہ ہمارے ہر طرز عمل کو متجسس نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اگر ہم اچھی مثال قائم کریں گے تو تبلیغ کا پہلو نکلے گا بصورت دیگر ہم سلسلہ کے نام پر حرف آنے کا باعث بنیں گے (معاذ اللہ)

معزز بہنو! دولہا کو دلہن کے پاس بٹھانے کے لئے بلایا جاتا ہے تو ساتھ ایک سربالا صاحب اور دولہا کے بھائی اور دوست بھی ہوتے ہیں ۔ قریبی عزیز عورتوں کے علاوہ سب کو مناسب حجاب رکھنا ضروری ہے۔ اس موقع پر مردوں کے لئے غضِ بصر کا حکم ہے۔ عورتوں کی طرف آکر اس کا خیال رکھتے کم ہی دیکھا گیا ہے بلکہ اس کا اُلٹ ہوتا ہے ۔ اس لئے مناسب احتیاط اچھی ہوتی ہے۔ تصاویر کھنچوانا اور وڈیو سیشن منع نہیں ہے لیکن احتیاط یہاں بھی لازم ہے آجکل تو بچے بچے کے ہاتھ میں فون ہوتا ہے اور ایک سیکنڈ میں تصویر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ فیصلہ کرنا ہوگا کہ پردے میں رہنا ہے یا نہیں رہنا ہے۔

شادی کی تقاریب میں مشروبات اور کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ گھر کے جوان عمر لڑکے بڑھ بڑھ کر چائے، آئس کریم یا بوتل پیش کرتے ہیں، اس موقع پر بھی اسلامی پردہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ یہ رسم بھی پردہ کے حکم کے منافی ہے، ہم عورتیں ہر میدان میں مَردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی خواہشمند ہوتی ہیں تو کیا اتنی سی زحمت ہم خود گوارا نہیں کر سکتیں کہ عورتوں میں مشروبات وغیرہ لڑکیاں تقسیم کریں، یہی مشکل ولیمہ کے دن بھی پیش آتی ہے، بڑے شہروں میں ہوٹلوں اور شادی ہالوں میں جاکر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کھانا کھایا جائے یا پردہ کیا جائے، وہ صاحبِ استطاعت لوگ جو اپنی دعوتوں میں باوردی بیروں سے سروس پر فخر محسوس کرتے ہیں، اپنی دعوتوں میں احمدی پردہ دار عورتوں کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں، ایسی رسموں کو رواج دینے میں ہم دوسروں کی تقلید کرتے ہیں اس طرح کسی غلط رسم اور غلط کام کی غلط مثال پر عمل کرکے غلط سلسلے کی ایک کڑی بن جاتے ہیں، ہمیں اپنی نئی مثال اسلام کے درخشاں اصولوں کے ساتھ پیش کرنے میں فخر اور سعادت محسوس کرنی چاہیئے، پردہ ہمیں پاکیزگی، حیا، تقدس اور شرافت کی طرف لے جاتا ہے جبکہ بے پردگی کی منزل اس کے برعکس ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی لوگ زور دے رہے ہیں۔ لیکن یہ ہرگز مناسب نہیں۔ یہی عورتوں کی آزادی فسق وفجور کی جڑ ہے۔ جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے ذرا اُن کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرو۔ اگر اس کی آزادی اور بے پردگی سے اُن کی عِفّت اور پاک دامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں۔ لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور

بے پردگی بھی ہو تو اُن کے تعلقات کس قدر خطرناک ہوں گے۔ بد نظر ڈالنی اور نفس کے جذبات سے اکثر مغلوب ہو جانا انسان کا خاصہ ہے۔ پھر جس حالت میں کہ پردہ میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور فسق وفجور کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو آزادی میں کیا کچھ نہ ہو گا۔"

(ملفوظات جلد4 صفحہ 104)

خدا تعالیٰ ہمیں کوتاہیوں سے بچ کر اسلام کی پیاری تعلیم پر صحیح رنگ میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پردہ اعزاز ہے عورت کا تذلیل نہیں، تحقیر نہیں
جو رنگِ حیا سے عاری ہو وہ عورت کی تصویر نہیں
پردہ ہے علامت عصمت کی، پردہ ہے روایت عظمت کی
عورت کے تقدس کی خاطر کوئی اس سے حسیں تدبیر نہیں

﴿34﴾ ﴿مشاہدات۔321﴾

عائلی زندگی اور حضرت مسیح موعودؑ کا بہترین اُسوہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ (النساء:35)

مرد عورتوں پر نگران ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر بخشی ہے۔

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے
حاصل ہو تم کو دید کی لذت خدا کرے

معزز سامعین! خاکسار کی تقریر کا عنوان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے ایک اہم پہلو عائلی زندگی میں آپؑ کا بہترین نمونہ ہے۔ جسے مَیں آپ حاضرین کے سامنے واقعات کی روشنی میں بیان کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق فرمایا تھا کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ قرآن مجید کے عین مطابق تھی۔(مستدرک حاکم جلد2 صفحہ:392) ٹھیک اِسی طرح اگر کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ کو دیکھنا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرے کیونکہ آپؑ کی سیرت اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا عین عکس تھی۔ آپؑ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔ مَنۡ فَرَّقَ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَ الۡمُصۡطَفٰی مَا عَرَفَنِیۡ وَمَا رَآی کہ جس نے میرے اور میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق کیا تو اُس نے نہ مجھے پہچانا اور نہ میری حقیقت کو شناخت کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت بابت عائلی زندگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا عکسِ کامل تھی۔ اگر قرآن مجید میں عَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡف یعنی اپنی بیبیوں کے ساتھ نیک سلوک کی تعلیم

ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِی کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے اور مَیں اس معاملہ میں تم سب سے بہتر ہوں۔

آئیں! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عائلی زندگی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے عکس میں دیکھتے ہیں۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق تھا کہ چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کیا کرتے تھے۔

(سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ 492)

سامعین! آپ علیہ السلام کے برادر نسبتی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "مَیں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضور علیہ السلام کو حضرت اُمُّ المؤمنین سے ناراض دیکھا، نہ سنا بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک Ideal جوڑے کی ہونی چاہئے۔"

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ صفحہ 231)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا سے ایک خاص پیار و محبت کا تعلق تھا اور آپؑ حدیث مبارک اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِی کے عین عکس تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کی کس قدر دلداری فرماتے تھے۔ اس تعلق میں حضرت اماں جانؓ کا بیان فرمودہ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتی ہیں:

"میں پہلے پہل جب دلّی سے آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گُڑ کے میٹھے چاول پسند فرماتے ہیں چنانچہ مَیں نے بہت شوق اور اہتمام سے میٹھے چاول پکانے کا انتظام کیا۔ تھوڑے سے چاول منگوائے اور اس میں چار گنا گڑ ڈال دیا سو وہ بالکل راب بن گئی جب پتیلی چولہے سے اُتاری۔ چاول برتن میں نکالے تو دیکھ کر سخت رنج اور صدمہ ہوا کہ یہ تو خراب ہو گئے اُدھر کھانے کا وقت ہو گیا تھا حیران تھی کہ اب کیا کروں۔ اتنے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام آگئے میرے چہرہ کو دیکھا جو رنج اور صدمہ سے رونے والوں کا سا بنا ہوا تھا۔ آپؑ دیکھ کر ہنسے اور فرمایا کیا چاول اچھے نہ پکنے کا افسوس ہے۔ پھر فرمایا یہ تو

بہت اچھے ہیں میرے مزاج کے مطابق پکے ہیں ایسے زیادہ گڑ والے ہی تو مجھے پسند ہیں۔ یہ تو بہت ہی اچھے ہیں اور پھر بہت خوش ہو کر کھائے۔ حضرت اُمُّ المومنین فرماتی ہیں کہ حضرت صاحب نے مجھے خوش کرنے کے لئے اتنی باتیں کہیں تو میرا دل بھی خوش ہو گیا۔"

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ صفحہ 225)

سامعین کرام! حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بہت خیال رکھتی تھیں لیکن کثرتِ مہمانان کے باعث بعض دفعہ نہ چاہتے ہوئے بھی کمی رہ جاتی تھی اور اس بات کو حضور علیہ السلام سے محبت رکھنے والے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی محسوس کیا کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو بیماریوں اور سخت محنت اور عرق ریزی کے باعث خاص توجہ اور غذا کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی ایک موقع کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ منشی عبدالحق صاحب آف لاہور نے ایک موقع پر حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ کا کام بہت نازک ہے اور آپؑ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے آپؑ کو چاہئے کہ جسم کی رعایت کا خیال رکھیں اور ایک خاص مقوّی غذا لازماً آپ کے لیے ہر روز تیار ہونی چاہئے۔ ان کی اس بات کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف رہتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں"

منشی عبدالحق صاحب اس پر کہنے لگے اجی حضرت! آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے۔ میرا یہ حال ہے کہ مَیں کھانے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے میرا حکم ٹل جائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لیں گے۔ محبت کے جوش میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کرکے کہ یہ بات حضور علیہ السلام کے حق میں مفید ہے بغیر سوچے سمجھے اس بات کی تائید کر دی اور عرض کیا کہ منشی صاحب کی بات درست ہے۔ حضور علیہ السلام کو بھی چاہئے کہ درشتی سے یہ امر منوائیں۔ حضور علیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا "ہمارے دوستوں کو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بس خدا ہی جانتا ہے کہ مَیں اس وقت کس قدر شرمندہ ہوا۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ صفحہ 18-19)

سامعین کرام! گھروں میں جب بعض دفعہ سفر کا موقع ہو تو وہ موقعہ بھی حسن خلق کا ہوتا ہے۔ جلد بازی کے باعث ایسے موقع پر بعض دفعہ عورتوں کو بدمزاج مردوں کی کئی باتیں سننا پڑتی ہیں کہ دیر کردی، جلدی کرو۔ تمہاری ہمیشہ ایسی ہی عادت ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت اپنے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی میں یہ تھی کہ آپ سامان سفر خود تیار کرتے اور گھر والوں کا انتظار کرتے اور پہلے ان کو سوار کرتے اور ہر طرح خیال رکھتے۔

اس تعلق میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اپنی تصنیف "ذکر حبیب" میں تذکرہ فرماتے ہیں کہ: جب سفر کا موقعہ پیش آتا تو حضورؑ کا طریقہ یہ تھا کہ خود ساتھ جا کر حضرت اماں جانؓ اور جو مستورات ساتھ ہوتیں انہیں زنانہ ڈبے میں سوار کراتے اور جس اسٹیشن پر اترنا ہوتا زنانہ ڈبے کے پاس جا کر اپنے سامنے حضرت اماں جانؓ کو اُترواتے اوردوران سفر بھی اپنے ہمراہ خدام کے ذریعہ حضرت اماں جانؓ کا حال واحوال پتہ کرتے رہتے۔ ایک سفر کے متعلق ایک نہایت عجیب واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کسی سفر میں تھے اسٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی آپؑ بیوی صاحبہؓ (یعنی حضرت ام المومنینؓ) کے ساتھ اسٹیشن پر ٹہلنے لگے مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ ہیں اور پھر غیر لوگ اِدھر اُدھر پھرتے ہیں آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جائے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مَیں نے کہا کہ مَیں تو نہیں کہتا آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبد الکریم صاحبؓ خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضور! لوگ بہت ہیں بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا جاؤ جی! میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔

مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد مولوی عبد الکریم صاحبؓ سر نیچے ڈالے میری طرف آئے۔ میں نے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے۔"

(سیرت المہدی حصہ اول روایت:77 صفحہ 55)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنی زوجہ محترمہ کے جذبات کا خیال رکھنے کا ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت اماں جانؓ بیان فرماتی ہیں کہ:

"آپ روشنی میں سونے کی عادی تھیں روشنی کے بغیر سو نہیں سکتی تھیں دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ اندھیرے میں سونے کے عادی تھے۔ اماں جانؓ کی وجہ سے حضور علیہ السلام بتی جلتی رکھتے تھے۔ جب حضرت اماں جانؓ سو جاتیں تو روشنی گُل کر دیتے۔ حضرت اماں جانؓ فرماتی ہیں جب میں کروٹ لوں تو اندھیرا معلوم ہوتا تو اماں جانؓ روشنی کے لئے کہتی تو حضور علیہ السلام روشنی کر دیتے آخر کار حضور علیہ السلام کو بھی روشنی میں سونے کی عادت پڑ گئی اور اماں جانؓ کے لئے حضرت علیہ السلام سارے گھر کو روشن کرنے کا اہتمام فرماتے۔"

اس بارہ میں ایک بار حضرت اماں جانؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"حضرت صاحبؑ کا وہ وقت یاد ہے جب آپؑ کو روشنی میں نیند نہیں آیا کرتی تھیں اور اب اگر کونے کونے میں روشنی نہ ہو تو آپؑ کو نیند نہیں آتی۔"

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ صفحہ 410)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا سے ایک خاص پیار و محبت کا تعلق تھا اور آپؑ حدیث مبارک اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِی کے عین عکس تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اپنے گھروں میں اپنی بیبیوں کے ساتھ حسن سلوک کا خاص خیال رکھتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کے ساتھ کسی گھریلو معاملہ پر کچھ اختلاف ہو گیا اور حضرت مفتی صاحب اپنی بیوی پر کچھ ناراض ہوئے مفتی صاحب کی بیوی نے اس ناراضگی کا ذکر حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی بیوی سے کیا۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ بہت معاملہ فہم تھے اور آپ کی طبیعت میں مزاح بھی تھا آپ نے

اس بارہ میں اپنی بیوی سے سن کر مفتی صاحب سے فرمایا۔ مفتی صاحب جس طرح بھی ہو اپنی بیوی کو منا لیں کیا آپ جانتے نہیں کہ آج کل ملکہ کا راج ہے۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جہاں ہندوستان میں ایک عورت ملکہ وکٹوریہ کی حکومت ہے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھریلو معاملات میں حضرت اماں جان کی بات مانتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب بھی حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی اس پُر حکمت اور پُر مزاح کلام کو سمجھ گئے اور جا کر اپنی بیوی کو منا لیا اور اس طرح گھر کا ماحول خوشگوار ہو گیا۔

(ذکر حبیب مؤلف حضرت مفتی محمد صادق رضی اللہ عنہ)

سامعین کرام! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے ساتھ سلوک اُس زمانہ کے دستور اور ماحول کے اِس قدر مخالف تھا کہ گھر میں کام کرنے والی خدمت گار عورتیں زمانہ اور اپنے گردو پیش کے عام عرف برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی تھیں ”مِرجَا بیوی دی گل بڑی مندا ہے“ یعنی مرزا صاحب اپنی بیوی کی بات بہت مانتے ہیں۔

سامعین کرام! اسلامی معاشرہ کو حسین بنانے اور گھروں کو جنت نظیر بنانے کی ذمہ داری یکساں طور پر مرد اور عورت دونوں پر ڈالی گئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر دلوں میں کدورت پیدا کرنا معمولی معمولی باتوں کو طول دے کر گھر کی فضا کو مکدّر کر دینا پرلے درجے کی جہالت ہے۔ شادی تو ایک مقدس رشتہ ہے جس کو محبت اور پیار اور باہمی سکون اور اطمینان کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد قابل توجہ ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”میرے نزدیک یہ نعمت اکثر نعمتوں کا اصل الاصول ہے اور چونکہ مومن اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کا طالب وجویاں بلکہ عاشق اور حریص ہوتا ہے اس لئے میری رائے میں وہ گھر بہشت کی طرح پاک اور برکتوں سے بھرا ہوتا ہے جس میں مرد عورت میں محبت اخلاص اور موافقت ہو۔“

(مکتوبات احمد، جلد دوم مکتوب 37 صفحہ 50)

بیوی کے ساتھ تعلق کا ذکر کرتے ہوئے بطور نصیحت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں ہم کو خدا نے مرد بنایا ہے اور یہ در حقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے اس کا شکریہ یہ ہے کہ عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔"

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 45 از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ)

محترم سامعین! حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے الہام خُذُوْاالرِّفْقَ خُذُوْاالرِّفْقَ فَاِنَّ الرِّفْقَ رَاسُ الْخَیْرَاتِ کہ نرمی کرو نرمی کرو کہ تمام نیکیوں کی جڑ نرمی ہے، کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس الہام میں تمام جماعت کے لئے تعلیم ہے کہ اپنی بیویوں سے رفق اور نرمی کے ساتھ پیش آویں۔ وہ ان کی کنیزیں نہیں ہیں۔ در حقیقت نکاح مرد اور عورت کا باہم ایک معاہدہ ہے۔ پس کوشش کرو کہ اپنے معاہدہ میں دغاباز نہ ٹھہرو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اور حدیث میں ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ سو روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ ان کے لئے دعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو۔ کیونکہ نہایت بد، خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو ایک گندے برتن کی طرح جلد مت توڑو۔"

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 75 حاشیہ)

پھر فرمایا:

"اسی طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بہت گر گئے ہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔ دو قسم کے لوگ اس کے متعلق پائے جاتے ہیں ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن کر دیا ہے۔ دین کا کوئی اثر ہی ان پر نہیں ہوتا اور وہ کھلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی ہیں اور کوئی ان سے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے ہیں کہ انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا اور کنیزوں اور بہائم سے بھی بدتر ان سے سلوک ہوتا ہے۔ مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے

کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں۔ غرض بہت ہی بُری طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک اُتار دی دوسری پہن لی۔ یہ بڑی ہی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں میں کامل نمونہ ہیں۔ آپ کی زندگی میں دیکھو تو آپ عورتوں سے کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابل میں کھڑا ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 387)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"چاہئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں اگر انہیں سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کیلئے اچھا ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 300-301)

سامعین کرام! حضرت اماں جانؓ سے اس مثالی محبت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس بار بار نصیحت کے باعث کہ اہل وعیال سے حسن سلوک کرنا چاہئے ہمیں حضورؑ کا یہ ارشاد ہر وقت مد نظر رکھنا چاہئے کہ "جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ 19)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے مرد کے قویٰ کو جسمانی لحاظ سے مضبوط بنایا ہے اس لئے اس کی ذمہ داریاں اور فرائض بھی عورت سے زیادہ ہیں۔ اس سے ادائیگی حقوق کی زیادہ توقع کی جاتی ہے۔ عبادات میں بھی اس کو عورت کی نسبت زیادہ مواقع مہیا کئے گئے ہیں۔ اور اس لئے اس کو گھر کے سربراہ کی حیثیت بھی حاصل ہے اور اسی وجہ سے اس پر بحیثیت خاوند بھی بعض اہم ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اور اسی وجہ سے بحیثیت باپ اس پر

ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اور بہت ساری ذمہ داریاں ہیں.... اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے حکم دیا کہ تم نیکیوں پر قائم ہو، تقویٰ پر قائم ہو، اور اپنے گھر والوں کو، اپنی بیویوں کو، اپنی اولاد کو تقویٰ پر قائم رکھنے کے لئے نمونہ بنو۔ اور اس کے لئے اپنے رب سے مدد مانگو، اس کے آگے روؤ، گڑ گڑاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! ان راستوں پر ہمیشہ چلاتا رہ جو تیری رضا کے راستے ہیں، کبھی ایسا وقت نہ آئے کہ ہم بحیثیت گھر کے سربراہ کے، ایک خاوند کے اور ایک باپ کے، اپنے حقوق ادا نہ کر سکیں اور اس وجہ سے تیری ناراضگی کا موجب بنیں۔ تو جب انسان سچے دل سے یہ دعا مانگے اور اپنے عمل سے بھی اس معیار کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ نہ ایسے گھروں کو برباد کرتا ہے، نہ ایسے خاوندوں کی بیویاں ان کے لئے دکھ کا باعث بنتی ہیں اور نہ ان کی اولاد ان کی بدنامی کا موجب بنتی ہے۔ اور اس طرح گھر جنت کا نظارہ پیش کر رہا ہوتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23/ جنوری 2004ء)

احسان و لطف عام رہے سب جہان پر
کرتے رہو ہر اک سے مروت خدا کرے

(یہ تقریر مکرم منیر احمد خادم صاحب کی ایک تقریر برموقع جلسہ سالانہ قادیان مطبوعہ بدر سے تیار کی گئی ہے)
(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿35﴾ ﴿مشاہدات۔752﴾

رمضان اور حسنِ معاشرت

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

(البقرة:188)

کہ تمہارے لئے (ماہِ) صیام کی راتوں میں اپنی بیویوں سے تعلقات جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اپنے نفسوں کا حق مارتے رہے ہو۔ پس وہ تم پر رحمت کے ساتھ جھکا اور تم سے درگزر کی۔ لہٰذا اب ان کے ساتھ (بے شک) اِزدواجی تعلقات قائم کرو اور اس کی طلب کرو جو اللہ نے تمہارے حق میں لکھ دیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَلَيْسَ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا شَيْءٌ أَفْضَلَ مِنَ الْمَرْأَةِ الصَّالِحَةِ

(ابن ماجہ کتاب النکاح باب افضل النساء 1855)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا تو صرف ایک عارضی فائدہ کی چیز ہے اور اس دنیا کے عارضی فائدے میں صالحہ عورت سے بڑھ کر افضل کوئی چیز نہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

آج میری درس کا عنوان ہے **"رمضان اور حسنِ معاشرت"**

معاشرت، کسی کے ساتھ مِل جُل کر زندگی بسر کرنے کو کہتے ہیں۔ جس میں پورے معاشرہ میں گزر بسر کرنے والے لوگ مراد ہوتے ہیں۔ جس میں اجتماعی زندگی کے طور پر ہر فرد کو رہنے سہنے، اپنی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے دوسروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ معاشرہ، محلہ یا سوسائٹی مختلف گھرانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر گھرانہ مختلف افراد پر مشتمل ہوتا ہے جن میں میاں بیوی ایک ایسا بنیادی یونٹ ہے جو باہم میل جول اور رفاقت و صحبت میں اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ ان کو پیار و محبت، حُسنِ سلوک اور حُسنِ معاشرت سے رہنا چاہئے۔ حُسنِ معاشرت کا لفظ ویسے تو پورے معاشرہ میں بسنے والے تمام افراد پر بولا جاتا ہے لیکن میاں بیوی چونکہ بنیادی یونٹ ہیں اِس لئے یہ لفظ میاں بیوی کے بہترین تعلقات پر بولا جانے لگا۔ جس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے "لباس" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ جس کی تلاوت درس کے آغاز پر مَیں کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے اور آیت کے اِس حِصّہ کو عین رمضان کے احکام کے درمیان بالخصوص جہاں رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اُس کے ساتھ میاں بیوی کے لئے ایک دوسرے کو لباس کے مضمون کو باندھ کر ایک بہت ہی لطیف مضمون ادا فرمایا ہے اور وہ یہ کہ رمضان معاشرے میں ایک دوسرے سے نرمی اور محبت سے پیش آنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہاں معاشرے اور ماحول میں بسنے والے دیگر افراد اور بچوں کے لئے نمونہ بننے کی خاطر میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی تلقین ایک دوسرے کا لباس کہہ کر کر دی۔

جہاں تک لفظِ لباس کا تعلق ہے۔ فیروز اللغات میں اِس لفظ کے تحت لکھا ہے۔ پوشاک، کپڑے، روپ اور بھیس اور لباس، انسان کے جن کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے اُن میں سے اول یہ ہے کہ لباس انسان کے عیوب اور ننگ کو چھپاتا ہے۔ جس میں یہ سبق ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی تصویر ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے عیوب سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے لباس قرار دے کر کہا گیا کہ وہ ایک دوسروں کے عیوب کی حفاظت کریں اور سِتر پوشی سے کام لیں۔

دوسری وجہ لباس کی اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے خوبصورت رکھنا ہے جسے ہم عُرف عام میں زینت کا نام دے سکتے ہیں۔ اِن معنوں کے اعتبار سے میاں بیوی کے تعلقات ایسے ہوں جو دوسروں کی نگاہ کو خیرہ کریں۔ خوبصورت اور بھلے نظر آئیں۔

لباس پہننے کی ایک اور تیسری وجہ بھی لکھی ہے اور وہ یہ کہ لباس انسان کو موسم کی سختیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ سردی کی شدت اور گرمی کی حدّت سے بدن کو بچا کر رکھتا ہے۔ لہٰذا اِن معنوں کی رُو سے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہونا چاہیے اور طعن و تشنیع سے بچیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اِس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے:

"پس هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ میں اِس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں۔ فرماتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے ہمیشہ لباس کا کام دیں۔ یعنی (1) ایک دوسرے کے عیب چھپائیں۔ (2) ایک دوسرے کے لئے زینت کا موجب بنیں۔ (3) پھر جس طرح لباس سردی گرمی کے ضرر سے انسانی جسم کو محفوظ رکھتا ہے اُسی طرح مرد و عورت سُکھ اور دُکھ کی گھڑیوں میں ایک دوسرے کے کام آئیں اور پریشانی کے عالَم میں ایک دوسرے کی دلجمعی اور سکون کا باعث بنیں۔ غرض جس طرح لباس جسم کی حفاظت کرتا ہے اور اُسے سردی اور گرمی کے اثرات سے بچاتا ہے۔ اِسی طرح انہیں ایک دوسرے کا محافظ ہونا چاہیے۔ حضرت خدیجہؓ کی مثال دیکھ لو۔ انہوں نے شادی کے معًا بعد کس طرح اپنا سارا مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی دِقّت پیش نہ آئے اور آپ پورے اطمینان کے ساتھ خدمت خلق کے کاموں میں حصہ لیتے جائیں۔ یہ اہلی زندگی کو خوشگوار رکھنے کا کتنا شاندار نمونہ ہے جو انہوں نے پیش کیا۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 411)

لفظِ "لباس" ہی کی تشریح بیان کرتے ہوئے ایک اور جگہ آپؓ نے تحریر فرمایا:

"خدا تعالیٰ فرماتا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ البقرۃ: 188) یعنی عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔ پس مُوجبِ سکون اور آرام ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ عورت مرد کے لئے سکون کا باعث ہے اور مرد عورت کے لئے۔

مرد و عورت دونوں کو ایک لباس کہہ کر اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اگر کوئی نہا دھو کر نکلے لیکن مَیلے کچیلے کپڑے پہن لے تو کیا وہ صاف کہلائے گا۔ کوئی

شخص خواہ کس قدر صاف ستھرا ہو۔ لیکن اس کا لباس گندہ ہو تو وہ گندہ ہی کہلاتا ہے۔ پس هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا نیکی بدی میں شریک قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا محافظ ہونا چاہیے۔ اسی طرح لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا کا مفہوم پورا ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے لئے بطور رفیقِ سفر کے کام کرتے ہیں۔"

(فضائل القرآن صفحہ 175-176)

حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ لباس کے مفہوم میں بیان فرماتے ہیں:

"عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو۔ جیسا کہ لباس میں سکون، آرام، گرمی سردی سے بچاؤ، زینت، قسما قسم کے دُکھ سے بچاؤ ہے ایسا ہی جوڑے میں ہے۔ جیسا کہ لباس میں پردہ پوشی، ایسا ہی مردوں اور عورتوں کو چاہیے کہ اپنے جوڑے کی پردہ پوشی کیا کریں۔ اس کے حالات کو دوسروں پر ظاہر نہ کریں۔ اس کا نتیجہ رضائے الٰہی اور نیک اولاد ہے۔ عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک چاہیے اور اُن کے حقوق کو ادا کرنا چاہیے۔ اس زمانہ میں ایک بڑا عیب ہے کہ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔"

(خطبہ جمعہ 4 جون 1909ء از خطبات نور صفحہ 400)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بارہا دونوں میاں بیوی کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ دونوں کے حقوق برابر ہونے کے متعلق فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (البقرة:229)

یعنی اُن (عورتوں) کا دستور کے مطابق (مَردوں پر) اتنا ہی حق ہے جتنا (مَردوں کا) اُن پر ہے۔ حالانکہ مَردوں کو ان پر ایک قسم کی فوقیت بھی ہے اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

پھر فرمایا:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران:196)

کہ پس اُن کے ربّ نے اُن کی دعا قبول کرلی (اور کہا) کہ مَیں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ہر گز ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مَرد ہو یا عورت۔ تم میں سے بعض، بعض سے نسبت رکھتے ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں دُکھ دیئے گئے اور انہوں نے قتال کیا اور وہ قتل کئے گئے، مَیں ضرور اُن سے اُن کی بدیاں دور کر دوں گا اور ضرور انہیں داخل کروں گا ایسی جنتوں میں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ (یہ) اللہ کی جناب سے ثواب کے طور پر (ہے) اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

اسی مضمون کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا:

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً ،اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ

(مسلم کتاب الرضاع 2685)

کہ کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے اگر وہ اُس کے کسی خُلق کو ناپسند کرے گا کسی خُلق کو پسند بھی تو کرے گا۔

ایک دفعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ

أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ الَّتِيْ تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ

(نسائی کتاب النکاح باب ای النساء خیر 3231)

کہ کون سی عورت بطور رفیقہ حیات بہتر ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ جس کی طرف دیکھنے سے طبیعت خوش ہو۔ مرد جس کام کے کرنے کے لئے کہے وہ اُسے بجالائے اور جس بات کو اُس کا خاوند ناپسند کرے اُس سے بچے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

”جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔“

(کشتی نوح صفحہ 19)

ایک اور موقع پر آپؑ نے فرمایا:

" چاہیے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاقِ فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان ہی سے اِن کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 300)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کو ایک دوسرے میں خوبیاں تلاش کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: اگر تم میں سے کسی کو دوسرے میں عیب نظر آتا ہے یا اس کی کوئی اور ادا ناپسند ہے تو کئی باتیں اس کی پسند بھی ہوں گی جو اچھی بھی لگیں گی۔ تو وہ پسندیدہ باتیں جو ہیں ان کو مدنظر رکھ کر ایثار کا پہلو اختیار کرتے ہوئے موافقت کی فضا پیدا کرنی چاہیے۔ آپس میں صلح و صفائی کی فضا پیدا کرنی چاہئے تو یہ میاں بیوی دونوں کو نصیحت ہے کہ اگر دونوں ہی اگر اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھیں تو چھوٹی چھوٹی جو ہر وقت گھروں میں لڑائیاں، چخ چخ ہوتی رہتی ہیں وہ نہ ہوں اور بچے بھی برباد نہ ہوں۔ ذرا ذرا سی بات پر معاملات بعض دفعہ اس قدر تکلیف دہ صورت اختیار کر جاتے ہیں کہ انسان سوچ کر پریشان ہو جاتا ہے کہ ایسے لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں کہ جو کہنے کو تو انسان ہیں مگر جانوروں سے بھی بدتر۔"

(خطبہ جمعہ 2 جولائی 2004ء از خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 450)

مَیں آج اپنے درس کا اختتام ایک احمدی نوجوان کے حسین واقعہ سے کرنا چاہوں گا جو ہمارے لئے مشعل راہ بھی ہو سکتا ہے۔

میرے لاہور قیام کے دوران ایک نوجوان نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اظہار کیا۔ جب سمجھایا گیا اور اِس اَبْغَضُ الْحَلَال کام سے رکنے کی درخواست کرتے ہوئے اُس سے وجہ دریافت کی کہ وجہ بتاؤ شاید ہم اُس وجہ کو رفع دفع کروا سکیں۔ مگر وہ اپنے فیصلہ پر مصّر رہا اور طلاق لکھ دی۔ طلاق نامہ پر دستخط کرتے ہوئے اُس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ مربی صاحب! آج اِس دستخط سے قبل یہ خاتون میرا لباس تھی اِس لئے مَیں نے اس لباس کی حفاظت کرتے ہوئے آپ سے کوئی وجہ بیان نہیں کی اور اب اِس طلاق کے بعد وہ

کسی اور کا لباس بننے جا رہی ہے اِس لئے مَیں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اِس خاتون کے متعلق کوئی بات نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿36﴾ ﴿مشاہدات۔644﴾

غَضِّ بَصَر

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ o اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ o
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ o

(النور:31-32)

مومنوں کو کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ بات اُن کے لئے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ یقیناً اللہ، جو وہ کرتے ہیں، اُس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے اور مومن عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

غَضِّ بصر کی عادت زیبا ہے مرد و زن کو
اچھی بُری نظر کا ہوگا حساب لازم

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ غَضِّ بَصَر

خدا تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور وہ اِس کی تمام کمزوریوں سے باخبر ہے اس لئے اُس نے مرد اور عورت کی خامیوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غَضِّ بَصَر کا حکم دیا ہے۔

علامہ طبری کہتے ہیں کہ غَضِّ بَصَر سے مراد اپنی نظر کو ہر اُس چیز سے روکنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

(تفسیر الطبری جلد18 صفحہ116)

اسلام ایک مکمل ضابطہ اخلاق اور دینِ فطرت ہے جس کا ہر قانون نہ صرف کردار کی تشکیل کرتا ہے بلکہ فرد کی زندگی کو تحفظ اور روح و قلب کو سکون بھی فراہم کرتا ہے۔ قدرت کے تمام احکامات کے پیچھے حکمت کار فرما ہے اِسی میں دراصل انسان کی بھلائی پوشیدہ ہے۔ غَضِّ بَصَر اور پردہ کا حکم بھی حکمتوں سے بھرپور ہے۔ پردہ کا حکم دراصل مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی ہے اور اِس کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والی اخلاقی کمزوری کو روکنا ہے۔ اسلام نے ہر اُس ناجائز طریق کا سدِباب کیا ہے جس میں عورت غیر مرد کے لیے کشش کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اپنی نظریں نیچے رکھنے کا حکم دے کر بہت سی باطنی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا نسخہ عطا فرمایا ہے۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تفصیل کے ساتھ وہ آداب اور احکام سکھائے ہیں جو ہمارے نفس میں پاکیزگی پیدا کرتے اور ہمیں گناہ سے بچاتے ہیں۔ غضِ بصر کے بارہ میں بھی آپؐ نے اُمت کو بہت سی نصائح فرمائی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔ آگ اُس آنکھ پر حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بیدار رہی اور آگ اُس آنکھ پر حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے آنسو بہاتی ہے۔ پھر اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آگ اُس آنکھ پر بھی حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو دیکھنے کی بجائے جھک جاتی ہے اور اُس آنکھ پر بھی حرام ہے جو اللہ عزّ وجلّ کی راہ میں پھوڑ دی گئی ہو۔

(سنن دارمی، کتاب الجهاد، باب فی الذی یسهر فی سبیل اللّٰہ حارسا)

دیکھیں! غضِ بصر کا کتنا بڑا مقام ہے۔ اسلام کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان سے اُس کے نیک عمل پر اجر کا وعدہ کیا ہے۔ فرمایا۔ لَآ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى (اٰل عمران:196) کہ مَیں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ہرگز ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یقیناً غَضِّ بَصَر کرنے والے اپنے رب کے ہاں اجر پائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں معاشرہ کی اہم فرد عورت کے مقام اور مرتبہ کا ذکر کر کے اُسے محبت کی نظر سے دیکھا وہاں بعض ممکنہ خدشات اور فتنوں کا بھی ذکر کیا جو راہِ راست سے ہٹ جانے کے نتیجہ میں معاشرہ میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی اُمت پر جس سب سے بڑے

فتنہ کا ڈر ہے وہ عورتوں کا فتنہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن عورتوں کو جہنم کی آگ سے ڈرایا جو لباس پہنے ہوئے بھی لباس سے عاری ہوں گی اور اپنی طرف مردوں کو مائل کرنے والی اور بہت جلد ان کی طرف مائل ہوں گی۔

(مسلم کتاب اللباس باب النساء الکاسیات العاریات:3971)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر احسانِ عظیم ہے کہ آپ کو جو پاک اور کامل تعلیم عطا کی گئی آپؐ نے اِس تعلیم پر خود عمل کر کے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے کامل نمونہ دکھایا۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ نابینا صحابی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے اپنے پاس بیٹھی ازواجِ مطہرات حضرت سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کو پردے کا حکم دیا اس پر حضرت ام سلمہؓ نے تعجب سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں (ان سے پردے کی کیوں حاجت ہے) آپؐ نے فرمایا۔ ”کیا تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھ رہیں“

(ترمذی)

یوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے حکم قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:31) کہ تم مومنوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھا کریں، پر عمل کر کے امت کی رہنمائی فرمائی کہ آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم صرف مردوں کے لیے نہیں ہے بلکہ مرد وزن دونوں کے لیے ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک پاکباز، مطہر اور شرم و حیا کے پیکر کی زندگی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کی وضاحت کرتے ہوئے بے شمار نازک اور باریک مسائل بیان فرمائے مگر حیا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ آپؐ پاکیزگی اور تقویٰ کے انتہائی مقام پر فائز تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اُمّت کے باپ کی جگہ قرار دیا مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا کا بلند تقاضا یہ رہا کہ عورتوں کی بیعت لیتے وقت کبھی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا بلکہ زبانی بیعت لی۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ الممتحنہ)

سبحان اللہ! کیسا پیار کرنے والا مربی اعظم انسانیت کو عطا ہوا۔ آپؐ اپنی امت کے لئے شفیق باپ تھے۔ کیسے عظیم تھے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کیسا خوب تھا آپ کا اندازِ تربیت۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس مقدس ہستی پر کہ جس سے بڑھ کر انسانیت نے عظیم ہستی نہیں دیکھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربیت کے سلسلہ میں قرآنی اسلوب " فَذَكِّرْ " (یعنی نصیحت کرتا رہ) کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے اور نصائح کا تکرار پسند فرماتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیحت کرنے اور بات ذہن نشین کرانے کا ملکہ بہت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کی کسی عورت کی خوبصورتی پر نگاہ پڑتی ہے اور وہ غَضِّ بَصَر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ایسی عبادت کی توفیق دیتا ہے جس کی حلاوت وہ محسوس کرتا ہے۔

(مسند احمد مسند باقی الانصار باب حدیث أبي أمامة الباهلی الصدی بن عجلان)

حضرت جریرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "اچانک نظر پڑ جانے" کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا "اِصرِف بَصَرَكَ" اپنی نگاہ ہٹالو۔

(ابوداؤد کتاب النکاح باب فی ما یؤمر به من غض البصر)

حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بارہ میں چھ باتوں کی مجھے ضمانت دے دو تو مَیں تم کو جنت میں جانے کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب تم گفتگو کرو تو سچ بولو، جب تم وعدہ کرو تو پورا کرو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو عند الطلب دے دیا کرو، اپنی فروج کی حفاظت کرو، غَضِّ بَصَر سے کام لو اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم سے) روکے رکھو۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 323 مطبوعہ بیروت)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کسی حسین پر پہلی نظر پڑ جائے تو تم دوبارہ اس پر ہرگز نظر نہ ڈالو۔ اس سے تمہارے قلب میں ایک نور پیدا ہوگا۔"

(حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 213)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ فضل (بن عباس) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے تو خثعم قبیلہ کی ایک عورت آئی۔ فضل اسے دیکھنے لگ پڑے اور وہ فضل کو دیکھنے لگ گئی۔ تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کا چہرہ دوسری طرف موڑ دیا۔

(بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ)

حضرت امام غزالیؒ کا قول ہے کہ نظر نیچی رکھنا دل کو بہت زیادہ پاک کرتا ہے اور نیکیوں میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اعمال میں جان اور زندگی پیدا ہو، اِن میں نور جھلکے اور زینت ظاہر ہو تو ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کے حکم قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:31) کے مطابق اپنی آنکھوں کو نیچی رکھا کریں۔

سامعین! آخری زمانہ میں اسلامی تعلیمات کو از سرِ نو زندہ کرنے کے لئے آنے والے امام مہدی علیہ السلام کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔

يُقِيْمُ النَّاسَ عَلٰى مِلَّتِيْ وَشَرِيْعَتِيْ

(بحار الانوار جلد 13 صفحہ 17)

یعنی مہدی لوگوں کو میرے دین اور میری شریعت پر قائم کرے گا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی بھی فرمائی تھی کہ

فَسَدَ الدِّيْنُ وَلَا يُصْلِحُهٗ اِلَّا الْمَهْدِيُّ

(ینابیع المودۃ جز 2 صفحہ 83)

کہ امت پر ایک ایسا دور آئے گا کہ دین میں بگاڑ آجائے گا جسے مہدی کے سوا کوئی اور دور نہ کر سکے گا۔
اِس دَورِ آخرین میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اسلامی اخلاق کو پھر سے زندہ کیا۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اس لئے اُس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی

بھی تقریب نہ آئے۔ جس سے بد خطرات جنبش کر سکیں۔ اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی ہے اور یہی ہدایت شرعی ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ 5)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”آج کل پردہ پر حملے کئے جاتے ہیں لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ اسلامی پردہ سے مراد زنداں نہیں بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ جب پردہ ہو گا ٹھوکر سے بچیں گے... بد نتائج کو روکنے کے لئے شارع الاسلام نے وہ باتیں کرنے کی اجازت ہی نہ دی جو کسی کی ٹھوکر کا باعث ہوں۔ ایسے موقع پر یہ کہہ دیا کہ جہاں اس طرح غیر محرم مرد و عورت ہر دو جمع ہوں۔ تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 21۔22)

پھر آپؑ فرماتے ہیں۔

”مومنوں کو چاہیے کہ وہ اپنی آنکھوں اور کانوں اور ستر گاہوں کو نامحرموں سے بچاویں... یہ طریقہ اُن کی اندرونی پاکی کا موجب ہو گا۔“

(براہین احمدیہ صفحہ 192-193)

پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے۔ بے محابا نظر اُٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کے لئے اس تمدّنی زندگی میں غَضِّ بَصَر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خُلق کے رنگ میں آجائے گی۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم صفحہ 444)

قلب و دماغ کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام راستوں کی حفاظت کی جائے جن سے بدی کے داخل ہونے کا امکان ہے۔ نظریں نیچی رکھنے کی عادت ایک پاکیزہ معاشرے کی ضامن ہے۔ غَضِّ بَصَر

ایک ایسی خوبی ہے جس کی وجہ سے ہم بہت سی بُرائیوں سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔اس خُلق کو اپنانے والا معاشرے میں محترم اور بلند کردار انسان کہلانے کا حق دار ہو جاتا ہے۔ پس انسانی شخصیت کی تعمیر کرنے اور اس میں حُسن اخلاق کے جوہر کی آبیاری کرنے کے لئے اس خلق کو شعار بنانا ضروری ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"ہم نے بہت سے انسان دیکھے ہیں کہ ایک ہی نگاہ میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مومنوں سے کہہ دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں۔"

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 213)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"غَضِّ بَصَر سے کام لیں۔یعنی اپنی آنکھ کو اُس چیز کو دیکھنے سے روکے رکھیں جس کا دیکھنا منع ہے۔یعنی بلا وجہ نامحرم عورتوں کو نہ دیکھیں۔ جب بھی نظر اٹھاکر پھریں گے تو پھر تجسّس میں آنکھیں پیچھا کرتی چلی جاتی ہیں اس لئے قرآن شریف کا حکم ہے کہ نظریں جھکا کے چلو۔اِسی بیماری سے بچنے کے لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایاہے کہ نیم وا آنکھوں سے چلو۔یعنی ادھ کھلی آنکھوں سے، راستوں پر پوری آنکھیں پھاڑ کر نہ چلو...اگر مرد اپنی نظریں نیچی رکھیں گے تو بہت سی بُرائیوں کا تو یہیں خاتمہ ہو جاتاہے...پھر مومن عورتوں کے لئے حکم ہے کہ غَضِّ بَصَر سے کام لیں اور آنکھیں نیچی رکھا کریں... غَضِّ بَصَر کا حکم مردوں کو تو ہے، ساتھ ہی عورتوں کے لئے بھی ہے کہ تم نے کسی دوسرے مرد کو کبلا وجہ نہیں دیکھنا...بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ کسی مجبوری کی وجہ سے کسی مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو ایسا لہجہ ہونا چاہئے جس میں تھوڑی سی خفگی ہو، تُرشی ہو تاکہ مرد کے دل میں کبھی کوئی بُرا خیال نہ پیدا ہو۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30/ جنوری 2004ء)

آج ہم جس روشن خیال دور سے گزر رہے ہیں اس میں شیطان اپنے پورے لشکر، انٹرنیٹ، ٹی وی، موبائل اور سوشل میڈیا کے ساتھ انسانیت کے رستہ میں آن کھڑا ہوا ہے، ایسے میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کی حسین تعلیم کے نمونے اپنائیں اور اپنے اقوال وافعال کو تقویٰ کا لباس پہنائیں۔

یہ مشکل دور ہے بہت نازک زمانہ ہے
زمانے نے تجھے ہر ہر قدم پر آزمانا ہے
کہیں ٹھوکر نہ کھا جانا، کہیں تھک کر نہ گر جانا
سنبھلنا، دوڑنا ہے اور آگے ہی بڑھنا ہے

پیارے دوستو! آخر پر صحابیاتِ رسولؐ کے غَضِّ بَصَر کے متعلق سُن لیں۔ تاریخ کے اوراق کو پلٹا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ صحابیات نے جذبۂ اطاعت کے ساتھ حضرت محمدؐ کی آواز پر لبیک کہا۔ صحابیات نے غَضِّ بَصَر کے خُلق کو اپنا کر زندگی کے ہر شعبہ میں عظیم الشان قربانیاں کرتے ہوئے اسلام کے پودے کی آبیاری کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ شرم وحیا کی پیکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہمارے لئے ایک بہترین مثال ہے۔ حضرت عائشہؓ نے دینِ اسلام میں وہ مقام حاصل کیا کہ آپ کے بارے میں آنحضورؐ نے فرمایا کہ آدھا دین حضرت عائشہؓ سے سیکھو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ عورتوں میں سب سے زیادہ احادیث آپ سے مروی ہیں اور جہاں تک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا تعلق ہے وہ تقریباً آدھے دین کے علم پر حاوی ہیں۔ آپؓ نے اپنی ساری زندگی دین کا علم سیکھنے اور سکھانے میں گزاری۔ علم کے محتاجوں کے لئے آپؓ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا۔ بہت سے مسلمان دینی مسائل کے بارہ میں پوچھنے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پردہ کی پابندی کے ساتھ سب سوال کرنے والوں کے سوالوں کے تسلی بخش جواب دیا کرتی تھیں۔ بعض اوقات آپؓ نے علومِ دین کے تعلق میں اجتماعات کو بھی خطاب فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے اس تمام عرصہ میں حیا کا پہلو نہ چھوڑا اور حیا اور پردے کی ایک زبردست مثال قائم کی۔ آپؓ کا پاک وجود تمام مسلمان خواتین کے لیے ایک نمونہ ہے۔

باعثِ فخر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ایک عظیم مجاہدہ تھیں۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے شرم وحیا کی صفت سے حصہ پاتے ہوئے میدانِ جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے جو ہمارے لئے ایک نمونہ ہے۔ تاریخ ایسی مومن عورتوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ شرم و حیا اور پاکدامنی جن کی شان اور پہچان تھی۔

صحابیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدمت خلق کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیتیں، کہیں وہ شہداء کی لاشوں کو اٹھاتی ہوئی دکھائی دیتیں تو کہیں زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی ہوئی، کہیں مجروح سپاہیوں کو پانی پلاتی تو کہیں شہری آبادی میں گھسنے والے ذلیل دشمن کا سر خیمے کی چوب سے پھاڑ کر اسے واصل جہنم کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ صحابیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی موقع پر شرم و حیا کے خُلق پر آنچ نہ آنے دی اور سارے کام حیا کے دائرہ میں رہتے ہوئے کئے۔ جنگِ یرموک میں مسلمان عورتیں ہی تھیں جن کے جوشِ جہاد نے مردوں کی پسپائی کو فتح میں بدل دیا۔

حضرت عمرؓ کے دربارِ خلافت میں شفاء بنت عبد اللہ اعلیٰ درجہ کی مشیر تھیں جن کی اصابت رائے کو بعض اوقات مردوں پر مقدم رکھا جاتا تھا۔ حیادار اور باوفا صحابیات نے اپنے عملی کردار سے اس امر کا ثبوت دیا کہ شرم و حیا کا خُلق کسی طور پر بھی عورت کے تعمیری کردار پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ یکسوئی کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ یہ ایمان افروز داستانیں ہمیشہ زندہ رہیں گی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے عزت اور احترام کے ساتھ پڑھی اور سنی جائیں گی۔ ہمیں ان جری مجاہدات صحابیات کی زندگی کی پیروی کرنی چاہیئے جنہوں نے اسلامی احکام کی پیروی کرتے ہوئے زندگی گزاری اور اللہ کے ہاں بلند مقام پایا۔

مل جاتی ہے ان لوگوں کو ایمان کی دولت
ہر لمحہ بسر کرتے ہیں جو صدق و صفا سے

یہ ایمان افروز نمونے ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں اور ہمیں دعوتِ عمل دے رہے ہیں کہ ان پاک نمونوں کو اپنی زندگیوں میں جاری و ساری کریں۔

خدا کرے کہ ہمیں اُن نیک اعمال کی توفیق ملے جو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے تاکہ ہم بھی خدا تعالیٰ کی درگاہ میں قبولیت کے لائق ٹھہریں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

﴿37﴾ ﴿مشاہدات۔64﴾

ریاکاری، عُجب پسندی اور دکھاوا ایک گناہ ہے

پسند آتی ہے اس کو خاکساری
تذلل ہی رہِ درگاہِ باری
عجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ
کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ
بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

میری بہنو اور بھائیو! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔**ریاکاری، عُجب پسندی اور دکھاوا ایک گناہ ہے**

ریاکاری کے لفظی معنی دکھاوے، تصنّع، دھوکے، مکاری اور فریب کے ہیں۔یعنی جو کچھ آپ ظاہری طور پر نظر آتے ہیں وہ اصل میں ہیں نہیں۔بظاہر نظر آنے والے اعمال خود کو لوگوں میں اچھا دکھانے کے لیے ہیں۔بعض لوگوں میں یہ تصنّع اور بناوٹ ان کی عادت بن جاتی ہے جو انہیں آہستہ آہستہ مشکلات کا شکار کر دیتی ہے۔لوگوں کو دکھانے کی خاطر بڑے بڑے صدقات دینا پھر ان کا ذکر کرنا، نمازوں میں لمبے لمبے سجدے کرنا کہ لوگ انہیں دیکھیں۔اپنی دعاؤں کا بڑھ چڑھ کر ذکر کرنا، کئی حج اور عمرے کرنا، لوگوں کی مدد کر کے پھر ان پر احسان جتانا لوگوں کے سامنے اس مدد کا ذکر کرنا وغیرہ یہ سب تصنّع اور ریاکاری کے زمرہ میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا (النساء:39)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنے اموال لوگوں کے سامنے دکھاوے کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ یومِ آخر پر۔ اور وہ جس کا شیطان ساتھی ہو تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ:265)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا اذیت دے کر ضائع نہ کیا کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کی خاطر خرچ کرتا ہے اور نہ تو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یومِ آخر پر۔ پس اس کی مثال ایک ایسی چٹان کی طرح ہے جس پر مٹی (کی تہ) ہو۔ پھر اس پر موسلا دھار بارش برسے تو اُسے چٹیل چھوڑ جائے۔ جو کچھ وہ کماتے ہیں اس میں سے کسی چیز پر وہ کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (البقرہ:266)

ترجمہ: اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے اموال اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اور اپنے نفوس میں سے بعض کو ثبات دینے کے لئے خرچ کرتے ہیں، ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو اور اُسے تیز بارش پہنچے تو وہ بڑھ چڑھ کر اپنا پھل لائے، اور اگر اسے تیز بارش نہ پہنچے تو شبنم ہی بہت ہو۔ اور اللہ اس پر جو تم کرتے ہو گہری نظر رکھنے والا ہے۔

انصار بھائیو! مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف احسان کر کے جتانے والے کی مثال ایک ایسی چٹان سے دی ہے جو بارش کے بعد بھی چٹیل رہ جاتی ہے اور دوسری آیت میں کسی کی مدد کرنے والے کی مثال ایک ایسے باغ سے دی ہے جو بارش کے بعد بڑھ چڑھ کر اپنا پھل دیتا ہے۔ ریاکار ہمیشہ اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ نیک عمل خدا کی خاطر انجام نہیں دے رہا بلکہ اسے دوسروں سے اس بات کی توقع ہے

کہ وہ اس کے کام دیکھ کر اس کی تعریف کریں گے دوسرے اس کا اجر اسے دیں گے۔ خدا تعالیٰ کی ذات پر اس کا یقین نہیں کہ وہی ہے جو تمام اعمال کی جزا و سزا کا مالک ہے۔

تصنّع اور ریاکاری ایک طرح کا جھوٹ ہے اور شرک خفی یعنی چھپا ہوا شرک ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری کے حوالہ سے بہت جگہ پر مسلمانوں کے لئے تعلیم بیان فرمائی ہے۔ بلکہ اسے شرک اصغر، شرک السرائریعنی مخفی شرک قرار دیا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! شرک خفی سے بچو۔ صحابہؓ نے شرک خفی کی تشریح چاہی تو آپؐ نے فرمایا ایک شخص سنوار کر نماز پڑھتا ہے اور اس کی خواہش و کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ مجھے اس طرح نماز پڑھتے دیکھیں اور بزرگ سمجھیں۔ یہی دکھاوے کی خواہش شرک خفی ہے۔

(حدیقۃ الصالحین از ملک سیف الرحمٰن مرحوم صفحہ 833)

ایک موقع پر آپؐ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں سب سے زیادہ شرک اصغر سے ڈرتا ہوں۔ صحابہؓ کے شرک اصغر کے بارے پوچھنے پر فرمایا: ”ریاکاری“

(مسند احمد الرسالہ روایت 23630)

ایک اور روایت میں ہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے بارے میں شرک کا خوف ظاہر فرمایا۔ صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ کیا آپؐ کے بعد آپؐ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا وہ لوگ چاند و سورج اور بتوں کی پرستش نہیں کریں گے مگر ریاکاری کریں گے یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے کام کریں گے۔

(ابن ماجہ کتاب الزھد باب الریا و السمعہ)

سامعین! گویا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری کو آخری زمانہ کی علامات میں سے ایک علامت قرار دیا ہے جس کی اصلاح کے لئے مہدی و مسیح نے آنا تھا۔ آج ہم سر عام اس بیماری کو مسلمانوں کے بعض طبقات میں دیکھتے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ایسے لوگوں کے حج کے فعل کو پیش کر سکتے ہیں جو صرف دکھاوے کے لئے اس لئے حج کرتے ہیں کہ حاجی یا الحاج کہلوا کر ان کا کاروبار چمکے۔ لوگ ارد گرد کی

دوسری دکانیں چھوڑ کر حاجی صاحب کی دکان پر اس لئے آئیں کہ یہ دیانت دار ہوں گے۔ خواہ یہ حاجی کے لیبل تلے بے ایمانی ہی کرتے ہوں۔

آج کل عمرہ پر گئے بعض لوگ واٹس ایپ پر میسجز کر کے دکھاوا کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ یہ موقع دعاؤں کا موقع ہوتا ہے۔ عمرہ یا حج کر کے لوگوں کو بتاتے پھرتے ہیں کہ یہ میرا ساتواں عمرہ یا حج ہے۔ یہی کیفیت عید کے روز قربانی کے جانوروں کے دکھاوے میں ہوتی ہے حالانکہ اللہ نے واضح فرمادیا ہے کہ خدا تک خون نہیں پہنچتا صرف تقوی پہنچتا ہے۔

بعض لوگ اپنے ماتھے پر گرم دھات کے آلہ سے محراب بنواتے ہیں تا لوگ انہیں نمازی، پرہیز گار کہیں۔ بعض لوگ آستانے بنا لیتے ہیں، صوفی پن کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنے بیڈ رومز میں جائے نماز یا مصلّہ بچھائے رکھ کر اپنی پرہیز گاری کا تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ نمازوں کو لوگوں کی موجودگی میں لمبا کرنا، سجدے لمبے کرنا یہ عُجب، ریاکاری کے زمرے میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے نمازیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ سورۃ الماعون میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۷﴾ (الماعون:5-7)

ترجمہ: پس اُن نماز پڑھنے والوں پر ہلاکت ہو۔ جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

بعض لوگ باقاعدگی سے نماز کا اہتمام نہیں کرتے لیکن جب کہیں لوگ اکٹھے ہوں تو وہاں سب کو دکھانے کے لیے نماز پڑھ لیتے ہیں تو یہ بھی دکھاوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی نماز پڑھنے والوں کو بُرا کہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اس سلسلہ میں خدا تعالیٰ نے یہی چاہا ہے اور اس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ تقویٰ کم ہو گیا ہے بعض تو کھلے طور پر بے حیائیوں میں گرفتار ہیں اور فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ایک قسم کی ناپاکی کی ملونی اپنے اعمال کے ساتھ رکھتے ہیں مگر انہیں نہیں معلوم کہ اگر اچھے کھانے میں تھوڑا سا زہر پڑ جاوے تو وہ سارا زہریلا ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جو چھوٹے چھوٹے (گناہ) ریاکاری وغیرہ جن کی

شاخیں باریک ہوتی ہیں اُن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ دنیا کو تقویٰ اور طہارت کی زندگی کا نمونہ دکھائے۔ اسی غرض کے لئے اس نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ وہ تطہیر چاہتا ہے اور ایک پاک جماعت بنانا اس کا منشاء ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 83 ایڈیشن 1988ء)

پھر آپؑ نے فرمایا:

"جس کے اعمال میں کچھ بھی ریاکاری ہو۔ خدا اس کے عمل کو واپس الٹا کر اس کے منہ پر مارتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 301)

پھر ایک اور موقع پر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عملِ صالح بھی رکھا ہے۔ عملِ صالح اسے کہتے ہیں کہ جب ایک ذرّہ بھی فساد نہ ہو۔ یاد رکھو! انسان کے عمل پر ہمیشہ چور پڑا کرتے ہیں۔ وہ کیا ہیں۔ ریاکاری (کہ جب انسان دکھاوے کے لیے ایک عمل کرتا ہے)، عُجب، (ایک عمل کر کے اپنے نفس میں خوش ہوتا ہے) اور قسم قسم کی بدکاریاں اور گناہ جو اس سے صادر ہوتے ہیں۔ ان سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ عمل صالح وہ ہے جس میں ظلم، عُجب، ریا، تکبر اور حقوق انسانی کے تلف کرنے کا خیال تک نہ ہو۔ جیسے آخرت میں عمل صالح سے بچتا ہے ویسے ہی دنیا میں بھی بچتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 274-275 ایڈیشن 1984ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"مولویوں کی طرف دیکھو کہ دوسروں کو وعظ کرتے اور آپ کچھ عمل نہیں کرتے۔ اسی لئے اب اُن کا کسی قسم کا اعتبار نہیں رہا ہے۔ ایک مولوی کا ذکر ہے کہ وہ وعظ کر رہا تھا۔ سامعین میں اس کی بیوی بھی موجود تھی۔ صدقہ و خیرات اور مغفرت کا وعظ اس نے کیا۔ اس سے متاثر ہو کر ایک عورت نے پاؤں سے ایک پازیب اُتار کر واعظ صاحب کو دے دی جس پر واعظ صاحب نے کہا تو چاہتی ہے کہ تیرا دوسرا پاؤں دوزخ میں جلے؟ یہ سن کر اس نے دوسری بھی دے دی۔ جب گھر میں آئے تو بیوی نے بھی اس وعظ پر عملدرآمد

چاہا کہ محتاج کو کچھ دے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ باتیں سنانے کی ہوتی ہیں کرنے کی نہیں ہوتیں اور کہا کہ اگر ایسا کام ہم نہ کریں تو گزارہ نہیں ہوتا انہی کے متعلق یہ ضرب المثل ہے۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند

چوں بخلوت مے روند آں کارِ دیگر مے کنند"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 230۔ ایڈیشن 2003ء)

یعنی وعظ کرنے والے جو کچھ محراب و منبر پر بتاتے ہیں جب تنہائی میں جاتے ہیں تو اس کام کے بر خلاف کرتے ہیں۔

بھائیو! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"خود انسان کو اگر وہ حقیقت پسند بن کے اپنا جائزہ لے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ کام جو وہ کر رہا ہے یہ دنیا دکھاوے کے لئے ہے یا خدا تعالیٰ کی خاطر؟ اگر انسان کو یہ پتہ ہو کہ میرا ہر عمل خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہونا چاہئے اور ہو گا تو تبھی مجھے ثواب بھی ملے گا تو تبھی وہ نیک اعمال کی طرف کوشش کرتا ہے۔ تبھی وہ اس جستجو میں رہے گا کہ میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کی تلاش کروں اور اُن پر عمل کروں اور جب یہ ہو گا تو پھر نہ ریا پیدا ہو گی نہ دوسری برائیاں پیدا ہوں گی۔"

(خطبات مسرور جلد 10 صفحہ 205)

شرک کی جب بات ہو تو یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے تمام گناہ اور بدیاں معاف کر دیتا ہے ماسوائے شرک کے۔ شرک خفی ایک ایسا شرک ہے کہ جو انسان اس مخفی شرک میں مبتلاء ہوتا ہے وہ متکبّر بن جاتا ہے اور اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگتا ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو خدا کے مقابل پر لا کھڑا کرے تو یہ شرک ناقابل معافی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص محض شہرت کی خاطر کوئی کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس رنگ میں شہرت دے گا کہ آخر کار اس کے عیب لوگوں پر ظاہر ہو جائیں گے۔ ان میں وہ رسوا اور بدنام ہو جائے گا اور جو شخص ریاکاری سے کام لے گا اللہ تعالیٰ اس کی ریاکاری سب پر ظاہر کر دے گا۔

(بخاری کتاب الرقاق باب الریاء و السمعہ)

اس ریاکاری میں تعریف، ستائش، عُجب پسندی، دکھاوا بھی آجاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑ چھوڑ کر تہبند باندھ کر دکھاوے کو ناپسند فرمایا ہے لیکن ساتھ ہی فرمایا إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال یعنی خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ اس ضمن میں صاف ستھرے کپڑے پہننا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ظاہر کرنا عُجب پسندی میں نہیں آتا۔ اس کو شکر خداوندی کے زمرے میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہو گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتی اچھی ہو اور خوبصورت لگے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ تکبر نہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، یعنی خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر دراصل یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرنے لگے، لوگوں کو ذلیل سمجھے، ان کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور ان سے بری طرح پیش آئے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الکبر وبیانہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اصل میں تو نیّت مراد ہے۔ اب دیکھیں کہ آج کل بھی شادی بیاہوں میں صرف ایک دو دفعہ پہننے کے لئے دلہن کے لئے یا دولہا کے لئے بھی اور رشتہ داروں کے لئے بھی کتنے مہنگے جوڑے بنوائے جاتے ہیں جو ہزاروں میں بلکہ لاکھوں میں چلے جاتے ہیں، صرف دکھانے کے لئے کہ ہمارے جہیز میں اتنے مہنگے مہنگے جوڑے ہیں یا اتنے قیمتی جوڑے ہیں یا ہم نے اتنا قیمتی جوڑا پہنا ہوا ہے۔ صرف فخر اور دکھاوا ہوتا ہے ...... پھر فیشن کے پیچھے چل کر دکھاوے اور فخر کے اظہار کی رو میں بہہ کر قرآن کریم کے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کر رہے ہوتے ہیں کہ اپنی زینتوں کو چھپاؤ...... اسی طرح مرد بھی اگر دکھاوے کے طور پر کپڑے پہنتے ہیں، لباس پہن رہے ہیں تو وہ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ صاف ستھرا اچھا لباس پہننا منع نہیں۔ اس سوچ کے ساتھ یہ لباس پہننا منع ہے کہ اس میں فخر کا اظہار ہوتا ہو، دکھاوا ہوتا ہو۔“

(خطبہ جمعہ 2/ جنوری 2004ء)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ ہماری ایمانی حالت کیا ہے؟ کیا ہم میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت ہے؟ کیا ہم تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے والے ہیں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ سے ہر چیز سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی کامل فرمانبرداری کرنے والے ہیں؟ اور پھر ساتھ ہی ہماری نظر اپنے عمل کی طرف پھرنے والی ہونی چاہیے کہ کیا ہمارا ہر عمل اسلام کی حقیقی تعلیم کے مطابق ہے؟ ہمارے عمل کہیں دکھاوے کے عمل تو نہیں؟ ہماری نمازیں کہیں دکھاوے کی نمازیں تو نہیں؟ ہمارا مال خرچ کرنا، زکوٰۃ دینا کہیں دکھاوا تو نہیں؟ ہمارے روزے کہیں دکھاوے کے روزے تو نہیں؟ ہمارے حج صرف حاجی کہلانے کے لیے تو نہیں؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی کامل فرمانبرداری تو تب ہو گی، دلی سکون اور امن تو تب ملے گا جب ہمارا ہر عمل صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے ہو گا اور تبھی وہ معاشرہ خلافت کے زیرِ سایہ قائم ہو گا جب ہمارا ہر عمل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا حق ادا کرنے والا ہو گا۔ پس صرف زبانی باتیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ہمیشہ سامنے رکھنا ہو گا کہ وہ ایمان لانے والے اس سے فیض اٹھائیں گے جن کے عمل صالح ہوں گے۔“

(خطبہ جمعہ 28 مئی 2021ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ریاکاری جیسی لعنت اور جنت سے دور کرنے والی بدی سے دور رہنے کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

✡✡✡✡

﴿38﴾ ﴿مشاہدات۔65﴾

رشتہ داریوں کا تقدس و احترام

یہ ساغر شیشے لعل و گہر
سالم ہوں تو قیمت پاتے ہیں
یوں ٹکڑے ٹکڑے ہوں تو فقط
چبھتے ہیں لہو رلواتے ہیں

آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **رشتہ داریوں کا تقدس و احترام**

معزز بھائیو! رشتہ داریوں کے تقدس، تکریم اور ان کو مضبوط سے مضبوط کرتے چلے جانا ایک اہم اسلامی تعلیم ہے۔ جن کی طرف اس مادی دنیا میں جہاں مسلسل رشتہ داریوں کے تقدس اور احترام میں کمی آرہی ہے توجہ دلاتے رہنے کی ضرورت ہے کسی نے آج کے دور کی مناسبت سے ان رشتہ داریوں کو زمانے میں بدلتے برتنوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کہا گیا تھا کہ ایک وقت تھا جب پیتل کے برتن استعمال ہوتے تھے۔ زیر استعمال برتنوں کو روزانہ تو دھویا ہی جاتا تھا لیکن سال میں ایک بار ان کی کَس اور مَیل کو دور کرنے کے لئے قلعی وغیرہ کروائی جاتی تھی۔ پھر اسٹیل کے برتن آگئے جو نہ ٹوٹتے تھے، نہ خراب ہوتے تھے لیکن کچھ عرصہ استعمال کے بعد ان سے اُکتا کر ان کو پھینک دیا جاتا تھا۔ پھر کانچ کے برتن آگئے جو ٹوٹ گئے تو ختم۔ پلاسٹک کے برتن متعارف ہوئے تو وہ زمانہ بھی زیادہ نہ چلا اور اب کاغذ کے برتن آگئے ہیں جن کو disposable برتن کہا جاتا ہے۔ زیر استعمال لائے اور dust bin کی نذر کر دیا۔

یہی کیفیت گزرتے زمانے کے ساتھ ساتھ رشتہ داریوں سے ہوتی گئی۔ ایک وقت تھا کہ رشتے بہت مضبوط اور مربوط ہوتے تھے۔ اگر رشتوں میں کسی وجہ سے دراڑ آجاتی تو فوراً مختلف رشتہ داروں کی وجہ سے دوبارہ جوڑ دیئے جاتے اور پہلے ہی کی طرح زندگی بسر کرتے جیسے پیتل کے برتنوں کو قلعی کرادی ہو۔ پھر جب

دوریاں پیدا ہونے لگیں تو رشتوں کو بھی اسٹیل کے برتنوں کی طرح کچھ عرصہ کے بعد اپنے سے الگ کر دیا جانے لگا۔ پھر کانچ کے برتنوں کی طرح جب رشتے ٹوٹنے لگے تو کوئی جوڑنے والی چیز بھی کام نہ آئی۔ کسی مصنوعی چیز سے بھی جوڑا گیا تو شیشہ میں آنے والا بال نہ گیا۔ رشتہ داریاں مختلف مراحل سے گزرتی اب بعض جگہوں پر تو disposable کے طور پر رہ گئی ہیں۔ جب ضرورت پڑی مِل لیا پھر رستے جُدا جُدا۔ اس میں کسی حد تک حقیقت تو ہے۔ ممکن ہے بعض خاندانوں میں ابھی بھی یہ رشتے مضبوط ہوں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو بالخصوص جہاں جہاں مشترکہ خاندانی نظام ہے وہاں تو رشتوں میں مضبوطی بھی ہو گی۔ لیکن جوں جوں سوشل میڈیا ہماری زندگیوں پر حاوی ہوتا گیا یا ہم نے خود اسے اپنے اوپر حاوی کر لیا تب سے رشتہ داروں میں دوریاں پیدا ہونے لگیں۔ اب تو ایک ہی کمرہ اور ایک ہی محفل میں بیٹھے بہن بھائی اور ماں باپ آپس میں باتیں اور خوش گپیاں لگانے کی بجائے اپنے اپنے موبائل میں مصروف نظر آتے ہیں اور اگر بڑے چھوٹوں کو کوئی کام کہہ دیں تو بعض اوقات بے توجہی، بے رُخی یا بد تمیزی کے مناظر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں اور یوں آپسی محبت و مودّت کا پودا مرجھا رہا ہے۔

معزز بھائیو! ایک وقت تھا جو گھروں میں، داروں میں اکٹھا بیٹھا جاتا تھا۔ گاؤں میں ایک حُقہ کے ارد گرد تمام گاؤں والے باری باری جمع ہو کر کَش لگاتے اور محبت کی باتیں کرتے۔ چوپالوں میں جمع ہو کر ریڈیو کی خبریں سنی جاتیں اور تبصرے ہوتے۔ آج بھی سوشل میڈیا یا وی لاگ کے ذریعہ گاؤں کے پرانے مناظر بھلے لگتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ بچے اسکولز کی چھٹیوں کا انتظار کرتے اور پروگرامز بنتے تھے کہ اتنے دن پھوپھو، اتنے دن فلاں خالہ اور اتنے دن فلاں ماموں کی طرف چھٹیاں گزاریں گے۔ ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا رہتا تھا۔ اگر شادی ہوتی تو پہلے سے ہی طے پا جاتا کہ گھر کے کام کاج، مہمانوں کی تواضع اور دلہن کے کپڑوں کو گوٹا کناری لگانے کے لئے ہم اتنے اتنے دن پہلے آجائیں گے۔ مل بیٹھیں گے۔ پرانی یادیں تازہ کریں گے اور شادی پر آنے والے مہمانوں کی فہرستیں گھروں میں بنتیں۔ ارد گرد محلہ میں، پڑوسیوں اور شادی والے گھر کے قریب دیگر رشتہ داروں سے مہمانوں کے لئے کمرے مستعار لئے جاتے۔ گھروں میں ہر فرد کے ذہن میں مہمانوں کے لئے قربانی کا جذبہ ہوتا۔ اپنے کمرے مہمانوں کے لئے وقف ہو جاتے۔ اڑوس پڑوس سے چارپائیاں، بستر، لحاف، کھیس اور تکیے اکٹھے کئے جاتے اور ان پر لئی (آٹے سے

بنائے جانے والی گوند) سے کاغذ پر نام لکھ کر چیپیاں لگائی جاتیں یا کسی کونے کو ڈھونڈ کر اس کا نام لکھا جاتا جس سے یہ بستر عاریۃً لئے گئے۔ ایک رونق ہوتی اور روٹھے ہوئے عزیزوں کو منانے کے لئے وفد بنائے جاتے۔ اگر کوئی نہ مانتا تو بسا اوقات شادی ملتوی کر دی جاتی۔ بلکہ میں نے تو ایک جگہ ایک روٹھے ہوئے رشتہ دار کو جو شادی میں شامل ہونے کے لئے آمادہ نہ تھا، کاندھوں پر اٹھا کر لاتے دیکھا اور یہ کہتے سنا کہ "خاندان دی لڑی نوں ٹوٹن نہیں دینا۔ ترے بغیر وی ساڈی شادی ہو سکدی اے؟" روٹھے ہوئے کو منانے، راضی رکھنے اور خوش کرنے کے لئے اچھا مقام دینا۔ اس کی عزت افزائی کرنا۔ الغرض رشتہ داریوں کو ایک حصار میں رکھنے کے لئے بہت جتن ہوتے اور بابا دادا کی تمام اولاد کا ایک سائبان ہوتا۔ ایک دوسرے کی طرف آنا جانا ہوتا، دعوتیں ہوتیں، مل بیٹھنے کی محفلیں منعقد کرنے کے بہانے تراشے جاتے۔

اب شادی بیاہ کے مواقع پر بظاہر رونق نظر آرہی ہوتی ہے۔ شادی ہالز، میرج سینٹرز پر بُلوا کر، تحائف کا ادل بدل کرکے، میل ملاقات کرکے، مبارکبادیں Exchange کرکے ایک دو گھنٹے اکٹھے مل بیٹھ کر واپسی شروع ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات سوچتا ہوں کہ ایک مہمان نے شادی میں شمولیت کے لئے جو سفر کیا ہے وہی سفر چار سے پانچ گھنٹے کا ہے اور اتنا ہی وقت خرچ کرکے اس نے واپس بھی جانا ہے۔ 10 گھنٹے کے تکلیف دہ سفر کے بعد شادی میں شمولیت کا وقت صرف ڈیڑھ گھنٹہ سے دو گھنٹہ اور اگر سفر کٹھن، تکلیف دہ ہو تو شادی ہال ہی کے ایک کمرے کو دور سے آنے والے مہمان کے لئے بُک کروا دیا جاتا ہے۔ جہاں آکر نہا دھو کر تیاری کرلیں، خواتین بناؤ سنگھار کرلیں۔ گھروں میں بُلانے سے احتراز برتا جاتا ہے۔ گھروں کے بچے، ان ہی کی بہن، بھائی کی شادی پر آنے والے عزیز و اقارب کے لئے قربانی کرکے اپنے کمرے وقف کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ کسی کو منوا کر شادی پر لائے بھی تو کام نکل آنے پر "تُو کون اور مَیں کون"

شاعر نے کہا تھا:

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

معزز بھائیو! کچھ اسی قسم کی کیفیت کا شکار ہم اور ہمارا معاشرہ ہوتا جارہا ہے۔ شادی بیاہ تو الگ رہا۔ اب تو عزیزوں میں میل ملاقات بہت دیر بعد ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی طرف آنا جانا بہت کم ہوگیا ہے۔ مہمان نوازی میں کمی دیکھنے کو مل رہی ہے۔ اگر کسی کی دعوت بھی کرنی ہے تو باہر کسی ہوٹل میں بُلا کر کردی جاتی ہے۔ یہ سب سوشل میڈیا اور موبائل فونز کا کمال ہے۔ یہ فراوانی کی بدولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے گھروں میں عطا کی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس فراوانی کی بدولت قربتیں بڑھتیں۔ مہمانوں اور عزیزوں کے لئے وقت، جان کی قربانی کا جذبہ کم ہوا۔ اب تو اگر کوئی ملنے کی خواہش کرے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ میں فلاں جگہ جارہاہوں۔ وہاں آجائیں ملاقات ہوجائے گی۔ تعزیت اور عیادت اب واٹس ایپ میسج کی مرہون منت رہ گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی خدمت کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی (النحل:91)

کہ اللہ تعالیٰ نے عدل، دوسرے نمبر پر احسان اور پھر ایتاء ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں ان تین مراتب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اسی واسطے اس نقص اور کمی کی تلافی کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ احسان سے بھی آگے بڑھو اور ترقی کرکے ایسی نیکی کرو کہ وہ ایتاء ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہو یعنی جس طرح ایک ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے۔ ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا پر مبنی ہے نہ کہ کسی طمع پر“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 663)

سنن ابن ماجہ کتاب الادب میں درجہ بدرجہ رشتہ داروں کے بعد تعلق داروں سے حسن سلوک کا ذکر ملتا ہے۔

پیارے آقا ہادی برحق حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:
جو شخص رزق میں فراخی چاہتا ہے یا خواہش رکھتا ہے کہ اس کی عمر اور ذکر خیر زیادہ ہو اسے صلہ رحمی کا خلق اختیار کرنا چاہیے یعنی اپنے رشتہ داروں سے بنا کر رکھنی چاہیے۔

(صحیح مسلم کتاب البرو الصلہ)

رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کی اہمیت کے ضمن میں احمدی خواتین سے خطاب کرتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”پھر رشتہ داروں سے حسنِ سلوک ہے۔ یہ ایک بہت اہم چیز ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بعض رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ ایک نیکی جو ہے جس کا اللہ تعالیٰ ثواب دے رہا ہوتا ہے اُس سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ رشتے داروں سے حسنِ سلوک کی نیکی رہے تو عموماً میں نے دیکھا ہے کہ گھروں میں جو رشتے برباد ہوتے ہیں، ٹوٹتے ہیں، خاوند اور بیوی کی آپس میں جو لڑائیاں ہوتی ہیں وہ نندوں اور بھابھیوں کی لڑائیاں ہیں، ساس اور بہو کی لڑائیاں ہیں۔ اگر ایک دوسرے سے حسنِ سلوک کر رہے ہوں گے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کسی قسم کی ایک دوسرے کے خلاف رنجشیں پیدا ہوں، برائیاں پیدا ہوں۔ پس یہ بھی نیکیوں میں آگے بڑھنے والی مومنات کا کام ہے کہ اپنے رشتوں کا بھی پاس اور خیال رکھیں۔“
(خطاب فرمودہ 17 ستمبر 2011ء بر موقع سالانہ اجتماع لجنہ اماء اللہ جرمنی)

معزز بھائیو! مختلف رشتہ داروں کا خیال رکھنے کے اسلامی حکم پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے نیز اس کی پاسداری نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے عائلی مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے قریبی رشتہ داروں کا بھی خیال رکھو، ان سے بھی احسان کا سلوک کرو۔ یہ حسن سلوک ہے جس سے تمہارے معاشرے میں صلح اور سلامتی کا قیام ہو گا۔
قریبی رشتہ داروں میں تمام رحمی رشتہ دار ہیں، تمہارے والد کی طرف سے بھی اور تمہاری والدہ کی طرف سے بھی۔ پھر بیوی کے رحمی رشتہ دار ہیں۔ پھر خاوند کے رحمی رشتہ دار ہیں۔ دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ہو گئی کہ ایک دوسرے کے رحمی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو، ان کی عزت کرو، ان کا احترام کرو، ان

کے لئے نیک جذبات اپنے دل میں پیدا کرو۔ غرض کہ وہ تمام حقوق جو تم اپنے قریبی رشتہ داروں کے لئے پسند کرتے ہو، ان قریبی رشتہ داروں کے لئے پسند کرتے ہو جن سے تمہارے اچھے تعلقات ہیں، کیونکہ قریبی رشتہ داروں میں بھی تعلقات میں کمی بیشی ہوتی ہے بعض دفعہ قریبی رشتہ داروں میں بھی دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں سے بھی حسن سلوک کرو۔ صرف ان سے نہیں جن سے اچھے تعلقات ہیں، جنہیں تم پسند کرتے ہو بلکہ جنہیں تم نہیں پسند کرتے، جن سے مزاج نہیں بھی ملتے ان سے بھی اچھا سلوک کرو۔ پس یہ حسن سلوک ہر قریبی رشتہ دار سے کرنا ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ صرف ان سے نہیں جن سے مزاج ملتے ہیں بلکہ ہر ایک سے۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ نہ صرف اپنے قریبی رشتہ داروں سے بلکہ مرد کے لئے اپنی بیوی اور عورت کے لئے اپنے خاوند کے قریبی رشتہ داروں کے لئے بھی حسن سلوک کرنے کا حکم ہے۔ یہ سلوک ہے جو اللہ کی سلامتی کے پیغام کے ساتھ سلامتی پھیلانے والا ہوگا"

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جون 2007ء خطبات مسرور جلد 5 صفحہ 225-226)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں۔

"شعبہ تربیت کو ہر جگہ، ہر لیول (Level) پر جماعتی اور ذیلی تنظیموں میں فعال ہونے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اسلام نے ہمیں اپنے گھریلو تعلقات کو قائم رکھنے اور محبت و پیار کی فضا پیدا کرنے کے لئے کتنی خوبصورت تعلیم دی ہے۔ ایسے لوگوں پر حیرت اور افسوس ہوتا ہے جو پھر بھی اپنی اَناؤں کے جال میں پھنس کر دو گھروں، دو خاندانوں اور اکثر اوقات پھر نسلوں کی بربادی کے سامان کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ رحم کرے۔ اسلامی نکاح کی یا اس بندھن کے اعلان کی یہ حکمت ہے کہ مرد و عورت جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق میاں اور بیوی کے رشتے میں پروئے جارہے ہوتے ہیں، نکاح کے وقت یہ عہد کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم ان ارشادات الٰہی پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے جو ہمارے سامنے پڑھے گئے ہیں۔ ان آیات قرآنی پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے جو ہمارے نکاح کے وقت اس لئے تلاوت کی گئیں تا کہ ہم ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں۔ اور ان میں سے سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ تقویٰ پر قدم مارو، تقویٰ اختیار

کرو۔ تو نکاح کے وقت اس نصیحت کے تحت ایجاب و قبول کر رہے ہوتے ہیں، نکاح کی منظوری دے رہے ہوتے ہیں کہ ہم ان پر عمل کریں گے۔ کیونکہ اگر حقیقت میں تمہارے اندر تمہارے اس رب کا، اس پیارے رب کا پیار اور خوف رہے گا جس نے پیدائش کے وقت سے لے کر بلکہ اس سے بھی پہلے تمہاری تمام ضرورتوں کا خیال رکھا ہے، تمام ضرورتوں کو پورا کیا ہے تو تم ہمیشہ وہ کام کرو گے جو اس کی رضا کے کام ہیں اور اس کے نتیجہ میں پھر ان انعامات کے وارث ٹھہرو گے۔ میاں بیوی جب ایک عہد کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھ گئے اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا عہد کیا تو پھر یہ دونوں کا فرض بنتا ہے کہ ان رشتوں میں مزید بہتری پیدا کرنے کے لئے پھر ایک دوسرے کے رشتہ داروں کا بھی خیال رکھیں۔ یاد رکھیں کہ جب خود ایک دوسرے کا خیال رکھ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھ رہے ہوں گے، عزیزوں اور رشتہ داروں کا خیال رکھ رہے ہوں گے، ان کی عزت کر رہے ہوں گے، ان کو عزت دے رہے ہوں گے تو رشتوں میں دراڑیں ڈالنے کے لئے پھونکیں مارنے والوں کے حملے ہمیشہ ناکام رہیں گے کیونکہ باہر سے ماحول کا بھی اثر ہو رہا ہوتا ہے۔ آپ کی بنیاد کیونکہ تقویٰ پر ہو گی اور تقویٰ پر چلنے والے کو خدا تعالیٰ شیطانی وساوس کے حملوں سے بچاتا رہتا ہے۔ جب تقویٰ پر چلتے ہوئے میاں بیوی میں اعتماد کا رشتہ ہو گا تو پھر بھڑکانے والے کو چاہے وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو یا اس کا بہت زیادہ اثر ہی کیوں نہ ہو اس کو پھر یہی جواب ملے گا کہ میں اپنی بیوی کو یا بیوی کہے گی میں اپنے خاوند کو جانتا ہوں یا جانتی ہوں، آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ابھی معاملہ صاف کر لیتے ہیں۔ اور ایسا شخص جو کسی بھی فریق کو دوسرے فریق کے متعلق بات پہنچانے والا ہے اگر وہ سچا ہے تو یہ کبھی نہیں کہے گا کہ اپنے خاوند سے یا بیوی سے میرا نام لے کر نہ پوچھنا، میں نے یہ بات اس لئے نہیں کہی کہ تم پوچھنے لگ جاؤ۔ بات کر کے پھر اس کو آگے نہ کرنے کا کہنے والا جو بھی ہو تو سمجھ لیں کہ وہ رشتے میں دراڑیں ڈالنے والا ہے، اس میں فاصلے پیدا کرنے والا ہے اور جھوٹ سے کام لے رہا ہے۔ اگر کسی کو ہمدردی ہے اور اصلاح مطلوب ہے، اصلاح چاہتا ہے تو وہ ہمیشہ ایسی بات کرے گا جس سے میاں بیوی کا رشتہ مضبوط ہو۔

پس مردوں، عورتوں دونوں کو ہمیشہ یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ تقویٰ سے کام لینا ہے، رشتوں میں مضبوطی پیدا کرنے کے لئے دعا کرنی ہے، ایک دوسرے کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا احترام کرنا ہے، ان کو

عزت دینی ہے اور جب بھی کوئی بات سنی جائے، چاہے وہ کہنے والا کتنا ہی قریبی ہو میاں بیوی آپس میں بیٹھ کر پیار محبت سے اس بات کو صاف کریں تا کہ غلط بیانی کرنے والے کا پول کھل جائے۔ اگر دلوں میں جمع کرتے جائیں گے تو پھر سوائے نفرتوں کے اور دوریاں پیدا ہونے کے اور گھروں کے ٹوٹنے کے کچھ حاصل نہیں ہو گا"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 نومبر 2006ء از خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 565-566)

معزز بھائیو! یہ چند الفاظ آج صرف اپنے سے پیار محبت کرنے والوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے بیان کئے ہیں تا کہ ہم پہلے دور میں لوٹ جائیں اور اسلام کی حسین تعلیم کے نقوش جن پر مرور زمانہ کی وجہ سے گرد آ جمی ہے اسے صافیوں اور اپنے مونہوں کی پھونکوں سے صاف کر کے اسلامی تعلیم کا وہ نقشہ قائم کریں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے محبوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے صحابہ میں نظر آتا تھا تا کہ ہم سب کے مل بیٹھنے سے وہ الاؤ روشن ہو جس کی روشنی سے اپنوں کی آنکھیں خیرا ہوں اور غیر بھی رشک سے دیکھیں۔

۞۞۞۞

﴿39﴾ ﴿مشاہدات۔77﴾

نوجوانوں کو کلائیوں پر دھاگے کے بینڈ، بالی اور لاکٹ پہننے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا (آل عمران: 157)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کیا

نونہالانِ جماعت مجھے کچھ کہنا ہے
پر ہے یہ شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو
چاہتا ہوں کہ کروں چند نصائح تم کو
تاکہ پھر بعد میں مجھ پر کوئی الزام نہ ہو

آج میری گفتگو کا محور ہماری وہ نوجوان نسل ہے جو معدودے چند غیروں کی تقلید میں عورتوں کی طرح اپنے کان چھدوا کر بالی، کلائیوں پہ دھاگے کے بینڈز یا لوہے کے کڑے اور لاکٹ وغیرہ پہنتے ہیں جس کی اسلام نے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔

میرے نوجوان بھائیو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی موزوں اور اعلیٰ ارتقائی حالت میں پیدا کیا ہے اور ایمانی لحاظ سے یہ ارتقائی حالت نبیِ آخرُالزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے حاصل ہوتی ہے۔ جب ایک مومن قرآنی تعلیمات، احادیث اور فقہ کی کتب میں بیان تمام ہدایات پر عمل کرکے اپنے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو مختلف جہت سے اپنی مادی اور روحانی حالتوں کو سنوارنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حتیٰ کہ پاخانہ کرنے کے آداب بھی سکھلائے ہیں۔ ایک مشرک نے ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ کو طعنہ دیتے ہوئے یہ بات کہہ دی تھی کہ آپ کا نبی تو پاخانہ کرنے کے آداب بھی سکھلاتا ہے۔ جس پر حضرت سلمان فارسیؓ نے بڑے فخریہ انداز میں کہا

تھا کہ ہاں! ہمارا نبی (روحانی معنوں میں احسن تقویم بنانے کے لئے) ہمیں معمولی معمولی باتیں بھی سکھلاتا ہے۔ جیسے قضائے حاجت وغیرہ کرنا (سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)۔ اس کے علاوہ جنگوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں کا مُثلہ کرنے یعنی شکلیں بگاڑنے سے بھی منع فرمایا ہے اور ہم میں سے بعض مسلمان اس اعلیٰ پائے کی تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی اپنی شکلیں مختلف طریق سے بگاڑ لیتے ہیں۔ جیسے ٹیٹوز (Tattoos) بنانا، ناک اور کان چھدوانا، بُندے یا بالیاں پہننا، سر کے بال یا داڑھی کو ایک عجیب رنگ دینا، مُندری پہننا، گردن پر قسما قسم کے لاکٹس لٹکانا اور ہاتھوں کی کلائیوں پر لوہے، تانبے کے کڑے یا دھاگے کے Bands پہننا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب نامناسب اور دینی تعلیم کے منافی ہے۔ سِکھ تو ہاتھ میں لوہے کا کڑا پہنتے ہیں جبکہ ہندوٗ دھاگے یا پلاسٹک کا Band باندھ لیتے ہیں۔ جسے راکھی یا زنار باندھنا کہتے ہیں اور اب ماڈرن دنیا میں اِسے دوستی کا بندھن (Friend ship Band) کا نام دے دیا گیا ہے۔ ہمارے بعض مسلمان نوجوان بھی اِس وضع قطع، چال ڈھال میں رنگے جارہے ہیں۔

میرے نوجوان بھائیو! یہ طریق ہمارے بعض احمدی نوجوانوں میں بھی رواج پارہے ہیں۔ اپنی حقیقت، اپنی صورت، ہیئت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حیثیت اور صورت اختیار کرنا اور اس کے وجود میں اپنے آپ کو مدغم کرنے کا نام ہی تشبُّہ بالکفار اور تشبُّہ بالغیر ہے۔ جو لغویات ہیں اور رسومات اور بدعات کے زُمرے میں آتے ہیں اور مومنانہ شان کے خلاف بھی ہیں اور یہ سب انسان اور اس کی خواہشات کے خود تراشیدہ بُت ہیں۔ دینی تعلیم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ دراصل ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی، رِیس اور نقل میں شعوری یا لاشعوری طور پر پرستش ہے جو بڑھتے بڑھتے انسان کا تشخص بھی کھو دیتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ رواج پاکستان ہجرت کرتے وقت ہندوٗوں سے ساتھ ہی آئے ہیں اور اب میڈیا بالخصوص الیکٹرانک میڈیا سے چونکہ ساری دنیا گلوبل ویلج (Global village) بن چکی ہے۔ جس نے بعض رسم ورواج یورپ نے متعارف کروائے اور مشرق نے اِن سے ادھار لئے ہیں جو ناسور بن کر اُبھرے ہیں اور گلے کا ہار بن گئے ہیں۔ جس سے ایک مسلمان نے بھی اپنا حلیہ بگاڑ لیا ہے اور تشخص تبدیل ہوگیا ہے۔

غیروں کے ساتھ اختلاط، میل جول اختیار کرنے میں اسلام نے کس قدر سختی اور کِن کِن طریقوں سے روکا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جب سلطنتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تو حضرت عمرؓ نے اس خطرے کو بھانپ لیا کہ دوسری اقوام کے رسم و رواج اسلام میں داخل نہ ہوجائیں اور مسلمان دوسری اقوام جیسی ہیئت اور شکل وصورت ولباس وغیرہ کا استعمال شروع نہ کر دیں تو آپؓ نے مختلف خطوط کے ذریعہ مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ جیسا کہ حضرت ابو عثمان النہدی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ہمیں آذر بائیجان میں حضرت عمرؓ کا مختلف احکامات و ہدایات پر مشتمل خط ملا۔ جس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ تم اپنے آپ کو اہل مشرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے دور رکھنا۔

(جامع الاصول الکتاب الاول فی اللباس رقم الحدیث 8343-10/487)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے لکھا کہ "اپنے جد امجد اسماعیل علیہ السلام کے لباس (لُنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عَیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع اور ہیئت سے دور رکھو"

(شعب الایمان جلد 8 صفحہ 253 رقم الحدیث 5776)

میرے نوجوان بھائیو! حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے۔ آخر ہر ایک مذہب کا کوئی دینی نشان اور دینی پہچان ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں دین کا ہے۔ جس طرح دیگر قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اسی طرح دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی وضع کے پابند رہیں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہماری خاص پہچان ہو۔ بلکہ ہمیں اپنی وضع قطع میں ایسا پختہ ہونا چاہئے کہ دوسرے ہماری تقلید کریں۔ مگر ہم میں سے بعض احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور دوسروں جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے پتنگ بازی ہندوؤں کی رسم ہے اور ہم اُسے اپنا کر اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ ہم اب بڑے فخریہ انداز میں بسنت ڈے مناتے ہیں اور یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ہمیں اس تہوار اور کلچر پر فخر ہے۔ جبکہ ہر سال یہ تہوار کئی جانیں پاکستان میں لے لیتا ہے۔ ان لغویات میں نقصان ہی نقصان ہے۔

حضرت مفتی محمد صادقؓ کو جب امریکہ میں جماعت احمدیہ کی رجسٹریشن کروانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو حکومت نے آپؓ سے ماٹو یعنی کوئی پہچان رجسٹرڈ کروانے کی درخواست کی تو آپؓ نے فرمایا۔ "ہماری پہچان نماز کی ادائیگی ہے۔ جہاں بھی نماز کا وقت ہو گا ہم نماز ادا کریں گے"

رغبتِ دل سے ہو پابند نمازو روزہ
نظر انداز کوئی حصۂ احکام نہ ہو

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی صحابی کے ہاتھ میں فارسی کمان (ملک ایران کی بنی ہوئی) دیکھی تو ناخوشی سے ارشاد فرمایا کہ یہ کیا لئے ہوئے ہو؟ عربی کمان اس کے مقابل پر موجود ہے اسے اپنے ہاتھ میں رکھو۔

(سنن ابن ماجہ باب السلاح رقم الحدیث 2810)

میرے نوجوان بھائیو! آئیں! اس حوالہ سے اسلامی تعلیم کو ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم میں تلاش کریں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ ال عمران آیت 157 میں مومنوں کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا کہ تم کفار کی طرح نہ ہو جاؤ۔ اسی طرح سورۃ المائدہ آیت 52 میں مومنوں کو یہود و نصاری کو دوست بنانے سے روکا گیا ہے اور ایک اور موقع پر ظالموں کی طرف نہ جھکنے کا حکم ہے۔ (ہود:114)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت واضح طور پر ہدایت دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کہ جو کوئی جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی میں (تصور) ہو گا۔

(سنن ابوداؤد کتاب اللباس)

ایک اور موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مَردوں پر لعنت بھیجی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے (یعنی ان جیسے وضع قطع کے ریشمی اور شوخ رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں) اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب اللباس)

بھولیو مت کہ نزاکت ہے نصیبِ نسواں
مرد وہ ہے جو جفاکش ہو گل اندام نہ ہو

ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ملت اسلامیہ کے علاوہ کسی اور امت کے ساتھ مشابہت اختیار کرے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ بلکہ مختلف مواقع پر کفار، مشرکین، یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کی مخالفت کرنے کا ارشاد فرمایا کہ ان کے رسم و رواج کو نہ اپناؤ۔ ان جیسی ہیئت نہ اپناؤ۔ سنن ترمذی کتاب الاستیذان حدیث 2695 میں بہت واضح الفاظ میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ "تحفۃ الاحوازی" میں اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ "تم یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کے کسی بھی فعل میں مشابہت اختیار نہ کرو"۔

(جلد 7 صفحہ 504)

میرے نوجوان بھائیو! فطرت نے مرد و عورت دونوں کے خصائص الگ الگ رکھے ہیں۔ ان کی ہیئت و تخلیق کے پیش نظر ان کے لئے الگ الگ لباس اور دائرہ کار متعین فرمایا ہے۔ حتّٰی کہ دنیا کے ہر ماحول، ہر معاشرہ اور ہر تہذیب میں دونوں جنسوں کے لباس، نوع، طرز اور ڈیزائن کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممیّز ہیں۔ یہاں تک کہ حرکت اور ادا، عادات و اطوار بھی جدا جدا ہیں۔ ایک مرد کا کلائیوں پر دھاگا یا پٹہ ڈالنا، کان یا ناک کو چھدوانا، گلے میں ہار ڈالنا اور سر کے بالوں کو عورتوں کی ہیئت دینا حقیقت میں عورتوں کی تقلید کرنا اور عورتوں جیسے اعمال کی مشابہت اختیار کرنا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اسے ہیجڑا پن کہا جاتا ہے۔

آج کل سر کے بالوں کو مختلف انداز میں کٹ دے کر مختلف رنگوں سے سجایا جاتا ہے۔ اسی طرح داڑھی کے بھی مختلف اسٹائیلز آگئے ہیں یہ سب نامناسب ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے اس بارہ میں ایک کلاس میں دریافت کیا گیا تھا کہ کیا احمدیت میں اس کی اجازت ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا۔

"یہ بُری بات ہے، بوڑھے مہندی تو لگا سکتے ہیں لیکن بچے اپنے بالوں کو سنوارنے کے لئے مختلف رنگ دیتے ہیں یہ اچھی بات نہیں" (اطفال سے ملاقات الفضل 12 اپریل 2000ء)

ریشمی کپڑے پہننے اور سونا پہننے کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:

”آدمی کو خدا تعالیٰ نے ٹَف بنایا ہے۔ سخت کام کرنے کے لئے اور ریشم پہننے سے نزاکت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح سونا بھی عورتوں کے لئے الگ کر دیا ہے۔ ان کا کام ہے خوبصورت لگیں۔ سونا پہنیں“

(جرمن خواتین سے ملاقات الفضل 8 فروری 2002ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی 2008ء میں ربوہ کے سنّار دکانداروں کو تحریک کی تھی کہ ”چونکہ مردوں کے لئے سونا پہننا جائز نہیں اس لئے ایسی انگوٹھیاں تیار کی جائیں جن میں سونے کی آمیزش ہرگز نہ ہو۔“

(اسلامی تعلیمات بابت رسومات شادی بیاہ اور اجتناب کے طریق از حنیف محمود صفحہ 63)

میرے پیارے نوجوانو! کفار اور دیگر مذاہب کے تہواروں جیسے ہولی، کرسمس اور پتنگ بازی وغیرہ میں شمولیت اختیار کرنے سے فطرت کے مطابق انسان آہستہ آہستہ اُس مذہب کے قریب ہو جاتا ہے۔ دین میں تحریف و تبدّل کا دروازہ کھل جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور یوں گویا ان کے ساتھ محبت کی علامت کا اظہار ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ اسلامی لباس، اسلامی تمدّن سے استہزاء اور تمسخر شروع ہو جاتا ہے اور اس کی اپنی عزت بھی قوم میں نہیں رہتی۔ جیسا کہ ابھی بھی جماعت میں کسی نوجوان نے کلائی پر یا گلے میں دھاگہ باندھا ہو تو طبعاً دوسرے احمدی اسے ناپسندیگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جب ایک غزوہ سے مدینہ واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اندر گھر داخل ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن دیکھے تو واپس لوٹ گئے۔ جب حضرت فاطمہؓ کو اس کا علم ہوا تو آپؓ نے وہ کنگن توڑ ڈالے۔

(تفسیر در منثور جلد 6 زیر آیت 21 سورۃ احقاف)

اسی طرح ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا دیکھا تو پوچھا۔ یہ کس لئے ہے؟ عرض کی گئی کہ یہ کمزوری اور بیماری دور کرنے کے لئے ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کمزوری اور بیماری بڑھائے گا اور اگر اسے پہنے ہوئے تُو مر گیا تو فلاح نہیں پائے گا یعنی جنت میں داخل نہ ہو گا۔

(مسند احمد مرویات عمران بن حصینؓ جلد 4)

آج کل مختلف بیماریوں کے علاج کے لئے کڑے اور انگوٹھیاں اور تعویذ بنوائے جاتے ہیں اور نوجوان اسے پہنتے ہیں۔ بلکہ بعض ہندوستان سے خصوصاً منگوا کر پہنتے ہیں جو غلط ہے اور ہر مومن کو اپنی تہذیب اور اپنی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے غیر مسلم اقوام کے طریقوں سے بچنا چاہئے۔

حضرت عیسیٰ بن عبدالرحمنؓ روایت کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیمؓ کے پاس عیادت کے لئے گیا اور ان کے بدن پر سرخی تھی یعنی مرض کی سرخی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ کوئی تعویذ کیوں نہیں لٹکا لیتے۔ انہوں نے کہا موت اس سے زیادہ قریب ہے اور کہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی چیز (یعنی تعویذ) لٹکائی وہ اُسی کو سونپ دیا جاوے گا یعنی پھر اسے تائید غیبی نہ ملے گی۔

(ترمذی باب ماجاء فی کراھیۃ التعلیق)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"بعض لوگ بچوں کے ناک کان چھدواتے اور بالی بلاک پہناتے یا پاؤں میں گھنگروں ڈالتے اور سر پر چوٹی سی رکھ لیتے ہیں یہ سب غیر اسلامی رسوم ہیں جو غیر قوموں سے مسلمانوں میں آگئی ہیں۔ منت کے طور پر سر پر جو بودی رکھتے ہیں اس کے بارے میں استفسار پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا "ناجائز ہے۔ ایسا نہیں چاہئے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 169)

میرے نوجوان بھائیو! حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی ایک دفعہ کسی نے اپنی حاجات پیش کر کے تعویذ وغیرہ مانگا جس پر آپؑ نے فرمایا کہ

"تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 505)

الغرض ہمارے جامع اور کامل مذہب نے غیر اقوام کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے کلیۃً منع فرمایا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالہ سے بہت ہی معمولی باتوں میں صحابہؓ کی تربیت و اصلاح فرمائی۔ آپؐ نے ایک صحابی کو بائیں ہاتھ سے پانی پینے سے منع فرمایا کہ یہ غیر اقوام کا طریق ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب مرحوم و مغفور کو کالج کی study کے دوران پینٹ کوٹ پہننے سے منع فرمایا تھا اور اپنے دورہ یورپ کے دوران انہی صاحبزادہ صاحب مرحوم کو کوٹ پینٹ پہننے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ایک چیک کاٹ کر دیا کہ جاؤ! دو سوٹ بنے بنائے خریدو اور اس کے ساتھ میچ کرتی ٹائیاں اور قمیض بھی خریدو اور پہنو! اور فرمایا۔

"میرا حکم (کالج کے زمانہ میں سوٹ نہ پہننے کا) اس لئے تھا کہ وہ انگریز کا زمانہ تھا۔ انگریز حاکم تھا اور حاکم کے لباس کو اپنانا غلامانہ ذہنیت کی دلیل ہے اور میں اپنی اولاد میں غلامانہ ذہنیت برداشت نہیں کر سکتا۔ اب انگریز ہمارے ملک کا حاکم نہیں ہے۔ اِس لباس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں"

(یادوں کے دریچے از صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صفحہ 31-32)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے تو ایک موقع پر اسٹیج پر داڑھی کے بغیر نظم پڑھنے والے ایک نوجوان کو دیکھ کر یہ ہدایت فرمائی کہ آئندہ سے اس عالمی اسٹیج پر داڑھی کے بغیر نظم یا تلاوت کرنے والا کوئی نہ آئے۔

(خلاصہ خطاب سالانہ اجتماع انصار اللہ جرمنی 17 مئی 1999ء)

میرے خدام بھائیو! اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ اس میں گو لباس کی پابندی نہیں۔ وہ لباس جو پردہ کی شرائط پوری کر رہا ہو اور اس ملک کے موسم کے مطابق ہو میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم فیشن کے طور پر تقلید نہ ہو۔ پھر یہ بات بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ اسلام تعلیم کے مطابق ظاہر کا باطن پر اثر ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کو اپنا ظاہر اُس خوبصورتی پر ہی رکھنا چاہئے جو خدا تعالیٰ نے اُسے عطا کی ہے۔ چہرے کو بگاڑنے اور غیر اقوام کے رسم و رواج سے اپنے آپ کو رنگنے سے آہستہ آہستہ انسان کا باطن آلودہ ہونے لگتا ہے اور خدا سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ چہرے یا جسم پر ٹیٹوز بنوانے کا دیگر نقصان کے علاوہ ایک نقصان جسم کی الرجی یا کینسر جیسی موذی بیماری کا لاحق ہونا بھی ہے۔ کینیڈا میں ایک دفعہ لجنہ کے اجتماع پر مہندی کے اسٹال پر فیس پینٹنگ بھی کی جارہی تھی۔ اس پر ایک واقفہ نو کے سوال پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ٹیٹو یا فیس پر جو کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔ مہندی کے اسٹال پر صرف مہندی ہونی چاہئے"۔ اور پھر تسلسل میں فرمایا"... منہ پر بھی مہندی لگالو۔ پاگل بنادو۔ کارٹون بنادو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان بنایا ہے تم اس

کو جانور بنادو... منہ پر مہندی لگانا اور یہ ٹیٹو کروانا۔ ٹیٹو ؤیئنگ منع ہے اسلام میں..... فیس پینٹنگ نہیں ہونی چاہیئے۔ کیا یہاں جن بُھوت بنانے ہیں؟.... چہرے بگاڑنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس کا اسلام نے بڑا واضح طور پر حکم دیا ہوا ہے۔ نئی نئی رسمیں نہ پیدا کریں۔ رسمیں تو آپ لوگ پیدا کر رہے ہیں بدعات تو آپ لوگ پیدا کر رہے ہیں لجنہ والے۔ تو اصلاح کیا کرنی ہے آپ نے؟ اسی طرح بدعات اندر گھستی ہیں کہ نیکی کے نام پر، حضرت آدمؑ کو جو شیطان نے بھڑکایا تھا نیکی کے نام پر نہیں کہا تھا کہ تم یہ کرو بڑا لطف اٹھاؤ گے اس سے۔ پہلے اس نے نیکی کی بات کر کے کہا تھا کہ یہ کرو بڑی نیکی ہے ہمیشہ کے لئے نیک بن جاؤ گے۔ شیطان نے آدم کو اسی طرح بھڑکایا تھا ناں؟ ہمیشہ کے لئے نیک بنانے کے وعدے پر؟ حالانکہ وہ شیطانی وعدہ تھا.... آئندہ کیا نہیں کریں گے؟ یہ نئی نئی بدعات پیدا کر رہے ہیں یا یہ دیکھا کریں آپ لوگ، لجنہ اور عہدیداروں کا کام یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے منہ کو دیکھیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اپنی اپنی بدعات ناں پیدا کریں۔ اپنی اپنی رسمیں ناں پیدا کریں۔"

(گلشن وقف نو ناصرات جولائی 2012ء)

اگر ہمیں اپنے اللہ، خالقِ حقیقی سے ذرا بھر بھی محبت کا دعویٰ ہے اور ضرور ہے تو قرآنی حکم اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ کے تحت اللہ کے سب سے پیارے وجود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی پیروی کرنی ہے اور آپؐ کی صورت اور سیرت سے محبت کرتے ہوئے آپؐ ہی کی مبارک سنتوں کو اپنی زندگی میں جگہ دے کر اپنے خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہوں۔

ہم تو "وَآخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِھِمۡ "میں بیان پیشگوئی کا مصداق ہونے کا دعویدار ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے آپ کو صحابہ سے ملائیں۔ وہ کریں جو نمونہ ہمارے لئے صحابہ رسولؐ نے چھوڑا ہے۔ نہ کہ دوسروں کی نقل۔

خدام بھائیو! اس مضمون کے آغاز پر خاکسار نے حضرت سلمان فارسیؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ جنہوں نے ایک مشرک کو یہ فخریہ جواب دیا تھا کہ ہاں! ہمارے رسولؐ نے قضائے حاجت کے آداب، طریق اور دعا سکھلائی اور فرمایا ہے کہ قبلہ رُخ نہیں بیٹھنا۔ ہڈی کو استنجاء کے طور پر استعمال نہیں کرنا وغیرہ وغیرہ

آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی حضرت سلمان فارسیؓ کی نسل سے ہیں اور ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی اولاد ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم حضرت سلمان فارسیؓ جیسی غیرت اپنے اندر پیدا کریں اور ان تمام اطوار و عادات کو خیرباد کہہ دیں اور ان سے نفرت کا اظہار کریں جو دینی اقدار اور تہذیب کے خلاف ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”بعض ایسے پیر بھی دیکھے گئے ہیں جو بالکل زنانہ لباس رکھتے ہیں یہاں تک کہ رنگین کپڑے پہننے کے علاوہ ہاتھوں میں چوڑیاں بھی رکھتے ہیں پھر ایسے لوگوں کے بھی بہت سے مرید پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے پوچھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ایسی زنانہ صورت اختیار کی تھی تو اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ ایک نرالی شریعت بنانا چاہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اپنی تجویز اور اختیار سے ایک راہ بنانا چاہتے ہیں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اس قسم کی باتیں شعائرِ اسلام میں سے نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ امور بطور رسوم ہندوؤں سے لئے ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو انہیں سے لی گئی ہیں جیسے دم کشی وغیرہ۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 417)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اپنے آپ کو معاشرے کے رسم و رواج کے بوجھ تلے نہ لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کو آزاد کروانے آئے تھے اور آپ کو ان چیزوں سے آزاد کیا اور اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہو کر آپ اس عہد کو مزید پختہ کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ چھٹی شرط بیعت میں ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ اتباعِ رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا۔ یعنی کوشش ہوگی کہ رسموں سے بھی باز رہوں گا اور ہوا و ہوس سے بھی باز رہوں گا۔ تو قناعت اور شکر پر زور دیں۔ یہ شرط ہر احمدی کے لئے ہے چاہے وہ امیر ہو یا غریب ہو۔ اپنے وسائل کے لحاظ سے اس کو ہمیشہ ہر احمدی کو اپنے مد نظر رکھنا چاہئے۔“

(مشعل راہ جلد سوم صفحہ 155)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم اور اسلام کی تعلیمات میں بیان شِعار اپنانے کی توفیق دے۔ آمین

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے
حاصل ہو تم کو دید کی لذت خدا کرے
توحید کی ہو لب پہ شہادت خدا کرے
ایمان کی ہو دل میں حلاوت خدا کرے
حاکم رہے دلوں پہ شریعت خدا کرے
حاصل ہو مصطفیٰؐ کی رفاقت خدا کرے

﴾40﴿ ﴾مشاہدات۔184﴿

حِجاب اُترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا

(ایک باپردہ خاتون آمنہ بیگم مرحومہ کی داستان۔ بیٹی کی زبانی)

معزز بہنو! حِجاب کے موضوع پر کچھ کہنے سے پہلے مَیں آپ کو اپنی ایک منفرد سند دکھاتی ہوں پھر کچھ واقعات بتاؤں گی جو آپ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیں گے۔ دعا ہے کہ اصلاحِ احوال کی صورت بنے۔ خاکسار کو مولا کریم نے جن رنگا رنگ دولتوں سے مالا مال کیا ہے اُن میں سے ایک حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شفقت تھی۔ ایک دفعہ الفضل میں خاکسار کی ایک غزل شائع ہوئی۔ آپؒ نے اس غزل کے شعر شعر پر بہت خوب صورت تبصرے فرمائے۔ دستِ مبارک سے تحریر فرمایا ہوا مکتوب خوشی و طمانیت کا سامان بن گیا۔ اس مضمون میں موضوع کی مناسبت سے اس خوش نصیب غزل کے ایک شعر کا ذکر کروں گی۔

؎ گرا تو کتنی پستی میں گرا ہے
حِجاب اُترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا

مَیں کہنا یہ چاہتی تھی کہ اصل چیز حَیا اور حِجاب ہوتے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو آنچل نہیں ٹھہرتا اور جب گرتا ہے تو پستیوں کی حد نہیں رہتی۔

سامعات! شعر آپ نے سنا کچھ اچھا بھی لگا ہو گا۔ اب دیکھئے! حضور رحمہ اللہ کیسے شعر کی روح میں اتر گئے اور پھر ادھار بھی نہیں رکھا۔ فراخ دلی سے داد اور دعا سے نوازا۔ تحریر فرمایا:

گرا تو کتنی پستی میں گرا ہے
حِجاب اُترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا

ایک احمدی شاعرہ کے منہ سے کیسا سجتا ہے جس نے قیامِ حجاب کی راہ میں سالہا سال جانکاہی کی ہو۔ چہرہ اس شعر کا بتا رہا ہے کہ یہ نہ تو کسی زاہد خشک کا کلام ہے نہ کسی بے عمل شاعر کا۔ بلکہ ایک باریک نظر صاحبِ تجربہ کے دل کی پکار ہے دوسرا مصرع تو لاجواب ہے۔

حجاب اُترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا

اب جستہ جستہ چند واقعات بتاتی ہوں۔

1۔ باوقار حجاب!

13 مارچ 1976 کی صبح میری پیاری اُمی جان آمنہ بیگم زوجہ میاں عبد الرحیم دیانت درویش مرحوم دل کے جان لیوا حملے میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئیں۔ جب ہم ربوہ پہنچے۔ آپ کفن پہنے ہوئے سفر آخرت کے لئے تیار تھیں۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر سکون سے سوئی ہوئی یہ وہ خاتون تھیں جس نے درویش شوہر کی جدائی میں بے مثال قربانیاں دیتے ہوئے اپنی زندگی ایک مثالی احمدی مسلم عورت کی طرح گزاری تھی۔ امی جان کی زندگی بہادرانہ تگ و دَو' حوصلے اور صبر و شُکر سے عبارت تھی ۔ جب برصغیر کی تقسیم ہوئی اباجان حفاظتِ مرکز کے لئے درویش ہوگئے۔ امی جان قریباً 35 سال کی عمر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سائے میں پاکستان آ گئیں۔ پانچ بیٹیوں اور تین بیٹوں کی ذمہ داری تھی۔ امی جان نے شوہر سے دوری میں اپنا وقت بے مثال وقار، حیا اور پردے کی پاسداری کرتے ہوئے گزارا۔ عزیزوں' رشتہ داروں سے نبھاؤ' بچوں کی تعلیم اور رشتے' گھر کے اور باہر کے کام سب کچھ تنہا کرنا آسان کام نہ تھا۔ آج مَیں اپنی تقریر میں صرف گھر کے اندران کے وقار' پردے اور حیاداری کا ذکر کروں گی۔ قرآنِ پاک میں جن سے پردہ لکھا ہے سب سے حِجاب رکھتیں آپ ململ کا بڑا سا سفید دوپٹہ یا چادر موسم کے لحاظ سے اوڑھے رکھتیں۔ اگر ایسے مہمان آتے جن سے حجاب رکھنا ہوتا تو قدرے اوٹ میں بیٹھ کر دوپٹے کو اس طرف سے ذرا آگے کھینچ لیتیں اسی طرح خاطر تواضع کرتیں اہم امور پر گفتگو بھی ہوتی۔ آپ کو احساس تھا کہ شوہر دور رہتے ہیں۔ جواں عمر بیٹیوں کی ذمہ داری ہے۔ ہماری بھی عزتِ نفس کی پاس داری کے ساتھ وقار اور حِجاب رکھنے کی تربیت کی۔

اب مَیں وہ بات کروں گی جس کے لئے یہ ساری تمہید باندھی ہے۔ وفات کے دن تجہیز و تکفین کے بعد سب آخری بار آپ کا دیدار کر رہے تھے۔ باہر مردوں میں بھی پیغام دیا گیا کہ بس اب لے جانے والے ہیں۔ جنازہ اُٹھنے والا ہے۔ منہ دیکھ لیں۔ مگر چچا جان اٹھ کر نہ آئے۔ سر جھکائے آنسو بہاتے رہے۔ کسی نے دوبارہ بتایا کہ لے جانے والے ہیں۔

چچا جان نے آہستہ سے جواب دیا "ہماری بھابی نے ساری عمر حجاب رکھا اب آخری وقت مَیں اُن کا منہ دیکھ کر اُن کی رُوح کو بے چین نہیں کر سکتا۔ مَیں اُن کے لئے دعا کروں گا مگر منہ دیکھنے کی ہمت نہیں ہے"

چچا جان پھوٹ پھوٹ کر رو دئے مگر ایک مثالی پردے پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ ایک مثال امی جان نے قائم کی تھی ایک مثال چچا جان نے قائم کی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

2۔ پردہ اور حصولِ تعلیم!

معزز بہنو! نصف صدی پہلے کی بات ہے۔ یونیورسٹی میں پردے کی پابندی کے ساتھ پڑھنا تھا مگر یہ آسان نہیں تھا۔ راہداریوں، لیکچر روم اور لائبریری میں آتے جاتے کئی دفعہ مذاق کا نشانہ بننا پڑتا، بند گوبھی، ڈاکو اور شٹل کاک تو اتنی دفعہ سننا پڑتا جیسے درو دیوار سے بھی آواز آ رہی ہو۔ داخلے کے وقت کئی لڑکیاں پنجاب کے شہری و دیہاتی علاقوں سے بُرقع میں آئی تھیں مگر رفتہ رفتہ کایا پلٹتی گئی۔ بُرقع تو چند دن میں غائب ہوا۔ شلواروں کی جگہ جینز نے لے لی۔ قمیضیں مختصر ہوتی گئیں۔ لباس کا نام رہ گیا مقصد کم ہوتا گیا۔ ہمیں اپنی روش نہ بدلنے پر خراب نتائج سے ڈرایا جاتا جیسے یہ کہ بُرقع والے بیوقوف نظر آتے ہیں۔ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں پوری طرح حصہ نہیں لے سکو گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیالات آئے ضرور تھے مگر ہماری تربیت ایسی ہوئی تھی کہ بُرا نہ لگتا۔ لاہور میں شدید گرمی میں سارا دن ڈیپارٹمنٹ اور لائبریریوں کے چکر، برقع بھی عام سے کپڑے کا وہ بھی گھر سے سلا ہوا۔ نقاب کو ہم ایسے لپیٹتے کہ صرف آنکھیں کھلتیں۔ تھا تو مشکل مگر برداشت کرنا تھا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جنہوں نے پردہ چھوڑا تھا مختلف سکینڈلز کا موضوع بننے لگیں اور تعلیم میں بھی خاص نمایاں نہ ہوئیں۔ یہ سچ ہے کہ عزت ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ایک واقعہ پیش کرتی ہوں۔

ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں سیمینارز ہوتے تھے۔ مضمون پڑھنے والے کو سوالات کے جوابات بھی دینے ہوتے۔ جب میری باری آئی تو مَیں نے بہت محنت سے لکھا ہوا مضمون اپنے پروفیسر محترم وقار عظیم صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ مَیں خود پیش نہیں کروں گی۔ آپ نے پرنسپل ڈاکٹر سید عبد اللہ شاہ صاحب سے مشورہ کر کے مجھے کہا ٹھیک ہے ہم کسی اور سے پڑھوا دیں گے مگر آپ موجود رہیں۔

سیمینار والے دن کھچا کھچ بھرے ہال میں پروفیسر صاحب نے مضمون کا بہت اچھا تعارف کروانے کے بعد اعلان کیا کہ یہ مضمون امۃ الباری نے لکھا ہے مگر اُس کو (فلاں) صاحب پیش کریں گے تو ہال سے اعتراض ہوا کہ جب مضمون نگار موجود ہے تو وہ خود کیوں پیش نہیں کرتیں؟ اب سب میری طرف دیکھنے لگے کہ مَیں کیا جواب دوں گی لیکن مجھ سے پہلے ہی جناب وقار عظیم کھڑے ہو گئے اور جواب دیا کہ ہمیں فخر ہونا چاہئے کہ ایک بچی پورے اسلامی پردے کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ آپ اس بات پر اعتراض کی بجائے یہ دیکھیں کہ مضمون کس قدر عمدہ لکھا ہے۔

مجھے اس واقعہ سے کافی تقویت ملی۔ پہلا تعلیمی سال پورا ہونے پر وظیفہ جاری رکھنے کے لئے نظارت تعلیم ربوہ کی طرف سے تعلیمی کارکردگی کی رپورٹ طلب کی گئی تو پرنسپل صاحب نے بڑی شاندار رپورٹ بھیجی ایک جملہ تو ابھی تک یاد ہے کہ:

”ہمارے شعبہ کے سب اساتذہ اس طالبہ کی تحقیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کی تعریف میں رطب اللسان ہیں“

پردے سے کسی جگہ رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی محنت کرنا عادت ہے اور پڑھنا جنون۔ بہت ساری لائبریریوں کے ریڈنگ رومز میرا ٹھکانا ہوتے۔ ایک اور خوشی کی بات بتا دوں ایک دن جناب وقار عظیم نے فرمایا۔ میرے آفس میں آنا کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ موصوف میرے فائنل کے مقالہ میں خصوصی ٹیوٹر تھے جس سے باپ بیٹی جیسی بے تکلفی سے بات کر سکتے تھے، مَیں گئی تو آپ نے فرمایا

”میں سوچ رہا ہوں کہ طالبات کے لئے یونیورسٹی کے قریب ایک ہوسٹل بناؤں۔ طالبات کو سہولت ہو جائے گی اور آمدنی میں اضافے کی کچھ صورت بھی پیدا ہو گی مگر اس سلسلے میں آپ کو میری مدد کرنا ہو گی۔“

مجھے لگا کہ وہ مجھے ہوسٹل کی انتظامیہ میں شامل ہونے کا کہنے والے ہیں۔ دل ہی دل میں گھبرائی کیونکہ مَیں تو صرف پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھنا چاہتی تھی کسی دوسرے کام کے لئے وقت نہیں تھا۔ بات جاری رکھتے ہوئے اُنہوں نے جو بات کہی وہ بہت حوصلہ افزا تھی۔

"میں چاہتا ہوں آپ اپنا ہوسٹل چھوڑ کر میرے نئے ہوسٹل میں آجائیں تاکہ آپ جیسی باپردہ حیادار اور پڑھنے والی بچی کے وہاں رہنے سے دوسرے لوگ اپنی بچیوں کو میرے ہوسٹل میں داخل کرنے میں اطمینان محسوس کریں۔ ہوسٹل نیک نام ہو"

ہوسٹل تو نہیں بنا تھا مگر مجھے پردہ کی نیک نامی اور قدر افزائی میں ایک سند ہاتھ لگ گئی۔ پردہ تعلیم میں رکاوٹ نہیں ہے اور عزت دیتا ہے۔ فائنل میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔

3۔ دردانہ کو شکایت ہے!

معزز بہنو! بھولی بھالی دردانہ دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی رخصتی کا وقت آیا تو وہ بے شمار رونے لگی۔ کچھ دن بعد ملاقات پر مَیں نے اُس سے پوچھا کہ اُس دن کیا ہوا تھا۔ بس اتنا پوچھنا تھا کہ وہ پھر رونے لگی کچھ طبیعت سنبھلی تو بتانے لگی۔ مَیں نے کسی کو نہیں بتایا مگر آپ کو اس لئے بتا رہی ہوں کہ شاید آپ اس کا کوئی حل نکال لیں۔

"میں چھوٹی تھی تب دادی اماں سے سنا کہ وہ بچیاں جن پر غیروں کی نظریں پڑتی ہیں اُن کے چہروں پر رونق نہیں رہتی پھر اُمی جان بھی یہی بات کہتی تھیں کہ کھلے منہ پھرنے والیوں پر رُوپ نہیں آتا۔ مَیں ساری عمر پردہ کرتی رہی اور اچھی طرح پردہ کیا۔ میرا خیال تھا مجھ پر بہت رُوپ آئے گا۔ شادی کا جوڑا خریدا تو گلا بہت بڑا تھا۔ مَیں نے ٹھیک کرانے کا کہا تو کہا گیا گلا بڑا نہ ہو تو زیور نہیں سجتا۔ آستینیں بھی چھوٹی تھیں کہا گیا کہ اب ایسے ہی فیشن ہیں۔ چوڑیاں پہننی ہیں۔ دلہن بن کر اسٹیج پر بیٹھی تو تھوڑی دیر میں کئی اجنبی مرد اسٹیج پر چڑھ آئے کسی کے ہاتھ میں لائٹ کسی کے ہاتھ میں کیمرہ کوئی تار پکڑے ہوئے کوئی قریبی عزیز، کوئی دور کا رشتہ دار اور کئی کیمرے لائٹ مین انگ انگ کی تصویریں لے رہے تھے، پتہ نہیں کون کون تصویر لے رہا تھا اور وہ کہاں کہاں گئی ہوں گی۔ دوپٹہ بھی پنوں سے فکس کیا ہوا تھا۔ مَیں کچھ نہیں کر سکتی تھی، ضبط کرتی رہی مگر جب رخصت ہونے لگی تو سارا ضبط ٹوٹ گیا........

وہ پھر رونے لگی۔ مَیں نے اُسے تسلی دی کہ تم تو معصوم ہو تم پر بہت رُوپ آیا تھا۔ قصور ہمارا ہے جو ساری عمر پردہ کرواتے ہیں پھر ایک دن میک اَپ کے ساتھ انتہائی پُرکشش بنا کر سرعام بٹھا دیتے ہیں۔ مَیں دردانہ کی شکایت لکھ رہی ہوں۔ ضرور غور کیجئے گا کہ دردانہ کی ناخوشی اور رنج کا کیا سبب تھا؟

4۔ یہ مسئلہ مَیں نے حل کیا!

میرے ملنے جُلنے والیوں میں ایک شہلا ہے جو کبھی کبھی بڑی مشکل سے وقت نکال کر آتی ہے اور رو رو کر اپنے دُکھ بیان کرتی ہے۔ اُس کے مسائل میں سرفہرست میاں کی بے توجہگی ہے، شکایت یہ ہے کہ وہ مجھے نوکرانی سمجھتے ہیں۔ سب سے ہنس کر بات کرتے ہیں مجھے دیکھ کر ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ...... مَیں شہلا کی ساری شکایات نہیں لکھتی۔ ہر بار مَیں اُس کی باتیں سُن کے مزید صبر، مزید خدمت اور عاجزی سے سب کے دل جیتنے کے مشورے دیتی۔ ایک دن مَیں نے ذکر کیا کہ مجھے بازار جانا ہے۔ کہنے لگی مجھے بھی کچھ کام ہے کل دونوں چلیں گے۔ اگلے دن وہ آئی تو ہلکا ہلکا میک اَپ کیا ہوا تھا بہت ترو تازہ لگ رہی تھی۔ میری بہو مینا نے دیکھ کر کہا آنٹی! گھر میں کتنی سادہ رہتی ہیں ذرا سے میک اپ نے فریش کر دیا ہے یہ بات مَیں نے بھی محسوس کی تھی۔ اس بات سے مجھے شہلا کے مسئلے کا حل مل گیا۔ مَیں نے اُسے مشورہ دیا کہ تمہیں بنا سنورا دیکھنے کا حق تمہارے شوہر کا ہے۔ گھر سے بازار جاتے ہوئے میک اپ کرنا دانشمندی نہیں بازار والوں کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ ہم کیسے لگ رہے ہیں اُنہیں پیسہ کمانے سے کام ہوتا ہے۔ ان کی بلا سے کوئی کیسا لگ رہا ہے۔ تم گھر میں بن سنور کر رہا کرو۔ اُکتائے ہوئے رہنا کسی کو اچھا نہیں لگتا۔ وہ میری بات سمجھ گئی۔ جس کا اس کی زندگی پر خوشگوار اثر پڑا۔ اب جب وہ اچھے موڈ میں آتی ہے اور مزے کی باتیں کرتی ہے۔

5۔ تربیت کا ایک مؤثر ذریعہ!

معزز بہنو! اسکول سے کالج میں گئے تو بڑی چادر سے بُرقع پہنا دیا گیا۔ یہ ایک معمول کا عمل تھا۔ ربوہ میں پلنے بڑھنے سے کوئی دوسری بات ذہن میں آئی ہی نہیں ہاں یہ ہوتا تھا کہ بُرقع پہن کر بچوں کی طرح بھاگنے لگتے یا نقاب ٹھیک کرنا ہی یاد نہ رہتا۔ ایسی سب لغزشوں کی اصلاح اور پردے کا سلیقہ ہمیں کس طرح آیا؟ ربوہ میں ہر بچی سب کی بچی اور ہر ماں سب کی ماں ہوتی۔ راستے میں کوئی بھی خاتون ہمیں بڑے پیار سے

سمجھا دیتیں، بیٹی آپ کے بال نظر آ رہے ہیں، بال پردے میں شامل ہیں یا بیٹی راستے میں زور زور سے باتیں نہیں کرتے یا زور سے ہنستے نہیں ہیں۔ پھر یہ بھی کہ بیٹی آپ کے کوٹ کے بٹن ٹھیک سے بند نہیں ہیں۔
اب یاد آتا ہے یہ تربیت کا کتنا مؤثر ذریعہ ہے ہم نے بہت سی اچھی باتیں راہ چلتے سیکھ لیں۔ اگر ہم غلطی دیکھنے پر ماں کی سی شفقت سے بچوں کو سمجھائیں گے تو ضرور اثر ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی آگے سے تلخ جملہ سننے کو ملے اسی لئے میں نے کہا ہے کہ ماں کی سی شفقت سے نصیحت کریں ماں درد مند ہوتی ہے سچی خیر خواہ ہوتی ہے اور بچوں کی کمزوریوں کی تشہیر نہیں کرتی۔ اُنہیں اُچھالتی نہیں بلکہ خاموشی سے اصلاح کرتی ہے۔

6۔ ایسا کیوں ہوا؟

معزز بہنو! مَیں پاکستان میں تھی جب ایک سنجیدہ سی خاتون نے جو امریکہ سے آئی تھیں اپنے بیٹے کے رشتہ کے لئے کوئی اچھی سی لڑکی بتانے کو کہا اُن کا کہنا تھا کہ اُن کی ایک ہی اولاد ہے سب کچھ گھر میں اللہ کا دیا موجود ہے بس گھر بسانے والی لڑکی ہو۔ کسی جہیز وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
اگلے دن وہ پھر آئیں۔ لگتا تھا بہت دیر روتی رہی ہیں ذرا تنہائی ملی تو بولیں کہ کل مَیں نے آپ سے ایک بات چھپائی تھی۔ ضمیر پر بوجھ رہا کہ قولِ سدید سے کام نہیں لیا اس لئے آج بتانے آئی ہوں کہ میری ایک بیٹی بھی ہے، لیکن بعض وجوہ سے اُس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ پھر جو کہانی محترمہ نے سنائی وہ مختصراً یوں تھی کہ نئے نئے پاکستان سے آئے تھے بچوں کو اسکول میں داخل کیا تو اُن کے والد صاحب کا اصرار تھا کہ بچے اپنا لباس ہی پہنیں گے قمیص شلوار میں اسکول جائیں گے ہم اپنا طور طریق کیوں چھوڑیں بہت سمجھا بجھا کر کچھ کچھ باتوں پر سمجھوتا کر لیا مگر بچی کی jeans کی خواہش پر بالکل نہ مانے۔ کم عمری میں سکارف پہنا دیا۔ بچی نے احتجاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ضد کی تو سختی بڑھ گئی۔ بچی چڑ چڑی ہوتی گئی اُس کے والد صاحب سخت مزاج ہیں بچی نے وراثت میں سختی لی تھی بہت قسم کی بد مزگیاں ہوئیں ایک دن اُس کے والد کو علم ہوا وہ سکول جا کر سکارف اُتار دیتی ہے۔ بچی کی پٹائی کر دی اُس نے گھر چھوڑ دیا پھر پتہ چلا وہ کسی اپارٹمنٹ میں رہتی ہے جس میں سکھ لڑکے اور لڑکیاں بھی رہتے ہیں پارٹ ٹائم جاب کر کے خرچ پورا کرتی ہے۔

ہم موت جیسے دُکھ اور کرب سے گزرے مگر سمجھوتا نہیں کیا۔ ہم سے بہت غلطیاں ہوئیں جس کے نتیجے میں ہم نے چاند سی بیٹی کھو دی۔ اب ہم اُسے اپنی بیٹی نہیں کہتے۔ مگر تکلیف بہت ہوتی ہے۔ آپ لکھتی لکھاتی اور اچھا پُر اثر، دلوں کو چھو لینے والا کلام کہتی ہیں ہیں۔ میرا نام نہ بتائیں مگر یہ سب باتیں کسی موقع پر کہہ دیں اور لوگوں کو بتائیں کہ اگر کسی سے بات منوانی ہو تو آہستہ آہستہ نرمی سے سمجھائیں۔ دل اور روح میں اُتری ہوئی بات پر عمل ہوتا ہے۔ سختی، تشدد اور زبردستی کام نہیں دیتی۔

لیجئے! مَیں نے اس دکھی خاتون کی بپتا کہہ ڈالی۔ کاش! اس سے کوئی فائدہ اُٹھالے اور کاش! کبھی کسی کو یہ دُکھ نہ جھیلنا پڑے۔

سب چیزیں قدر و قیمت کی نسبت سے سنبھالی جاتی ہیں
پردہ عورت کی قید نہیں، تعزیر نہیں، زنجیر نہیں
عفت ہے، حیا ہے، نیکی ہے، جنت ہے، سکینت ہے عورت
عورت تو گھر کی زینت ہے بازاروں کی تشہیر نہیں

(امۃ الباری ناصر۔ امریکہ)

﴿41﴾ ﴿مشاہدات۔207﴾

نشہ آور اشیاء کی ممانعت اور اِس کے مُضِرّات

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدۃ:91)

اے ایماندارو! یقیناً شراب اور جوُا اور بت اور قرعہ اندازی کے تیر محض ناپاک (اور) شیطانی کام ہیں اس لیے تم ان (میں) سے (ہر اک سے) بچو، تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

پھر شراب کے بد اثرات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (المائدۃ:92)

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تمہیں ذکرِ الٰہی اور نماز سے باز رکھے، تو کیا تم باز آجانے والے ہو؟

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **نشہ آور اشیاء کی ممانعت اور اِس کے مُضِرّات**

سب سے پہلے شراب کی حرمت، اِس کے نقصانات اور شراب نوشی سے بچاؤ کے طریق اسلامی نقطہ نگاہ سے بتانے سے قبل اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب یہودیت، عیسایت، ہندومت، بدھ مت وغیرہ میں شراب کی جو ممانعت ملتی ہے۔ اُس کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

یہودیت اور عیسائیت میں شراب کی ممانعت

بائبل، کتاب مقدس میں زیر عنوان ”نذیروں کے لئے قوائد وضوابط“شراب اور مَے کے متعلق لکھا ہے کہ

”تو وہ مَے اور شراب سے پرہیز کرے اور مَے کا یا شراب کا سرکہ نہ پئے اور نہ انگوروں کا رس پئے۔“

(پرانا عہد نامہ۔ گنتی باب 6 آیت 3)

پھر اس کے علاوہ لوقا میں حضرت یوحناؑ کی پیشگوئی کے متعلق آتا ہے کہ

”کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہر گز نہ مَے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔“

(نیا عہد نامہ۔ لوقا باب 1 آیت 51)

پھر اسی طرح تورات کی ایک کتاب ”احبار“ میں زیر عنوان ”کاہنوں کے لئے ضوابط“ میں لکھا ہے کہ

”خداوند نے ہارون سے کہا کہ تو یا تیرے بیٹے مَے یا شراب پی کر کبھی خیمہ اجتماع میں داخل نہ ہونا تاکہ تم مر نہ جاؤ یہ تمہارے لئے نسل در نسل ایک قانون رہے گا۔“

(احبار باب 10۔ آیت 9-10)

پرانے عہد نامے کی کتاب ”یسعیاہ“ میں شراب کا نشہ کرنے والوں کے بارے میں آتا ہے

”اُن پر افسوس جو صبح سویرے اٹھتے ہیں تاکہ نشہ بازی کے درپے ہوں اور جو رات کو دیر تک جاگتے ہیں جب تک شراب اُن کو بھڑکا نہ دے۔“

(یسعیاہ باب 5 آیت 11)

پھر پرانے عہد نامہ کی کتاب ”امثال“ میں لکھا ہے کہ

”مسخرہ اور شراب ہنگامہ کرنے والی ہے اور جو کوئی اِن سے فریب کھاتا ہے، وُہ دانا نہیں“

(امثال باب 20 آیت 1)

پھر نئے عہد نامے کی کتاب ”افسیوں کے نام پولس رسول کا خط“ میں مَے یعنی شراب کے بارے میں آتا ہے کہ

”شراب میں متوالے نہ بنو کیوں کہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے بلکہ رُوح سے معمُور ہوتے جاؤ۔“

(افسیوں۔ باب 5 آیت 18)

ہندوازم میں شراب کی حرمت

ہندو مت کی ایک کتاب میں زیر عنوان ”حرام چیزیں جن کی حرمت یقینی ہے“ میں لکھا ہے کہ

”جن چیزوں کی حرمت پر صاف اور صریح مذہبی حکم موجود ہے وہ، گھوڑا، خچر، گدھا،..... اور شراب ہیں۔ شودر کے لئے شراب پینا جائز ہے اور بیچنا حرام ہے۔“

(ہندوازم ہزار برس پہلے از ابوریحان البیرونی صفحہ 164۔ ناشر: آصف جاوید)

نشہ آور اشیاء کی ممانعت بدھ مت میں

بدھ مت میں احکام عشرہ کے نام سے کچھ ضوابط درج ہیں جو دو حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ پہلے حصے کا نام پنج شیل ہے۔ جس میں پانچ احکام میں سے چوتھا حکم یوں ہے کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال نہ کرو۔

(گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک صفحہ 274۔ مصنف: کرشن کمار)

قرآن میں شراب کی حرمت

اسلام نے تو آج سے چودہ سو سال قبل ہی ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دے دیا ہے اور شراب کو تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نجس، ناپاک، ام الخبائث، ہر برائی کی کلید، ہر شر کی جڑ، تمام گناہوں کی ماں اور قابل نفرت شیطانی عمل قرار دیا ہے اور اس کے نقصانات بتا کر سختی سے اس سے مجتنب رہنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ اِس بارے دو قرآنی آیات ترجمہ کے ساتھ مَیں تقریر کے آغاز پر تلاوت کر آیا ہوں۔ جس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے نشہ آور اشیاء سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ منع کی حکمتوں سے بھی آگاہ کیا ہے۔ جیسے فرمایا۔ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ کہ یہ شیطانی عمل ہے اِس سے بچنے سے کامیابی نصیب ہوگی۔ اور پھر فرمایا یَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوۃِ کہ یہ اللہ کے ذکر اور نماز میں خلل ڈالتی ہیں۔ اِس کے علاوہ انسان مختلف بیماریوں سے بچتا ہے۔ انسان کی روحانیت پر جو شراب کے بد اثرات پڑتے ہیں انسان ان سے بھی محفوظ رہے گا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے درست فرمایا ہے کہ شراب کی مضرتیں اسکے فوائد سے زیادہ ہیں..... اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شراب کے بد اثرات صرف جسم انسانی تک محدود ہی نہیں بلکہ اسکا اثر اخلاق پر بھی پڑتا ہے۔ اس کے اخلاقی بد اثرات تو ہر زمانے میں ثابت کی جاسکتی ہیں..... جبکہ اس کے

جسمانی اثرات کے بد نتائج بھی روز روشن کی طرح ثابت ہیں۔ اکثر علماءِ طب کو اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ اس کے ضرر اس کے نفعوں سے زیادہ ہیں۔

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 287-288 زیر تفسیر آیت ویسئلونك عن الخمر والمیسر)

سامعین! اب یہاں قرآنِ کریم میں درج تعلیمات بتانے کے بعد احادیث میں نشہ آور اشیاء کے متعلق اسلام کی جو تعلیم درج ہوئی ہے بیان کرنی ضروری ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس نے کوئی نشہ آور چیز استعمال کی تو اس کی چالیس روز کی نماز کم کر دی جائے گی، اگر اس نے اللہ سے توبہ کر لی تو اللہ اسے معاف کر دے گا۔

(ابو داؤد کتاب الاشربۃ باب النَّھْیِ عن المسکر)

اِس مضمون کو ایک اور پیرایہ میں سنیے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي فَيَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ يَوْمًا

(سنن نسائی کتاب الاشربہ)

میری امت کے شراب پینے والے آدمی کی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک نماز قبول نہیں فرماتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ

(صحیح بخاری کتاب الاشربہ)

جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو وہ شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔

ذرا غور کا مقام ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دولت سے شراب پینے والے کو محروم فرما دیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا (سنن ابی داؤد کتاب الاشربۃ)

اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور اس کے پینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مقام پر فرمایا:
لَا يَدْخُلُوا الجَنَّةَ مُدْمِنُ خَمْرٍ

(الترغیب والترھیب، جلد 3، کتاب الحدود)

ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔
سامعین! احادیث میں نشہ آور اشیاء کی ممانعت کے بیان کے بعد ماموریِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نمبر آتا ہے۔ حاضرین آئیں! دیکھیں کہ حضورؑ اِس ضمن میں کیا فرماتے ہیں۔

مضر ایمان اشیاء کی سردار شراب ہے

آپؑ فرماتے ہیں:
”حدیث میں آیا ہے وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ یعنی اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ جو چیز ضروری نہ ہو وہ چھوڑ دی جاوے۔ اسی طرح پر یہ پان، حقّہ، زردہ (تمباکو)، افیون وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں۔ بڑی سادگی یہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اگر کوئی اور بھی نقصان ان کا بفرض محال نہ ہو تو بھی اس سے ابتلا آجاتے ہیں اور انسان مشکلات میں پھنس جاتا ہے..... عمدہ صحت کو کسی بیہودہ سہارے سے کبھی ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ شریعت نے خوب فیصلہ کیا ہے کہ ان مضر صحت چیزوں کو مضر ایمان قرار دیا ہے اور ان سب کی سردار شراب ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ نشوں اور تقویٰ میں عداوت ہے“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 292)

شراب کے خطرناک نتائج کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ
”ایک شراب ہی کو دیکھو جو اُم الخبائث ہے۔ جس سے طرح طرح کے نفسانی جوش پیدا ہو کر کبھی انسان مرتکب فسق و فجور کا ہوتا ہے اور کبھی خونریزی کا ارتکاب کرتا ہے اور بلاشبہ یہ تمام گناہوں کی ماں ہے۔“

(ریویو جلد اوّل صفحہ 110)

پھر حضور علیہ السلام اپنی تصنیف کشتی نوح میں بڑے درد بھرے الفاظ میں فرماتے ہیں:

"اے عقلمندو! یہ دنیا ہمیشہ کی جگہ نہیں۔ تم سنبھل جاؤ۔ تم ہر ایک بے اعتدالی کو چھوڑ دو۔ ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو۔ انسان کو تباہ کرنے والی صرف شراب ہی نہیں بلکہ افیون، گانجہ، چرس، بھنگ، تاڑی اور ہر ایک نشہ جو ہمیشہ کے لئے عادت کر لیا جاتا ہے وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے۔ سو تم اس سے بچو۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ تم کیوں ان چیزوں کو استعمال کرتے ہو جن کی شامت سے ہر ایک سال ہزارہا تمہارے جیسے نشہ کے عادی اس دنیا سے کوچ کرتے جاتے ہیں اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ پرہیز گار انسان بن جاؤ تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا سے برکت پاؤ"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 70-71)

پھر حضورؑ مسلمانوں کو خصوصیت سے مخاطب ہوتے ہوئے اور انہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کا واسطہ یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

"اے مسلمانو!..... تمہارے نبی علیہ السلام تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت معصوم ہیں۔ سو تم مسلمان کہلا کر کس کی پیروی کرتے ہو۔ قرآن، انجیل کی طرح شراب کو حلال نہیں ٹھہراتا۔ پھر تم کس دستاویز سے شراب کو حلال ٹھہراتے ہو۔ کیا مرنا نہیں ہے۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 71 حاشیہ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"صحبت کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے جو اندر ہی اندر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہر روز کنجریوں کے ہاں جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ کیا میں زنا کرتا ہوں؟۔ اس سے کہنا چاہئے کہ ہاں تو کرے گا اور وہ ایک نہ ایک دن اس میں مبتلا ہو جاوے گا کیونکہ صحبت میں تاثیر ہوتی ہے۔ اسی طرح پر جو شراب خانہ میں جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی پرہیز کرے اور کہے کہ میں نہیں پیتا ہوں لیکن ایک دن آئے گا کہ وہ ضرور پیئے گا۔ پس اس سے کبھی بے خبر نہیں رہنا چاہئے کہ صحبت میں بہت بڑی تاثیر ہے"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 247)

صحبت کا کس قدر اثر ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جب ایک شخص نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے اپنے بیٹے کے اچانک دہریہ خیالات میں مبتلا ہونے کا ذکر کیا تو آپ نے نصیحت فرمائی کہ اس شخص کا بیٹا اپنے تعلیمی ادارے میں اپنا سیٹ فیلو بدل لے۔ چنانچہ اس پر عمل کرنے سے اس لڑکے کے دہریت کے خیالات جاتے رہے۔

سامعین! جو شراب کی وجہ سے دیگر بُرائیوں میں مبتلا ہو جاتا اور ایک بُرائی کے بعد دوسری بُرائی کی طلب کرتا ہے تو ایسے شخص کی حالت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خارش کے مریض کی حالت کے مشابہ قرار دیا ہے جو خارش کرنے میں ہی لذت محسوس کرتا ہے لیکن جوں جوں خارش کرتا ہے خود کو زخمی کرتا جاتا ہے۔ خارش کے ساتھ اس کا زخم بھی گہرا ہوتا جاتا ہے اور پھر ناسور بن کر اس کی زندگی کو جہنم بنا دیتا ہے۔

(ماخوذ از الحکم جلد 7 نمبر 17 صفحہ 2 و 3 مؤرخہ 24/ مئی 1904ء)

سامعین! شراب اور دیگر منشیات کے استعمال سے حیوانی جذبہ بڑھتا ہے اور بسا اوقات انسان دامنِ عفت و عصمت کو داغ دار کرتے ہوئے صنفی آوارگی اور جنسی خواہش کی تکمیل پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تفاسیر میں ایک بزرگ کا واقع یوں درج ہے کہ:

پہلے کے زمانے میں ایک شخص بڑا ہی عابد تھا۔ لوگوں کو چھوڑ چھاڑ کر بستی سے الگ تھلگ عبادت خانے میں عبادت کرتا تھا۔ ایک بدکار عورت کی اس پر نظر تھی۔ اس (بدکار) نے اپنی خادمہ کو بھیجا کہ ایک گواہی کے بہانے اس (عابد) کو بلا لائے۔ وہ بیچارہ آ گیا۔ جب وہ کسی دروازے سے اندر داخل ہوتا تو باہر سے اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ اس بدکار عورت تک پہنچ گیا۔ اس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا مٹکا رکھا ہوا تھا۔ وہ اس شیخ سے کہنے لگی کہ خدا کی قسم! مَیں نے تجھ کو کسی گواہی کے لئے نہیں بلایا۔ بلکہ اس لیے کہ تم میرے ساتھ رات گزارو یا یہ بچہ قتل کر دو یا یہ شراب پیے۔ اُس شیخ نے یہ مناسب جانا کہ دونوں گناہوں کی بہ نسبت شراب آسان گناہ ہے۔ چنانچہ اس نے شراب پی لی۔ اب وہ ایک جام کے بعد پے در پے جام مانگنے لگا یہاں تک کہ شراب کے نشے میں اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور عورت کے ساتھ

رات بھی گزاری۔ **اس لئے شراب سے بچو۔ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ شراب اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ اگر شراب ہے تو ایمان نہیں اگر ایمان ہے تو شراب نہیں۔**

(تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 17 زیر تفسیر آیت یاایھاالذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر)

سامعین! اُمُّ الخَبَائِث شراب کے مضرات کے حوالے سے ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”ابھی شراب کی مثال دی گئی ہے کس طرح وہ شراب پیتے تھے اور کس قدر اُن کو اس بات پر فخر تھا۔ جب اس کا نشہ چڑھتا ہے تو کیا حالت انسان کی بنا دیتا ہے۔ ان ملکوں میں رہنے والے یہاں کے شرابیوں کے نمونے اکثر دیکھتے رہتے ہیں۔ ہماری مسجد فضل کی سڑکوں پر بھی ایک شرابی پھرتا ہے اور اُس کے پاس سوائے شراب کے ٹِن کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ گندے کپڑے لیکن شراب خرید لیتا ہے۔ مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ وہ پڑھا لکھا بھی ہے اور شاید کسی زمانے میں انجینئر بھی تھا۔ بہرحال اب تو کچھ کام نہیں کرتا، ویسے بھی اُس کی عمر ایسی ہے۔ کونسل سے جو کچھ ملتا ہے اُس کو، حکومت سے شاید جو بھی خرچہ ملتا ہو، وہ سب شراب پر خرچ کر دیتا ہے۔ سڑکوں پر زندگی گزارتا ہے۔ نشے نے اُس کی دماغی حالت بھی خراب کر دی، بیچارہ بالکل مفلوج ہو گیا۔ نشے کی حالت میں جب وہ ہو تو اُسے دیکھ کے ڈر لگتا ہے۔ کئی دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ بعض دفعہ وہ عورتوں کو راہ چلتے روک لیتا ہے، باوجودیکہ وہ اس ماحول میں رہنے والی انگریز عورتیں ہیں لیکن اُن کے چہروں سے خوف ظاہر ہو رہا ہوتا ہے۔ تو بہرحال شراب کے نشے نے اُس کی یہ حالت بنائی ہے۔ ایسے شرابی بھی عام ملتے ہیں جو نشے میں اتنے غصیلے ہو جاتے ہیں کہ ماں باپ کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ عجیب عجیب حرکتیں اُن سے سرزد ہوتی ہیں۔ مجھے یاد ہے جب مَیں گھانا میں تھا تو ٹمالے (Tamale) وہاں ایک شہر ہے۔ اُس زمانے میں وہاں جماعت کا زرعی پراجیکٹ تھا۔ تو جس گھر میں مَیں رہتا تھا اُس کی باہر کی طرف، نہ صرف باہر کی طرف بلکہ اندر کی طرف بھی چار دیواری نہیں تھی۔ تمام گھر جو تھے وہ بغیر چار دیواری کے ہی تھے۔ یہاں بھی عموماً ایسے بنے ہوتے ہیں۔ بعضوں نے اپنے اندر کے صحنوں میں چار دیواری بنائی ہوئی تھی جس طرح یہاں کے backyard ہوتے ہیں۔ بہرحال ہمارا گھر ایسا تھا کہ نہ اُس کے اندر صحن تھا نہ باہر، ہر طرف سے کھلا تھا۔ چھوٹی سی جگہ تھی جہاں گاڑی کھڑی کی جاتی تھی۔ کوئی دیوار

اور گیٹ نہیں جیسا کہ میں نے بتایا۔ اُن دنوں میں وہاں کے معاشی حالات خراب تھے۔ اگر کوئی چیز باہر کھلے میں پڑی ہو تو چوریاں بھی ہوتی تھیں۔ اب تو یہاں بھی چوریاں شروع ہو گئی ہیں بلکہ یہاں تو دروازے توڑ کے چوریاں ہونے لگ گئی ہیں، ڈاکے پڑنے لگ گئے ہیں۔ بہر حال امن کی حالت اُس وقت خراب تھی اس وجہ سے کہ معاشی حالات خراب تھے۔ وہاں ہم نے ایک watch man رکھا ہوا تھا، اُس کو میں نے رکھا تو رات کے لئے آتا تھا اور اُس کو میں نے خاص طور پر کہا کہ ہماری گاڑی جو پک اپ تھی باہر کھڑی ہوتی ہے۔ اس کا ٹائر باہر ہی پڑا ہوتا ہے کیونکہ اس کی ایسی حالت تھی کہ اُس کے اندر تبدیلی کر دی گئی تھی جہاں ٹائر رکھنے کی جگہ ہوتی ہے وہ وہاں رکھا نہیں جا سکتا تھا۔ بہر حال اُس کو خاص طور پر میں نے یہ کہا کہ ٹائر بہت چوری ہوتے ہیں اس کا خیال رکھنا۔ تو اکثر یہی ہوتا تھا کہ وہ شراب کے نشے میں آتا تھا اور ٹائر کو باہر نکالتے وقت ٹائر سے پہلے خود زمین پر گرا ہوتا تھا۔ تو بہر حال ایک دن مَیں نے اُسے دیکھا کہ اوندھے منہ پڑا ہوا ہے۔ اُس دن تو بہت ہی نشے میں تھا۔ اُس وقت چوکیدار اُس نے کیا کرنا تھا۔ وہ اَول فَول بک رہا تھا۔ اُس وقت تو مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ کچھ نہ کہا جائے کیونکہ اُس نے پھر مجھے بھی برا بھلا کہنا شروع کر دینا تھا۔ اگلے دن جب اُس کا نشہ تھوڑا کم ہوا یا اترا تو میں نے اُسے کہا کہ تم جاؤ اب، تمہیں نہیں رکھنا۔ بڑی منتیں سماجتیں کرنے لگا۔ خیر پینا تو بہر حال وہ نہیں چھوڑ سکتا تھا لیکن اُس نے یہ عقل مندی کی کہ یا تو وقت سے پہلے اتنا وقت دے دیتا تھا کہ جب یہاں ڈیوٹی پر آنا ہے تو نشہ کم ہو جائے یا پھر اُس وقت حساب سے پیتا ہو گا، نشہ زیادہ ظاہر نہ ہو۔ لیکن بہر حال نشئی جو ہیں وہ قابو تو رکھ نہیں سکتے۔ کچھ عرصے بعد پھر وہی حالت ہونی شروع ہو گئی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نشے میں انسان کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے، کیا بول رہا ہے۔ اگلے دن جب اُسے پوچھو کہ تم یہ یہ کہتے رہے تو صاف انکاری ہوتا تھا کہ میں تو بڑے آرام سے رہا ہوں۔ مَیں نے تو ایسی بات ہی کوئی نہیں کی۔ تو ایسے اچھے بھلے انسان ہوتے ہیں کہ نشہ جب اترتا ہے تو مانتے بھی نہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جس سے آپ کو ایک ٹرین کے سفر کے دوران واسطہ پڑا۔ وہ ایک معزز خاندان کا شخص تھا۔ شاید حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جانتا بھی تھا اور پونچھ کے کسی وزیر کا بیٹا بھی تھا۔ وہ ٹرین کے اس سفر میں نشے میں ایسی باتیں کہہ رہا تھا جو عقل و ہوش قائم ہونے کی صورت میں کبھی انسان کہہ نہیں سکتا۔ تو حضرت

مصلح موعود نے فرمایا کہ یہ شراب کا جو نشہ ہے انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور نشے میں اُسے بالکل پاگل بنادیتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 17/ جنوری 2014ء)

سگریٹ نوشی

سامعین! سگریٹ نوشی کے مضرّات اور انسانی صحت پر اس کے مہلک اثرات سے متعلق ہر سال دنیا بھر میں لاکھوں افراد سگریٹ اور تمباکو نوشی کے نتیجہ میں لاحق ہونے والی بیماریوں کے باعث موت کا شکار ہو جاتے ہیں اور کروڑہا ڈالرز ایسے مریضوں کے علاج معالجہ پر خرچ کئے جاتے ہیں جو سگریٹ نوشی کی وجہ سے مختلف امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ سگریٹ نوشی بلا شبہ ایک لغو اور بے فائدہ بلکہ مہلک چیز ہے اور خود اپنے ہاتھوں، اپنی جیب سے رقم خرچ کر کے ہلاکت مول لینے والی بات ہے۔

جہاں تک ایک مومن کا تعلق ہے تو اسے ایسی لغویات ہر گز زیبا نہیں کیونکہ ایسی چیزیں اس کی عبادت میں، انفاق فی سبیل اللہ میں اور حقیقی فلاح کے حصول میں روک بنتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب ہونے والے مومنوں کی ایک اہم علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ ایک اچھے مسلمان سے یہ توقع رکھی گئی ہے کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز کرے جو بے مقصد اور بے فائدہ ہیں اور اگر کوئی چیز نقصان دہ ہے تو اس سے بچنا تو اور بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

اس زمانہ میں کالجز اور یونیورسٹیوں میں سگریٹ نوشی اور ہیروئن، بھنگ، شیشہ، کوکین، میریونا، شراب نوشی اور دیگر نشوں کا طلبہ و طالبات کو عادی بنانے کے نت نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں اور نوجوان لڑکے لڑکیوں اور سکولوں کے طلباء و طالبات کو ٹارگٹ بنا کر ان میں منشیات کے استعمال کو رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ احمدی مسلمان والدین کا فرض ہے کہ وہ پوری طرح چوکس اور ہشیار ہو کر نہایت بالغ نظری کے ساتھ اپنے بچوں اور بچیوں کو ان مہلک زہروں سے بچانے کے لئے ہر ممکن اقدام کرنے کی ضرورت ہے اور ان کی جسمانی اور روحانی صحت کی حفاظت کے لئے دعاؤں کے ساتھ ساتھ تمام ضروری احتیاطیں اور تدابیر اختیار کریں۔ ان احتیاطوں میں سے ایک بنیادی احتیاط یہ ہے کہ انہیں ایسے لوگوں کی بد صحبت سے بچایا جائے۔ سگریٹ نوشی کے تعلق میں ہی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں ان میں یہ بھی کہا گیا

ہے کہ ایسے لوگ جو اگرچہ خود تو سگریٹ نہیں پیتے لیکن ایسے ماحول میں ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے جہاں سگریٹ نوشی ہوتی ہے وہ بھی اسی طرح سگریٹ کے زہریلے دھوئیں سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسے Passive Smoking کا نام دیا گیا ہے کہ یہ بھی ایک رنگ کی سگریٹ نوشی ہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر تمبا کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوتا تو حضورؐ ضرور حرام قرار دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

”نیک ساتھی اور بُرے ساتھی کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن میں سے ایک کستوری اٹھائے ہوئے ہو اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا ہو۔ کستوری اٹھانے والا یا تو تجھے مفت خوشبو دے گا یا تُو اس سے خرید لے گا۔ ورنہ کم از کم تو اس کی خوشبو اور مہک تو سونگھ ہی لے گا۔ اور بھٹی جھونکنے والا یا تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو اس سے بدبودار دھواں پائے گا“

(مسلم کتاب البرّ والصّلة)

اِس ہدایتِ نبویؐ میں اچھی صحبت اختیار کرنے کے حوالے سے بات ہو رہی ہے لیکن یہ بات سمجھنے والی ہے کہ سگریٹ نوش بھی تو دھواں چھوڑ کر ایک قسم کی بھٹی ہی جھونکتا ہے جس کا دھواں آس پاس بیٹھنے والوں کے لئے اذیت اور تکلیف اور بیماریوں کا موجب بنتا ہے۔

نشے کی لت میں مبتلا لوگوں کو بچانے کا طریق

سامعین! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی شخص ان نشوں میں مبتلا ہو جائے تو کیا اسلام اس کا کوئی حل پیش کرتا ہے؟ جی ہاں! اسلام اس بارہ میں بھی ایک نہایت مؤثر حل پیش کرتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ

ایک شخص نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! مجھ میں چار برائیاں ہیں لیکن اتنی قوت ارادی نہیں کہ چاروں کو ایک ساتھ چھوڑ دوں۔ مَیں جھوٹ بھی بولتا ہوں، زنا بھی کرتا ہوں چوری بھی کرلیتا ہوں **اور شراب بھی پیتا ہوں**۔ اگر آپؐ مجھے فرمائیں کہ مَیں اِن میں سے ایک چھوڑ دوں تو مَیں کون سی برائی چھوڑوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص واپس آیا اور بولا یا رسولؐ اللہ! میں نے چاروں

برائیوں سے نجات حاصل کرلی ہے کیونکہ جب بھی مَیں ان میں سے کسی برائی کے قریب جاتا تو مجھے خیال آتا کہ اگر رسول اللہؐ مجھ سے پوچھیں گے تو میں جھوٹ نہیں بول سکوں گا۔ لہٰذا میں اُن کے قریب نہیں گیا۔ اس طرح صرف ایک نصیحت پر عمل کرنے سے وہ تمام برائیوں سے نجات پا گیا۔

(ماخوذ از ربیع الابرار للزمخشری، باب الکذب، والزور، والبھتان، والریاء)

لہٰذا ہمیں جہاں بچوں کے ماحول پر نظر رکھنی چاہیے، ان کو بُری صحبت سے بچانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور اُن سے پیار و محبت، دوستی اور اعتماد کا تعلق مضبوط کرنا چاہیے وہاں خود بھی سچائی سے کام لینا چاہیے اور بچوں کو شروع سے ہی سچ بولنے کی عادت ڈالنی چاہیے تا اگر کبھی سکولوں اور کالجوں کے ماحول کے زیر اثر ان سے خطا سرزد ہو جائے تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرلیں۔ ایسی صورت میں اُن کے ساتھ حُسن سلوک اور نرم دلی سے پیش آئیں۔ دوستانہ تعلقات استوار کریں کیونکہ وہ آپ کی مدد کے محتاج ہیں۔ ان کی بالکل اسی جذبہ سے مدد کریں جس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

”ہمارا تو یہ حال ہے کہ اگر ہمارا کوئی دوست شراب کے نشے میں ایک گندی نالی میں بے ہوش پڑا ہو تو ہم اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر اپنے گھر لے جائیں گے اور یہ نہیں سوچیں گے کہ دنیا کیا کہتی ہے۔“

(سیرت المہدی جلد 2 صفحہ 93)

اسی جذبۂ ہمدردی سے ہی ہم بچوں کی اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اوّل بچوں کی صحبتوں پر نظر رکھیں۔ دوم بچوں کے ساتھ دوستانہ تعلق پیدا کریں تا وہ اپنی باتیں اور مشکلات آپ کے ساتھ شیئر کر سکیں اور سوم اِن کے لئے دعائیں کریں۔

سامعین! مکرم ڈاکٹر فہیم یونس قریشی صاحب نائب امیر و صدر مجلس انصار اللہ امریکہ نے جلسہ سالانہ کینیڈا 2017ء میں منشیات اور شراب نوشی پر ایک تقریر فرمائی جس میں سے کچھ حصہ موضوع کی مناسبت سے ہدیہ سامعین کرتا ہوں۔

موصوف نے نہایت عمدگی سے دو شہروں اور اِن کے درمیان ایک پُل کی مثال دے کر یہ سمجھایا ہے کہ ایک شہر نشہ نہ کرنے والوں کا ہے جو آسودگی اور چین سے زندگی بسر کرتے ہیں جبکہ دوسرا شہر نشہ کرنے

والوں کا ہے جو مایوسی اور نااُمیدی کا شہر ہے۔ جہاں خاندان ٹوٹ کر بکھر چکے ہیں اور اِن دونوں کے درمیان ایک خطرناک اور پُراسرار پُل ہے جس کو نشہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

سامعین! ڈاکٹر صاحب بیان کرتے ہیں کہ شراب نوشی کے اِس پُل کا نقصان یہ ہے کہ یہ انتہائی پُراسرار ہے، لاتعداد خاندان تباہ ہوجاتے ہیں، بچوں کو مارا پیٹا جاتا ہے، خواتین پر تشدد ہوتا ہے، جنسی امراض پھیلتی ہیں، لوگ دیوالیہ ہوجاتے ہیں، لوگ نشہ کی حالت میں موٹر چلاتے ہیں اور حادثات کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک نہ ختم ہونے والی دکھ بھری داستان ہے ....اِسی طرح میریونا کا مسئلہ ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ میریونا کے استعمال میں کوئی خطرہ نہیں۔ یہ قانوناً جائز ہے لیکن قانوناً جائز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اِس کا استعمال خطرہ سے خالی ہے۔ شراب نوشی بھی قانوناً جائز ہے۔ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ میریونا کا استعمال کرنے والے 10٪ لوگ اِس کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ اُسے ترک کرنے کے بارہ میں سوچیں تو وہ بھی خطرہ سے خالی نہیں، لہٰذا اِسے ترک کرنا ممکن نہیں۔ آپ اُنہیں بتاسکتے ہیں کہ میریونا کا استعمال نقصان دہ ہے، اِس سے یادداشت پر اثر پڑ سکتا ہے، لوگ شدید دماغی خلل اور دیوانگی کا شکار ہوجاتے ہیں، نفسیاتی بیماریاں بڑی تیزی سے پھیل سکتی ہیں۔ دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہوجاتی ہے۔ میریونا کے استعمال کے بعد دل کے دورہ سے لوگ موت کا شکار ہوچکے ہیں۔ لہٰذا ہمارے نوجوان بھی بدحواسیوں کا شکار ہیں۔ ہمیں اُن سے بلا تکلف گفتگو کرنی چاہئے۔ نوجوان میریونا کے بارہ میں کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں ہے۔ میں نے یہ سب باتیں سُن رکھی ہیں۔ شراب کے بارہ میں وہ پوچھتے ہیں کہ کیا میں تھوڑی سی پی سکتا ہوں، مجھے اِس سے نشہ نہیں ہوتا؟ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ کیا میں لائٹ بیئر پی سکتا ہوں؟ آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہے تو کم مقدار بھی ناجائز ہے۔

پھر حقہ اور شیشہ کا سوال اُٹھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک خلیفہ عطا کیا ہے جس کی نظر ہمیشہ ہمارے تربیتی پہلوؤں پر وقت سے پہلے ہوتی ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ مورخہ 17 جنوری 2014ء میں اِس طرف توجہ دلائی اور حقہ اور شیشہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”مجھے پتہ لگا ہے کہ یہاں ہمارے بعض نوجوان لڑکے اور لڑکیاں یہ شیشہ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں اِس میں نشہ نہیں ہے یا کبھی کبھی استعمال کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ

کبھی کبھی کا جو استعمال ہے ایک وقت آئے گا جب آپ بڑے نشوں میں ملوث ہو جائیں گے اور پھر اُس سے پیچھے ہٹنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

(ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن 7 تا 13 فروری 2017ء)

یہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے کہ ہم اپنی صحت، جان اور خاندان کا نذرانہ دے کر اُن میں شامل ہونا نہیں چاہتے۔ ہمارے مذہب نے ہمیں انتہائی مستحکم مقام پر کھڑا کیا ہے۔ آپ سب نے اِس تنبیہ کو بخوبی سمجھ لیا ہے...... کیا یہ فخر کی بات نہیں کہ ہمارے دین نے ہمیں پندرہ سو سال پہلے اِن منشیات کے نقصانات کے بارہ میں باخبر کر دیا تھا۔ یقین جانئے کہ میں میریونا کو قانوناً جائز قرار دینے کے تنازعہ کو بخوبی جانتا ہوں۔ ذرائع ابلاغ میں کیا کہا جا رہا ہے، سیاستدان کا خیال ہے کہ اگر شراب قانوناً جائز ہے تو میریونا کو کیوں جائز قرار نہیں دیا جاتا۔ اُن کے لئے یہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ مگر ہمیں اِس سے کوئی سروکار نہیں۔ اِسلام کی رُو سے یہ دونوں ممنوع ہیں، دونوں نقصان دہ ہیں۔ ہمیں اپنا موقف بدلنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سیلاب کہیں رُکنے والا نہیں۔ وہ ایک دوسری بحث میں اُلجھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے گھر بیٹھ کر جو چاہیں کریں اِس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں اور یہ ایک آزاد دنیا ہے۔ یہ سب دنیاوی باتیں ہیں۔ ہمیں دنیا سے کوئی غرض نہیں۔ ہمارا ایک دین ہے۔ ہم ایک خلیفہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہم ایک خاندان ہیں۔ ہم اُمید کے شہر میں رہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بچے اُس پُل پر جائیں، مایوسی کے اُس شہر میں جائیں۔ میں نے اُس شہر میں رہنے والوں کو دیکھا ہے۔ یقین کیجئے آپ وہاں جانا پسند نہیں کریں گے!..... مایوسی کے اِس شہر کا سب سے بڑا مسئلہ خود غرضی ہے۔ تمام دوست جو آج اِس راستہ پر آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ساتھ دیتے ہیں اور اپنی جیب سے آپ کے لئے خرچ کرتے ہیں، وہ زبوں حالی میں آپ کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ اُس وقت کوئی آپ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ مَیں نے ہسپتال کے کمرہ میں شراب میں دُھت کسی شخص کے ساتھ کبھی اُس کے دوستوں کو نہیں دیکھا۔ ہم نے منشیات میں مبتلا مریضوں کو دیکھا ہے جب وہ ہسپتال میں مرنے والے ہوتے ہیں تو اُن کے آس پاس اُن کے یار دوست نہیں ہوتے۔ سوسائٹی بھی اُن کی پرواہ نہیں کرتی۔ حتّٰی کہ ڈاکٹر اور نرسیں بھی اُنہیں نظر انداز کرتی ہیں۔ مریض تکلیف سے کراہ رہا ہوتا ہے اور عملہ اُس کی طرف اِس لئے توجہ نہیں دیتا کہ اُسے نشہ کی علّت ہے۔ آپ ایسے نظارہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ ذرا سوچئے! ایسے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہم اُمید کے اِس خوبصورت شہر میں رہنا چاہتے ہیں۔ ہم کوئی ایسی شے

استعمال نہیں کرنا چاہتے جو ہمارے دماغ میں خلل ڈالے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے اور بُرے میں تمیز کی صلاحیّت عطا فرمائی ہے۔ انسان اور جانور میں یہی فرق ہے اور یاد رکھیں کہ مایوسیوں کے شہر میں انسانوں کے لئے کچھ بھی اچھا نہیں ہے۔ ذرا سوچئے! آپ محض اُن لوگوں میں شامل ہونے کے لئے ایسی چیز کیوں استعمال کریں گے۔

میرے بھائیو! ہماری کامیابی اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔ کبھی اپنی قوت کو ضائع نہ کریں بلکہ اِسے یہ سوچنے پر صرف کریں کہ ہم منشیات کے خلاف جنگ میں کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے خلیفہ نے ہم پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ اسلام نے بہت سی جنگیں جیتی ہیں۔ غیر مسلم مؤرخین نے ابتدائی اسلامی جنگوں کے بارہ میں لکھا ہے جب کفار کے لشکر مسلمانوں کی نسبت تین چار پانچ اور سات گنا زیادہ ہوتے تھے تو کچھ مؤرخین نے مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ یہ بتائی ہے کہ کفار صبح کے وقت نشہ کی حالت میں ہوتے تھے۔ یہ کس حد تک سچ ہے اِس تفصیل میں جائے بغیر ہمیں آج منشیات کے خلاف یہ جنگ لازماً جیتنی ہے کیونکہ یہی جماعت احمدیہ کا طُرّہ امتیاز ہے۔

(الفضل انٹر نیشنل 16 مارچ 2018ء)

سامعین! ذرا غور کریں کہ ایسا معاشرہ جو کزن سے شادی کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ایسا کرنا مضرِ صحت ہے۔ ایسا معاشرہ جو معمولی معمولی بات پر حفاظتی انتظامات کی نہ صرف ترغیب دیتا ہے بلکہ قانون کو فالو نہ کرنے پر بھاری جرمانے عائد کرتا ہے۔ وہ شراب نوشی اور بعض دوسرے نشوں کی اجازت دیتا ہے، جس سے ہر سال دنیا میں تقریباً 3 ملین لوگ مر جاتے ہیں۔ مرنے والوں کی یہ تعداد کینسر اور ایڈز سے مرنے والوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔ کیونکہ شرابی اور نشئی شخص کی جسمانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں، اور نتیجۃً وہ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں شراب اور دیگر نشوں کے استعمال سے ہارٹ اٹیک اور دماغی امراض لاحق ہو جاتے ہیں، لاتعداد خاندان تباہ ہو جاتے ہیں، خواتین اور بچوں پر تشدد ہوتا ہے، لوگ دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ لوگ نشہ کی حالت میں گاڑیاں چلاتے ہیں اور حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں اور یوں بعض نہ ختم ہونے والی دکھ بھری داستانیں رہ جاتی ہیں۔

ہماری تعلیم انتہائی خوبصورت ہے۔ اسلام صرف برائی سے ہی نہیں روکتا بلکہ اس تک آنے والے راستوں سے بھی منع فرماتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے صرف شراب اور نشوں سے بچنے کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ بتایا ہے کہ

جس چیز کی کثرت نشے میں مبتلا کرتی ہے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ نیز نشوں میں مبتلا کرنے کا باعث بننے والی بری صحبتوں اور سگریٹ نوشی اور شیشے وغیرہ کی عادات کو بھی لغو قرار دے کر ان سے مجتنب رہنے کا حکم دیا ہے۔

سامعین! اب مَیں اپنی تقریر کے آخری حصے کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے سامعین کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ منشیات کے بد اثرات سے بچنے اور اپنی اولاد کو بچانے کا ایک ذریعہ جماعتی نظام اور ذیلی تنظیموں سے جوڑنا ہے۔اس کے بارے میں حضور انور نے فرمایا:

"نوجوان لڑکوں لڑکیوں کو جماعتی نظام سے اس طرح جوڑیں، اپنی تنظیموں کے ساتھ اس طرح جوڑیں کہ دین ان کو ہمیشہ مقدم رہے اور اس بارے میں ماں باپ کو بھی جماعتی نظام سے یا ذیلی تنظیموں سے بھرپور تعاون کرنا چاہئے۔ اگر ماں باپ کسی قسم کی کمزوری دکھائیں گے تو اپنے بچوں کی ہلاکت کا سامان کر رہے ہوں گے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23/اپریل 2010ء)

بھائیو اور بہنو! حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اِن بیماریوں سے اَولاد کو محفوظ رکھنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ ایک قرآنی دعا کی طرف توجہ دلائی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

پس اس طرف ہمیں بھی توجہ دینی چاہئے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لے کر ہمیں ہر قسم کی دنیاوی اور اخروی آگ سے بچائے رکھے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 8/جون 2018ء)

بچوں کو شیطانی حملوں اور اُن کی حرکات و سکنات سے بچانے کے لیے استغفار اور دعاؤں کی بھی از حد ضرورت ہے۔اس کے بارے میں حضور انور ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"شیطان سے بچنے کی سب سے بڑی پناہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس اس بگڑے ہوئے زمانے میں استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ استغفار ہی وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں انسان آسکتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20/مئی 2016ء)

نیز فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی بہت زیادہ دعا کرو۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھو۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھو۔ اللہ تعالیٰ یہ امید دلاتا ہے جو سننے والا اور جاننے والا ہے کہ اگر نیک نیتی سے دعائیں کی گئی ہیں تو یقیناً وہ سنتا ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18/اکتوبر 2013ء)

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

✡✡✡✡

﴿42﴾ ﴿مشاہدات۔208﴾

ذاتیں وجۂ شرافت نہیں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّ اُنۡثٰى وَ جَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ (الحجرات: 14)

نہ فرق رنگ و نسل میں نہ ذات پات میں ہے
یہ دین کہتا ہے انسان سب برابر ہیں

(امۃ الباری ناصر)

سامعین! آج مجھے معاشرے میں بڑھتی ہوئی ایک بُرائی ذات پات میں فخر اور گھمنڈ کرنے کے حوالے سے گفتگو کرنی ہے جس کا عنوان ہے۔ **"ذاتیں وجۂ شرافت نہیں"**

یہ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ ہیں مکمل الفاظ یہ ہیں۔ "**یہ جو مختلف ذاتیں ہیں یہ کوئی وجہ شرافت نہیں۔** خدا تعالیٰ نے محض عُرف کے لئے ذاتیں بنائی ہیں"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 24 دسمبر 2004ء)

اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ مسلمہ کو ذات پات کے حوالے سے سنہری اصول عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّ اُنۡثٰى وَ جَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ (الحجرات: 14)

اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلا شبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متّقی ہے۔ یقیناً اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) ہمیشہ باخبر ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ معزز اُس شخص کو قرار دیا ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ متّقی اور پرہیز گار ہے نہ کہ وہ شخص جو ذات پات یا حسب و نسب پر فخر کرتا ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتوں کی تلاش میں بھی یہ اسلامی اصول فرمادیا کہ لوگ تین وجوہات کی وجہ سے شادی کرتے تھے اوّل لڑکی یا لڑکا خوبصورت ہو۔ دوم جائیداد والے ہوں اور سوم حسب و نسب والے ہوں۔ اے مسلمان! تم جب رشتہ کی تلاش میں نکلو تو نیک، صالح اور پرہیز گار لڑکی یا لڑکے کی تلاش کرو تا اولاد کی تعلیم و تربیت کماحقہٗ ہو سکے اور وہ بھی دیندار اور متّقی ہو۔ تا وہ بھی آئندہ مستقبل میں رشتہ زوجیت میں منسلک ہوتے وقت اِسی اصول کے پابند ہوں اور یہ سلسلہ تا ابد چلتا رہے۔

سامعین! اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت میں جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا کے الفاظ جو استعمال فرمائے اُس سے خاندانوں کا تعارف مقصود ہوتا ہے شاید اِسی لئے نسب کو جاننے کے لئے شَجَرَۃٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور کسی خاندان کی پہچان کے لئے کہتے ہیں کہ اُس کا شجرہ نسب یہ ہے۔ شجرہ کے معانی درخت کے ہوتے ہیں جس طرح درختوں کی پہچان مختلف ناموں سے ہوتی ہے اِسی طرح خاندانوں کی پہچان کے لئے ذاتوں کے نام رکھے گئے ہیں اِس سے زیادہ کوئی اور حیثیت نہیں۔ جبکہ حسب و نسب کے تحت لکھا ہے کہ نسب کہتے ہیں کسی کی اصل کو یعنی کوئی کس درخت کا پھل اور جدّ کی آل اولاد ہے جبکہ حسب کا مطلب ہے اُس خاندان کے مورثِ اعلیٰ کے ذاتی اوصاف، صلاحیّتیں، قابلیت اور لیاقت کیا ہے۔ اِس آیت میں لفظِ تعارف کے تحت یہ بات بھی نوٹ کرنے والی ہے کہ پہچان کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہی نام اور شکل کے اگر زیادہ لوگ ہیں تو اُن کے ناموں کے ساتھ اُن کی قوم یا قبیلے کے نام لگا کر اُن کی پہچان ہو سکے اور دوسرے یہ کہ دنیا میں قومی تشخص بھی قائم رہے۔

انسان کی ذات یا اُس کا حسب و نسب اس کے بہترین ہونے پر دلالت نہیں کرتے بلکہ بہترین مخلوق کون ہیں، اس بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ (البینۃ:8)

یعنی یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے، یہی ہیں وہ جو بہترین مخلوق ہیں۔

سامعین! قرآن کریم کے بعد احادیث کا نمبر آتا ہے جو قرآن کی سب سے اولین تشریح و تفسیر ہے جو پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَذْھَبَ عَنْکُمْ عَیْبَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَکَبُّرَھَا بِآبَائِھَا النَّاسَ رَجُلَانِ بِرٌّ تَقِیٌّ کَرِیْمٌ عَلَی اللّٰہِ وَ فَاجِرٌ شَقِیٌّ ھَیِّنٌ عَلَی اللّٰہِ وَالنَّاسُ بَنُوْ آدَمَ وَخَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ

(الدر المنثور للسیوطی، جلال الدین جلد 7 صفحہ 579)

کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور غرور دور فرمایا۔ پس اے لوگو! تمام انسان صرف دو قسم کے ہیں۔ ایک نیک، پرہیز گار، اللہ کی نگاہ میں عزت والے۔ دوسرا فاجر بدبخت جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہوتا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے بنایا۔ اِس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ پیغام دیا ہے کہ ذات پات کچھ چیز نہیں، سب سے بڑھ کر نیکی اور تقویٰ ہے، جس میں یہ پایا جائے وہ اللہ کی نظر میں عزت پا گیا اور جس میں یہ نہ ہو وہ اللہ کی نگاہ میں ذلیل ٹھہرا۔

اِسی طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

یَا أَیُّھَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاکُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلَی أَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلَی عَرَبِیٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَی أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَی أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَی

(مسند احمد، حدیث نمبر 23489)

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ یاد رکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر سوائے تقویٰ کے اور کسی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

إِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ إِلَی صُوَرِکُمْ وَأَمْوَالِکُمْ وَلَکِنْ إِنَّمَا یَنْظُرُ إِلَی أَعْمَالِکُمْ وَقُلُوبِکُمْ

(ابن ماجہ، حدیث: 4143)

بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے۔

ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا:

”تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ لوگو! اپنے باپ دادا کے نام پر فخر کرنے سے باز آجاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔“

(مسند احمد جلد 14 مطبوعہ بیروت 1997ء حدیث نمبر 8736)

پھر فرمایا۔ ”تمہارے یہ نسب نامے کوئی کام دینے والے نہیں۔ تم سب حضرت آدمؑ کے بیٹے ہو۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ ہاں فضیلت دین و تقویٰ سے ہے۔ انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بد گو، بخیل اور فحش کلام ہو۔“

(مسند احمد جلد 28 مطبوعہ بیروت 1999ء حدیث نمبر 1744)

سامعین! پھر آپؐ کیا ہی عمدہ رنگ میں مسلمانوں کو عجز و انکساری کی یوں تلقین فرماتے ہیں۔

”تمام مخلوقات اللہ کی عیال ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات میں سے وہ شخص بہت پسند ہے جو اُس کے عیال (مخلوق) کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور اُن کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔“

(ابو داؤد بحوالہ حدیقۃ الصالحین مطبوعہ 2003ء صفحہ 679)

دیکھو! نہ ذات پات نہ نام و نسب شفا
پر دوست جب بناؤ تو کردار دیکھ کر

سامعین! ذات پات کے خلاف تعلیم کی ضرورت اِس لئے پیش آئی کہ عرب اقوام میں بھی ذات پات عروج پر تھی۔ جنگِ بدر کے موقع پر جب کفارِ مکہ کی طرف سے تین سردارانِ قریش عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں نکلے اور قدیم دستور کے مطابق مقابلے کے لیے مبارز طلب کی تو لشکرِ اسلام میں سے مدینے کے تین انصار صحابہ تیار ہوئے لیکن اُن متکبّر سردارانِ قریش نے کہا کہ اِن زمین کھودنے والوں سے لڑنا ہماری ہتک ہے اِس لیے ہمارے پایہ کے (یعنی قریشی) بھجواؤ۔ اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو بھجوایا جن کے ہاتھوں یہ کفارِ مکہ مارے گئے۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جا کر معلوم کرے کہ ابو جہل کا کیا حال ہے؟۔ اِس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گئے اور جب یہ ڈھونڈتے ہوئے ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ابو جہل زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ یہ دشمنِ اسلام دو انصاری نوجوانوں حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ کے ہاتھوں شدید زخمی ہو کر گرا ہوا تھا۔ ابو جہل نے اُنہیں دیکھ کر بڑی حسرت سے کہا: لَوْ غَیْرَ اِکَارٍ قَتَلَنِیْ۔ یعنی اے کاش! مَیں کسی کاشتکار کے ہاتھوں مارا نہ جاتا۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیّینؐ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ، صفحہ 360-363، مطبوعہ 2001ء)

اِس واقعہ سے باآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ قومِ قریش کس حد تک اِس مرض میں مبتلا تھی۔ مگر یہ فخر اور نسلی گھمنڈ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ آپ کی تربیت اور آپؐ کی قوتِ قدسیہ کے باعث عجز و انکساری میں بدل گیا اور یہی قوم انتہائی درجہ کی مُنکسرُ المزاج ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ سے اِن لوگوں کے سارے گند دھوئے گئے اور ایک ایسا معاشرہ قائم ہوا جہاں نسلی تفاخر کا نام ونشان نہ تھا۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ مکہ کے معاشرے میں ایک سردارانہ مقام رکھنے والے حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو جو قبل از اسلام محض ایک حبشی غلام تھے خاص احترام کے ساتھ ''سیّدنا بلال'' کہہ کر مخاطب فرماتے۔ اِس حوالے سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں:

''مَیں جب اِس زمانہ کے امریکن حبشی ٹام اور آج سے چودہ سو سال قبل کے عربی حبشی بلالؓ کے حالات پر نگاہ کرتا ہوں تو ایک عجیب منظر نظر آتا ہے...... عربی غلام (یعنی بلالؓ) جب بادشاہِ وقت (عمر بن الخطابؓ) سے ملنے کے لئے جاتا ہے تو باوجود اِس کے کہ اُس وقت بڑے بڑے رؤسائے عرب بادشاہ کی ملاقات کے انتظار میں دروازے پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ بادشاہِ وقت بلالؓ کی خبر پا کر اُن رؤسائے عرب کو جو وہ بھی مسلمان ہی تھے نہیں بلاتا اور بلالؓ کو فوراً بلا لیتا ہے اور جب بلالؓ ملاقات سے فارغ ہو کر چلا جاتا ہے تو پھر اُس کے بعد اُن رؤسائے عرب کی باری آتی ہے اور جب اِس بادشاہ کی مجلس میں بلالؓ کا ذکر آتا ہے تو بادشاہ کہتا ہے بلالؓ ہمارا سردار ہے۔''

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیّینؐ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ، صفحہ 402، مطبوعہ 2001ء)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کی تفسیر و تشریح کرنے کا حق اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؐ کے روحانی فرزند اور اِس اُخروی دور کے حکم و عدل حضرت مسیح موعودؑ کو سونپا ہے۔ آپؑ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"بعض نادان ایسے بھی ہیں جو ذاتوں کی طرف جاتے ہیں اور اپنی ذات پر بڑا تکبر اور ناز کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ذات کیا کم تھی جن میں نبی اور رسول آئے تھے لیکن کیا اُن کی اس اعلیٰ ذات کا کوئی لحاظ خدا تعالیٰ کے حضور ہوا جب اس کی حالت بدل گئی۔ ابھی مَیں نے کہا ہے کہ اِن کا نام سؤر اور بندر رکھا گیا اور اسے اس طرح پر انسانیت کے دائرہ سے خارج کر دیا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بہت لوگوں کو یہ مرض لگا ہوا ہے۔ خصوصاً سادات اس مرض میں بہت مبتلا ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنی ذات پر ناز کرتے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ذات کچھ بھی چیز نہیں ہے اور اُسے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سید وُلد آدم اور افضل الانبیاء ہیں انہوں نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صاف طور پر فرمایا کہ اے فاطمہؓ! تو اس رشتہ پر بھروسہ نہ کرنا کہ مَیں پیغمبر زادی ہوں۔ قیامت کو یہ ہرگز نہیں پوچھا جاوے گا کہ تیرا باپ کون ہے۔ وہاں تو اعمال کام آئیں گے۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے قرب سے زیادہ دور پھینکنے والی اور حقیقی نیکی کی طرف آنے سے روکنے والی بڑی بات یہی ذات کا گھمنڈ ہے کیونکہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور تکبر ایسی شئے ہے کہ وہ محروم کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنا سارا سہارا اپنی غلط فہمی سے اپنی ذات پر سمجھتا ہے کہ مَیں گیلانی ہوں یا فلاں سیّد ہوں۔ حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ یہ چیزیں وہاں کام نہیں آئیں گی۔ ذات اور قوم کی بات تو مرنے کے ساتھ ہی الگ ہو جاتی ہے۔ مَرنے کے بعد اس کا کوئی تعلق باقی رہتا ہی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (الزلزال:9) کوئی بُرا عمل کرے خواہ کتنا ہی کیوں نہ کرے اس کی پاداش اس کو ملے گی۔ یہاں کوئی تخصیص ذات اور قوم کی نہیں کی اور پھر دوسری جگہ فرمایا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:14) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

پس ذاتوں پر ناز اور گھمنڈ نہ کرو کہ یہ نیکی کے لیے روک کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور برکات اسی راہ سے آتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 340-341، ایڈیشن 2022ء)

پھر فرمایا۔

"اگر اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا ہے تو مسکینوں کے دل کے پاس تلاش کرو۔ اسی لئے پیغمبروں نے مسکینی کا جامہ ہی پہن لیا تھا۔ اسی طرح چاہئے کہ بڑی قوم کے لوگ چھوٹی قوم کو ہنسی نہ کریں اور نہ کوئی یہ کہے کہ میرا خاندان بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے پاس جو آؤ گے تو یہ سوال نہ کروں گا کہ تمہاری قوم کیا ہے بلکہ سوال یہ ہو گا کہ تمہارا عمل کیا ہے؟۔ اسی طرح پیغمبر خدا نے فرمایا ہے اپنی بیٹی سے کہ اے فاطمہؓ! خدا تعالیٰ ذات کو نہیں پوچھے گا، اگر تم کوئی برا کام کرو گی تو خدا تعالیٰ تم سے اس واسطے در گزر نہ کرے گا کہ تم رسول کی بیٹی ہو۔ پس چاہیے کہ تم ہر وقت اپنا کام دیکھ کر کیا کرو۔ اگر کوئی چوڑھا اچھا کام کرے گا تو وہ بخشا جاوے گا اور اگر سیّد ہو کر کوئی برا کام کرے گا تو وہ دوزخ میں ڈالا جاوے گا۔"

(ملفوظات جلد 3، صفحہ 370، ایڈیشن 1988ء)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

"ایسے لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے حالانکہ کروڑوں حصہ نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں جو دو دن نماز پڑھ کر تکبر کرنے لگتے ہیں اور ایسا ہی روزہ اور حج سے بجائے تزکیہ کے ان میں تکبر اور نمود پیدا ہوتی ہے۔ یاد رکھو! تکبر شیطان سے آیا ہے اور شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس سے دور نہ ہو۔ یہ قبولِ حق اور فیضانِ الوہیت کی راہ میں روک ہو جاتا ہے کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہیے نہ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے، نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر انہیں باتوں سے یہ تکبر پیدا ہوتا ہے اور جب تک انسان ان گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرے گا۔ اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور وہ معرفت جو جذبات کے موادِ ردّیہ کو جلا دیتی ہے اس کو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔"

(ملفوظات جلد ہفتم صفحہ 275-276، ایڈیشن 1984ء)

وقت کی آواز

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔

"بعض لوگ خاندانوں اور ذاتوں اور شکلوں وغیرہ کے مسئلے میں الجھ جاتے ہیں اور پھر انکار کر دیتے ہیں۔ پھر ان مسئلوں میں اس طرح الجھتے ہیں تو پھر لڑکیوں کے رشتے طے کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ تو یہ ذاتیں وغیرہ بھی اب چھوڑنی چاہئیں۔ اس بارے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "**یہ جو مختلف ذاتیں ہیں یہ کوئی وجہ شرافت نہیں**۔ خدا تعالیٰ نے محض عرف کے لئے ذاتیں بنائی ہیں اور آج کل تو صرف بعد چار پشتوں کے حقیقی پتہ لگانا ہی مشکل ہے۔ متقی کی شان نہیں کہ ذاتوں کے جھگڑے میں پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ میرے نزدیک ذات کی کوئی سند نہیں۔ حقیقی مکرمت اور عظمت کا باعث فقط تقوی ہے"تو پھر ان چیزوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔"

(خطبات مسرور جلد دوم۔ خطبہ جمعہ فرمودہ 24 دسمبر 2004ء)

سامعین! ہم دیکھتے ہیں کہ نسلی تفاخر ایک ایسا مرض ہے جو انسانوں کو مختلف نسلی گروہوں میں تقسیم کر کے قومی اور ملکی ترقی میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ ہمارا ایشیائی معاشرہ اُن معاشروں میں سے ایک ہے جہاں ذات پات میں فخر و مُباہات کے مرض کی جڑیں صدیوں پرانی ہیں۔ اِس بیماری کی چھاپ ہندوستان میں ہندو برادری میں بہت گہری ہے جہاں یہ قوم برہمن، کھشتری، ویش، شودر اور ملیچھ وغیرہ نسلی طبقات میں بٹی ہوئی تھی۔ بعض اقوام اعلیٰ سمجھی جاتی تھیں اور اُنہیں معاشرے میں ہر طرح کے حقوق حاصل تھے جبکہ ادنیٰ اقوام شودر اور ملیچھ وغیرہ سے عملاً جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا اور مسمانوں نے یہ Cast System ہندوؤں سے مستعار لے کر اپنے ساتھ Travel کیا اور اپنے کمزور ایمانوں کی وجہ ہندوؤں سے لی گئی ذات پات اور رسم ورواج کی یہ چھاپ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ گوڑی ہوتی گئی کہ ایک طرف ذاتوں میں ایسے اُلجھے کہ اپنی بچیاں ہم ذات رشتہ نہ ملنے کی وجہ بوڑھی ہوتی گئیں اور کئی بچیاں شادی جیسے اہم اسلامی حکم کی تعمیل کے بغیر اِس دنیا سے رخصت ہوئیں اور دوسری طرف ذات پات کا بھوت اِس حد تک اپنے اوپر سوار کر لیا کہ بعض پیشوں جیسے موچی، لوہار، جولاہا اور کمہار وغیرہ کو بھی Cast کا درجہ دے کر اِن جیسے پیشہ والوں کو حقیر مخلوق گردانتے لگے۔ اِن سے لین دین نہ کیا اور میل

ملاپ سے بھی پرہیز برتا اور یوں معاشرے میں نفرتیں بڑھتے بڑھتے معاشرہ مختلف چھوٹے چھوٹے گروہوں اور طبقات میں بٹنے لگا۔ نسلی افتراق بڑھا اور درجہ بندیاں ہوتی چلی گئیں۔ خاص طور پر زمیندار اقوام اور سادات میں اپنے آباواجداد کے نسلی تفاخر کا گھمنڈ آج بھی اُن میں سے اکثر میں موجود ہے اور پاک و ہند میں آج کے اِس ترقی یافتہ دَور میں بھی اِس طبقاتی منافرت کے آثار بڑے ہی واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ حتی کہ بعض جگہیں ایسی مخصوص کر دی جاتیں ہیں جہاں نیچ ذات کے لوگوں کا داخلہ منع ہوتا۔ پیری فقیری اور درگاہوں و خانقاہوں میں اونچ اور نیچ کا سلسلہ نمایاں نظر آتا ہے۔ پیر خود چارپائی یا تخت پوش پر براجمان ہوتے ہیں اور ماننے والوں کو زمین پر یا چارپائی کے پائنتیوں کی طرف بٹھایا جاتا ہے تاکہ برابری نہ ہو سکے۔ یہ گھمنڈ اور فخر کیسا؟ جبکہ تمام انسانوں کے اجزائے ترکیبی ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ وہ مادہ جس سے ہر قوم و ملّت کا انسان بنتا ہے ایک ہی جیسے عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور رِحمِ مادر میں ایک ہی جیسی مدّت میں مختلف مراحل سے گزر کر انسانی شکل میں ڈھلتا اور پھر ایک ہی طریق سے پیدا ہو کر اِس دنیا میں آتا ہے۔ سب کا بنیادی ڈھانچہ بھی ایک ہی جیسا ہوتا ہے اور زندہ رہنے کے لیے سب میں ایک ہی جیسا نظام موجود ہوتا ہے۔ رگوں میں دوڑنے والے خون کا رنگ بھی سب کا ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ سب ہی ایک بدبودار قطرے یعنی نطفے سے پیدا ہوتے ہیں اور سب کا ہی جسم اپنی ماؤں کے خونِ حیض سے پرورش پاتا ہے۔ اِس مادہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حَمَاٍمَسْنُوْن کے نام سے لکھا ہے جس کے معنی ہیں کہ گلے سڑے کیچڑ کے ہیں۔ پھر اکڑ کیسی، تکبّر اور نسلی تفاخر کیسا اپنی ذات پر۔

سامعین! جہاں تک پیشوں کا تعلق ہے اِن کا ذات پات سے کوئی تعلق نہیں اِن میں سے بعض پیشے ایسے مبارک ہیں جن کو انبیاء اور بزرگوں نے اپنایا۔ مثال کے طور پر حضرت نوحؑ نجار یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے اور جس کشتی کے بنانے کا اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حکم دیا تھا، اُنہوں نے خود بنائی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کا خاندان لکڑی کے بت بنا کر بیچا کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت یوسفؑ نجار کی بیوی تھیں اور یہودی اُنہیں بڑھئی کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے مدین جا کر وہاں آٹھ سے دس سال تک بھیڑ بکریاں چرانے کی ملازمت کی۔ (القصص: 28-29) دونوں جہانوں کے بادشاہ اور سب نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اوائل عمری میں مکہ والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔ آپؐ نے خود

فرمایا۔ بکریاں چرانا بھی انبیاء کی سنّت ہے اور مَیں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ فقہ کے عظیم امام حضرت امام ابو حنیفہؒ کو کپڑے کے کاروبار کی وجہ سے اُن کے مخالفین اُنہیں جولاہا کہا کرتے تھے۔

سامعین! ابن خلدون نے اپنی کتاب مقدمہ تاریخ ابنِ خلدون میں حسب اور نسب پر بہت دلچسپ بحث کی ہے کہ دنیا میں ہر چیز فانی ہے تو حسب و نسب کو کیسے بقا ہو؟۔ تجربہ یہ کہتا ہے کہ چار یا پانچ پُشتوں تک لوگ یاد رکھتے ہیں یا خاندان والے خود بھلا دیتے ہیں بالخصوص حسب کو جس میں خاندان کی مشہور ہستیاں اور اُن کے اوصاف آتے ہیں۔ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

”دیکھیئے! عالم عناصر کی ہر چیز فانی ہے اور ختم ہو جانے والی ہے۔ ذات کے اعتبار سے بھی اور حالات کے اعتبار سے بھی خواہ نباتات ہوں یا معدنیات یا حیوانات یا انسان۔ خاص طور پر انسان کے حالات پر نظر ڈالئے۔ اِن میں قسم قسم کے علوم پیدا ہوتے ہیں پھر مٹ مٹا کر نذرِ فنا ہو جاتے ہیں۔ یہی دیگر صنعتوں کا حال ہے۔ در حقیقت حسب یا شرافت اُن انسانی عوارض میں سے ہے جو لوگوں کو عارض ہوتے رہتے ہیں۔ اِس لئے یہ نذرِ فنا ہو کر رہتا ہے...... پھر شرافت کی زیادہ سے زیادہ حد چار پشتوں تک ہے...... یہ دعویٰ کہ حسب صرف چار پشتوں تک چلتا ہے غالب کے اعتبار سے ہے، کوئی کلی قاعدہ نہیں کیونکہ بعض خاندان چار پشتوں تک پہنچنے سے پہلے ہی اپنی شرافت و عظمت کھو بیٹھتے ہیں، فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور اُن کی عمارت آ گرتی ہے اور کبھی حسب و شرف پانچ اور چھ پشتوں تک بھی لگاتار چلتا رہتا ہے۔ البتہ چار پشتوں کے بعد روبہ انحطاط ضرور ہو جاتا ہے اور زوال کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔“

(مقدمہ ابنِ خلدون مطبوعہ 1986ء صفحہ 360-362)

ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
یہی اک فخر شانِ اولیاء ہے
بجز تقویٰ زیادت اِن میں کیا ہے

☆☆☆☆

﴿43﴾ ﴿مشاہدات۔234﴾

شخصیت پرستی اور اِس کے مضر اثرات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرۃ:149)

اور ہر ایک کے لئے ایک مطمحِ نظر ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔

میں اپنے پیاروں کی نسبت
ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پہ راضی ہوں
اور اُن کی نگاہ رہے نیچی

سامعینِ کرام! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **شخصیت پرستی اور اِس کے مضر اثرات**

سامعین! خلافت احمدیہ کی افادیت وبرکات کا اندازہ صرف اس بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبات و خطابات علم و معرفت کے خزانوں سے بھرے ہوتے ہیں جن کو سُن کر جہاں احباب جماعت اپنی اصلاح وتربیت کی طرف توجہ کرتے ہیں وہاں بہت سے پُر حکمت نکات بھی مال۔ و مطاع کے طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے غزوہ بدر میں شریک ہونے والے خوش قسمت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات وواقعات اور سوانح پر مشتمل طویل ترین خطبات کے سلسلہ کے تحت حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت وسوانح پر خطبات کی جو سیریز جاری رہی، اس میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک جنگ میں حضرت عمرؓ کی طرف سے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو فوج کی سربراہی سے معطل کر کے کسی اور صحابی کو اُن کی جگہ سپہ سالار مقرر کرنے کا ذکر فرمایا اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ

لوگ حضرت خالد بن ولیدؓ پر بہت انحصار کرنے لگے تھے کہ اگر اسلامی فوج، حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں بھجوائی جائے گی تو فتح ضرور قدم چومے گی۔ یہ شخصیت پرستی ہے یہ خیال بالآخر شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی کے سدّباب کے لئے حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو معطل کر دیا تھا تاکہ نہ صرف مسلمانوں کے دل میں پنپنے والا یہ غلط خیال ختم ہو جائے بلکہ آئندہ یہ سبق بھی مل جائے کہ کچھ بھی ہو جائے اس قسم کے شرک کی ہر حالت میں بیخ کنی کرنی۔ہے۔

یہ واقعہ تحریر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولولہ انگیز خلافت کا آخری دور یاد آرہا ہے جب مختلف جماعتیں اور مجالس، جماعت کے چوٹی کے اَجَل علماء کے نام لکھ کر اپنے ہاں جلسوں میں تقاریر کے لئے بھجوانے کی درخواست کرتی تھیں تو حضور رحمہ اللہ اس مطلوبہ عالِمِ دین کو نہ بھجواتے بلکہ دعاؤں کے ساتھ کسی اور دوست کو خواہ وہ جونئیر ہی ہوتے بھجوادیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ کسی اعلیٰ مقرر کا نام لکھ کر منگوانا شرک کے زمرہ میں آتا ہے گویا کہ اگر وہ نہ گیا تو جلسہ کامیاب نہ ہو گا۔ یہ بھی حضرت خلیفۃ المسیح رحمہ اللہ کی دُوررس نگاہوں میں شرک کی ایک قسم یعنی شخصیت پرستی کی نفی تھی اور جماعت کو یہ بتانا تھا کہ اس قسم کے شرک کو اپنے درمیان سے نکال باہر کریں اور اپنے آپ کو مؤحد جماعت بنائیں۔

سامعین! دینی تعلیمات کی روشنی میں شخصیت پرستی، شرک کی ابتداء ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شرک کی ابتدائی سیڑھی ہے تو غلط نہ ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ہستی کے ساتھ کسی اور کو کھڑا کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ نعوذ باللہ یہ شخص ہی ہمیں کامیاب کروا سکتا ہے یا ہمارے کام کر سکتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے سب خیال شرک ہیں اور چاہے یہ شخصیت پرستی ہو یا کچھ اور۔

گزشتہ زمانے میں فوت ہونے والے بڑے لوگوں کے مجسّمے، مورتیاں اور تصویریں بنا کر عبادت کے لئے یا ان کو یاد کرنے کے لئے سجالینا شخصیت پرستی کے زمرے میں آتا ہے۔ خانہ کعبہ میں جو بت رکھے ہوئے تھے وہ مشرکین کے بزرگوں کے ناموں سے ہی تو منسوب تھے۔ جن کو اللہ۔تعالیٰ کے حکم کے ماتحت مؤحد نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسمار کر دیا تھا۔ سورہ نوح آیت 24 میں وُدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسؔر کے نام سے عرب کے دیوتاؤں اور بتوں کا ذکر ملتا ہے یہ درحقیقت عرب قوم کے بزرگوں، ستاروں اور ان کی منزلوں کے نام تھے۔ جن کی عربوں نے بت بنا کر پرستش شروع کر دی تھی، مکہ والوں

نے اپنے باپ دادوں سے سن کر اپنے بتوں کے یہ نام رکھے تھے۔ اس پریکٹس کا ذکر قرآن کریم کی آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ:31) میں بہت واضح رنگ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور مثال، قرآن کے حوالہ سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران :145)

کہ محمدؐ صرف ایک رسول ہیں۔ یقیناً ان سے پہلے تمام رسول گزر چکے ہیں۔ اس آیت کو بھی شخصیت پرستی کی نفی میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب آپؐ کی وفات کے بعد یہ تصور کیا جانے لگا کہ آپؐ وفات نہیں پا سکتے جس کا اعلان حضرت عمرؓ نے بھی ان الفاظ میں کر دیا تھا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضرت محمدؐ اب اس دنیا میں نہیں رہے مَیں اس کی گردن قلم کر دوں گا۔ اس فتنہ کا حضرت ابو بکرؓ نے آل عمران کی آیت 145 پڑھ کر ہی قلع قمع کیا تھا کہ حضرت محمدؐ ایک رسول ہی تو تھے۔ آپؐ سے پہلے تمام رسول وفات پا چکے ہیں۔ لہٰذا سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ تو جہاں یہ وفات مسیح پر صحابہ کا پہلا اجماع تھا وہاں اسلام میں شخصیت پرستی کی روک تھام کے لئے بھی یہ پہلا اعلانِ عام تھا جو سیدنا حضرت ابو بکرؓ کے زبان مبارک سے ہوا۔

یہی کیفیت یا اس سے ملتی جلتی کیفیت ہمیں آج کے مامور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے دَور میں آپؑ کے والد محترم حضرت غلام مرتضیٰ مرحوم کی وفات پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے والد ماجد کی وفات پر زندگی کے معاش کی فکر دامن گیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ بطور الہام نازل فرما کر آپؑ کو تسلی دی اور فرمایا۔ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟ تو یہاں بھی شخصیت پرستی کے طرز عمل کی نفی کر دی گئی۔

سامعین! بعض لوگ اپنے بیٹوں پر انحصار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ عنایتِ ربی ہے۔ اُسی کی دین ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو مہمان سمجھنا چاہئے۔

آپ علیہ السلام اس حوالہ سے حضرت ابراہیمؑ کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ

”ابراہیم علیہ السلام کا یہی عظیم الشان اخلاص تھا کہ بیٹے کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ابراہیم بنو۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں ولی پرست نہ بنو بلکہ ولی بنو اور پیر پرست نہ بنو بلکہ پیر بنو“

(ملفوظات جلد2 صفحہ 518 جدید ایڈیشن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو نہایت آسان اور پُر معارف معنوں میں یوں بیان فرمایا ہے۔

”ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کے کاروبار میں جن کا اس نے ارادہ کیا ہوتا ہے کسی قسم کا فرق آجاتا ہے۔ ایسا تو وہم کرنا بھی سخت گناہ ہے۔ نہیں بلکہ وہ کاروبار جس طرح وہ چاہتا ہے بدستور چلتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اُسے چلاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ وہ راستہ ہی میں فوت ہو گئے۔ قوم چالیس دن تک ماتم کرتی رہی۔ مگر خدا تعالیٰ نے وہی کام یشوع بن نون سے لیا اور پھر چھوٹے چھوٹے نبی آتے رہے یہاں تک کہ مسیح ابنِ مریم آ گیا اور اس سلسلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے شروع کیا تھا۔ کوئی فرق نہ آیا۔

پس یہ کبھی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں کوئی فرق آجاتا ہے۔ یہ ایک دھوکہ لگتا ہے اور بُت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ ایک شخص کے وجود کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوا کسی اور طرف نظر اُٹھانا بھی پسند نہیں کرتا۔“

فرمایا۔ ”میرے ایک چچا فوت ہو گئے تھے عرصہ ہوا میں نے ایک مرتبہ اُن کو عالم رؤیا میں دیکھا اور ان سے اس عالم کے حالات پوچھے کہ کس طرح انسان فوت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت عجیب نظارہ ہوتا ہے جب انسان کا آخری وقت قریب آتا ہے تو دو فرشتے جو سفید پوش ہوتے ہیں سامنے آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں مولا بس۔ مولا بس۔

(فرمایا: حقیقت میں ایسی حالت میں جب کوئی مفید وجود درمیان سے نکل جاتا ہے تو یہی لفظ مولا بس موزوں ہوتا ہے)

اور پھر وہ قریب آکر دونوں اُنگلیاں ناک کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ اے رُوح! جس راہ سے آئی تھی اسی راہ سے واپس نکل آ۔

فرمایا:

”طبی امور سے ثابت ہوتا ہے کہ ناک کی راہ سے روح داخل ہوتی ہے اسی راہ سے معلوم ہوا نکلتی ہے۔ توریت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نتھنوں کے ذریعہ زندگی کی روح پھونکی گئی۔“

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 274-275)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیر پرستی کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”عوام الناس میں جس قدر بدرسومیں پھیلی ہوئی ہیں جو مخلوق پرستی تک پہنچ گئی ہیں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض پیر پرستی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں جو اپنے پیروں کو معبود قرار دے دیا ہے۔ بعض قبروں کی نسبت اس قدر غلو رکھتے ہیں کہ قریب ہے کہ ان قبروں کو ہی اپنا خدا تصور کرلیں بلکہ کئی لوگ قبروں پر سجدے کرتے دیکھے گئے ہیں اور وہ لوگ جو پیر اور سجادہ نشین کہلاتے ہیں۔ اکثر لوگوں میں ان میں سے بدعملی حد سے بڑھ گئی ہے اور وہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ اپنی طرف بلاتے ہیں۔“

(چشمہ معرفت صفحہ 311 مطبوعہ 1908ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اسلام کا منشا یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے کہ ابراہیم بنو۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہولی پرست نہ بنو۔ بلکہ ولی بنو اور پیر پرست نہ بنو۔ بلکہ پیر بنو تم اُن راہوں سے آؤ۔ بے شک وہ تنگ راہیں ہیں لیکن ان سے داخل ہو کر راحت اور آرام ملتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اس دروازہ سے بالکل ہلکے ہو کر گزرنا پڑے گا۔ اگر بہت بڑی گٹھری سر پر ہو تو مشکل ہے۔ اگر گزرنا چاہتے ہو تو اس گٹھری کو جو دنیا کے تعلقات اور دنیا کو دین پر مقدم کرنے کی گٹھری ہے، پھینک دو۔ ہماری جماعت خدا کو خوش کرنا چاہتی ہے تو اس کو چاہئے کہ اس کو پھینک دے۔ تم یقیناً یاد رکھو

کہ اگر تم میں وفاداری اور اخلاص نہ ہو تو تم جھوٹے ٹھہرو گے اور خدا تعالیٰ کے حضور راستباز نہیں بن سکتے۔ ایسی صورت میں دشمن سے پہلے وہ ہلاک ہو گا جو وفاداری کو چھوڑ کر غدّاری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ فریب نہیں کھا سکتا اور نہ کوئی اسے فریب دے سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ تم سچا اخلاص اور صدق پیدا کرو۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 188 تا 190 ایڈیشن 1984ء)

سامعین! اپنا ایک مقام بنانا چاہئیے۔ دنیاوی خواہشات کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیں۔ خود کو نیک کاموں میں اتنا مصروف کر لیں کہ لوگ آپ کو دیکھ کر کہیں کہ یہ شخص نیک ہے اور ہمیں اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ ان لوگوں کی مثال نہ بنیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں اور دنیاوی خواہشات کے حصول کے لیے اتنا گر جاتے ہیں کہ بجائے خدا کی رحمت طلب کرنے کے پیروں فقیروں کے در کے چکر کاٹتے ہیں۔

ہمارے موجودہ اور محبوب امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی خطبہ جمعہ 22 جون 2021ء اور خطبہ عید الفطر 2021ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اس مضمون پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی طرف توجہ دلائی ہے۔

روحانی بزرگوں سے پیار تو شخصیت پرستی نہیں

سامعین! یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم انبیاء، صلحاء اور خلفاء کرام سے جو پیار کرتے ہیں اور ان پر اپنی جان، مال، عزت اور وقت غرض سب کچھ وار دیتے ہیں کیا یہ شخصیت پرستی کے زمرے میں نہیں آتا؟

اس کا آسان جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے تم اپنی جانوں سے زیادہ پیار کرو۔ پھر ایک مقام پر یہاں تک فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نیک صالح لوگوں کی محبت خود پیدا فرما دیتا ہے۔ جیسے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا (مریم:97)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن کے لئے رحمان محبت پیدا کر دے گا۔

اور یہ مضمون احادیث میں بھی ملتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل کو آواز دے کر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ مَیں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔ (بخاری کتاب بدءالخلق) جبکہ نیک، صلحاء سے دشمنی کے حوالہ سے حدیثِ قدسی ہے کہ جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے مَیں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق)

پس ہماری اپنے خلفاء سے محبت طبعی ہے۔ جو ہماری جانوں اور دل کے نہاں خانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کر دی گئی ہے۔ نظامِ خلافت اور خلفاء کے انتخاب کا طریق اس حقیقت پر گواہ ہے کہ جماعت شخصیت پرستی پر نہ یقین رکھتی ہے اور نہ ہی کسی وجود کو ایسا مقام دیتی ہے۔ جماعت کا نظام اس کے ہر شعبہ نظام میں انسانوں کی تبدیلی کے ساتھ آگے کی طرف بڑھتا چلا جارہا ہے اور ان شاء اللہ بڑھتا چلا جائے گا۔ ہم الحمدللہ توحید کے قائل ہیں اور توحیدِ الٰہی کے ہی علمبردار رہیں گے۔ یہ سبق ہے جو ہمیں سورۃ الفاتحہ میں ملتا ہے کہ تمام تعریفیں اُس اللہ جو رحمٰن، رحیم اور مالک یوم الدین ہے کے لیے ہیں۔ اسی کی عبادت کرنے اور استعانت چاہنے کا ہم عزم کرتے ہیں اور ہدایت کے لئے بھی اسی واحد لاشریک خدا سے طلبگار ہیں۔

جبکہ بعض فرقوں میں شخصیت پرستی اور شرک کی کیفیت اس حد تک پھیلی ہوئی ہے کہ درگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ حقیقی علم سے نابلد لوگ ان خانقاہوں اور درگاہوں میں حاضر ہو کر سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ صرف عام زندگی میں ہی نہیں بلکہ سطحی سیاست کے ادنیٰ درجہ کے میدانوں میں بھی بدرجہ اولیٰ موجود ہے اور عوام الناس یہ سمجھ بیٹھتے ہیں یا ان کے ذہنوں میں یہ چیز بٹھادی جاتی ہے کہ تمہارا یہی لیڈر ہے جو تمہیں دریا پار لگا سکتا ہے اور دنیاوی لیڈر بھی یہی سمجھ بیٹھتے ہیں اور یہی ادھورا اور کھوکھلا سبق وہ اپنی عوام کو دینا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم تیسری دنیا میں اکثر ایسے دیکھتے ہیں۔ اسی سے بُت پرستی کی ابتداء ہوتی ہے۔ یہی وہ شخصیات کے بُت ہیں جو وہ اپنے ہاتھوں سے تراش کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور ایشیائی کلچر میں ہم اپنے آپ کو مسلمان، خدائے واحد ویگانہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان معاشروں میں بعض لوگوں کے دل صنم کدہ بنے ہوئے ہیں۔ جس سے اعتدال کو خیر باد کہہ کر

افراط و تفریط اور غلو ان میں جنم لیتا ہے۔ شدت پسندی، انتہا پسندی اور جذباتیت کو فروغ ملتا ہے۔ امن کا جنازہ نکلنا شروع ہوتا ہے اور معاشرہ مختلف برائیوں سے زنگ آلود بلکہ زہر آلود ہوتا ہے۔

آجکل کے پیر تو لوگوں کو غلط راستے پر ڈال کر جنت کا لالچ دے کر دوزخ کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اُن کی ایک بہن کسی پیر کی مرید تھی۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے اُنہیں کہا کہ تم بھی اب کچھ خوفِ خدا کرو، اب سمجھ جاؤ، اپنی دنیا و عاقبت سنوارو اور احمدی ہو جاؤ۔ تو وہ کہنے لگی کہ مجھے احمدی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے فلاں پیر صاحب کی بیعت کر لی ہے وہ بڑے پہنچے ہوئے پیر صاحب ہیں۔ انہوں نے مجھے کہہ دیا ہے کہ تمہیں کسی قسم کی نیکیاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم ہماری سچی مریدنی ہو، جو جی میں آئے کرتی رہو، کوئی نیکی بجالانے کی ضرورت نہیں، تمہارے سب گناہ ہم نے اُٹھالئے ہیں۔ گویا کفّارہ کا نظریہ صرف عیسائیوں میں نہیں ہے ان مسلمان پیروں نے بھی پیدا کیا ہوا ہے تو کیا یہ لوگ خیرِ اُمت کہلانے کے حقدار ہیں؟ بہر حال حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن کو کہا کہ دوبارہ اپنے پیر صاحب کے پاس جاؤ تو اُن سے پوچھنا کہ جب قیامت کے دن ایک ایک شخص سے اُس کے عمل کے بارہ میں پوچھا جائے گا اور گناہوں کی وجہ سے جوتیاں پڑنی ہیں تو پھر پیر صاحب کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ آپ نے اپنے مریدوں کے گناہ اُٹھالئے ہیں آپ کو کتنی جوتیاں پڑیں گی؟ تو بہر حال وہ کہنے لگیں کہ مَیں پیر صاحب سے ضرور پوچھوں گی۔ دوبارہ جب آپ کو ملنے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ کیا پیر صاحب سے سوال پوچھا تھا؟ کہنے لگیں۔ مَیں نے پوچھا تھا اور جس بات کو آپ نے بہت بڑا مسئلہ بنا کر پیش کیا تھا، پیر صاحب نے تو اُسے منٹوں میں حل کر دیا۔ آپ نے فرمایا کیسے؟ کہنے لگی میرے سوال پر پیر صاحب کہنے لگے۔ دیکھو! جب فرشتے تم سے پوچھیں کہ تم نے فلاں فلاں گناہ کیوں کئے ہیں تو کہہ دینا۔ مجھے تو اس کا کچھ نہیں پتہ۔ یہ پیر صاحب یہاں کھڑے ہیں مجھے تو انہوں نے کہا تھا کہ جو جی میں آئے کرو، تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔ اب یہ پیر صاحب کھڑے ہیں ان سے پوچھ لیں۔ اس پر وہ تمہیں چھوڑ دیں گے، تمہاری طرف نہیں دیکھیں گے۔ جب تمہاری طرف سے نظریں پھیریں تم دوڑ کر جنت میں داخل ہو جانا۔ پیر صاحب کہتے ہیں باقی رہ گیا میرا معاملہ تو جب فرشتے مجھ سے پوچھیں گے تو مَیں اپنی لال لال

آنکھیں نکال کر غصے سے کہوں گا کہ کربلا میں ہمارے نانا حضرت امام حسینؓ نے جو قربانیاں دی تھیں کیا وہ کافی نہیں تھیں کہ آج پھر تم لوگ ہمیں تنگ کر رہے ہو۔ دنیا میں دنیا والوں نے ہمارا جینا حرام کر دیا تھا اور آج یہاں آئے ہیں تو تم بھی وہی طریق اختیار کئے ہوئے ہو اور ہمارے اعمال کے بارے میں پوچھ رہے ہو کہ کئے کہ نہیں کئے۔ تو اس پر فرشتے شرمندہ ہو کر ایک طرف ہٹ جائیں گے اور ہم گردن اکڑاتے ہوئے جنت میں بڑے رعب، دبدبے سے داخل ہو جائیں گے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد نمبر 7 صفحہ نمبر 208-209)

سامعین! بالکل یہی آج کل کے پیروں فقیروں کا حال ہے جو خود بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے اور غریب اور معصوم لوگوں کو بھی اس ایندھن کا حصہ بنائیں گے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایک بہت بڑا طبقہ پاکستان میں بھی اور ہندوستان میں بھی بلکہ اکثر مسلمان ممالک میں جاہل لوگوں کا تو ہے ہی، لیکن صرف جاہلوں کا ہی نہیں بلکہ ایسے پڑھے لکھے لوگوں کا بھی ہے جو اپنے آپ کو کم از کم پڑھا لکھا سمجھتے تو ہیں، جن میں ہمارے لیڈر بھی ہیں اور سیاستدان بھی ہیں۔ کئی کا مجھے علم بھی ہے جو نہ نمازیں پڑھیں گے، نہ قرآن پڑھیں گے لیکن پیروں کے مرید ہیں اور اُن کی دعاؤں کو ہی اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اگر جنتیں اس طرح قریب ہونی ہیں اور ملنی ہیں پھر تو قرآنِ کریم کے احکامات کی نعوذ باللہ کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پس ہم بڑے خوش قسمت ہیں جنہوں نے زمانے کے امام کو مان کر جنت کی حقیقت کا پتہ لگایا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ادراک حاصل کیا ہے۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 23 ستمبر 2011ء)

پس یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کی خلافتِ حقہ سے منسوب ہو کر ان رسوم ورواج اور شرک پیدا کرنے والی خرافات سے کوسوں دور ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والی جماعت پیدا کرنے آئے تھے جو اپنی عبادتوں کی حفاظت کر سکے۔ آپؑ پیر پرستی ختم کرنے آئے تھے۔ اس لئے آپؑ نے فرمایا تھا کہ "پیر پرست نہ بنو بلکہ پیر بنو"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وحدہ لا شریک خدا کے حقیقی پرستار اور عبادت گزار بنائے اور شرک کی طرف لے جانے والی شخصیت پرستی ہمارے قریب تک نہ آئے۔ آمین

ذکر خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن دنیا میں جگمگائے جا
خالی امید ہے فضول سعیِ عمل بھی چاہیے
ہاتھ بھی تو ہلائے جا، آس کو بھی بڑھائے جا

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿44﴾ ﴿مشاہدات۔322﴾

ایک احمدی مسلم بچے کی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا (الفتح:30)

ترجمہ۔ محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کفار کے مقابل پر بہت سخت ہیں (اور) آپس میں بے انتہا رحم کرنے والے۔ تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔

ہوں اللہ کا بندہ محمدؐ کی امت
ہے احمدؑ سے بیعت خلیفہ کی طاعت
مِرا نام پوچھو تو مَیں احمدی ہوں

میرے ساتھیو! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ ایک احمدی مسلم بچے کی ذمہ داریاں

اس مختصر سے وقت میں ذمہ داریوں کی طرف آنے سے قبل ”احمدی مسلم“ کی آج کے مادی دَور میں اہمیت بتانی ضروری سمجھتا ہوں۔ اِسے ایک مسلمان بچے کی ذمہ داریاں کا عنوان بھی دیا جا سکتا تھا لیکن مسلم کے ساتھ احمدی کا لفظ بڑھا کر ذمہ داریوں میں بھی اضافے کا سبق ملتا ہے۔ عمومی طور پر کہا جاتا ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لے وہ مسلمان ہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی جو مختلف تعریفیں فرمائی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور ایک روایت میں مسلمانوں کی

جگہ انسانوں کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ گویا حقوق العباد ہیں جسے حقوق اللہ پر فوقیت دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص حقوق اللہ کی ادائیگی میں سستی برتے گا تو آخری روز وہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کمی کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا تو اُسے اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے معاف فرمادے گا لیکن حقوق العباد میں اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی سے زیادتی کی ہوگی تو آخری روز اللہ سے معافی مانگنے پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پہلے اُس شخص سے معافی مانگو جس سے تم نے زیادتی کی تھی اگر وہ معاف کر دے گا تو مَیں بھی معاف کر دوں گا۔ اِسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق العباد کی ادائیگی کو مسلمان کی تعریف میں شامل فرمادیا اور پھر زبان کو ہاتھ پر ترجیح دے کر ایک مسلمان کو اُس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مخلوق میں سے کسی سے زیادتی کرتے وقت زبان کا استعمال ہاتھ چلنے سے پہلے ہو جاتا ہے اس لئے اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھیں اور پھر وہ مسلمان احمدی بھی ہو وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد آپؐ کی بیان فرمودہ پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے فرستادہ حضرت احمد علیہ السلام پر بھی ایمان لاتا ہو۔ جس نے آج کے دَور میں اسلام کی معدوم تعلیمات کو اُجاگر کیا اور اُس روٹھے ہوئے ایمان کو جو آسمان پر جابیٹھا تھا دوبارہ لاکر مومنین کے دلوں میں اس کو جاگزین کیا اور حضرتِ احمدؑ پر ایمان لانے والے بھی صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت اختیار کر گئے۔ آپؐ نے کیا خوب فرمایا۔

مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

میرے دوستو! ہم احمدی مسلم بچوں کی ذمہ داریوں کی بات چل نکلی ہے تو اِس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کے حوالہ سے اضافہ کر دوں کہ اسلام کی اس بنیادی تعلیم سے تمام دنیا کے لوگوں کو آگاہ کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اِسے ہم دعوت الی اللہ کہتے ہیں۔ اِس کا ذکر اُس وعدہ میں بھی شامل ہے جسے حضرت مصلح موعود بانی تنظیم مجلس اطفال اللہ نے جاری فرمایا اور اِسے ہر اجلاس سے قبل ہم دہراتے ہیں۔ اس میں درج ہے کہ مَیں وعدہ کرتا ہوں دینِ اسلام اور جماعت احمدیہ، قوم اور وطن کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہوں گا۔ گویا دینِ اسلام اور احمدیت کی خدمت میں اولین ذمہ داری اس کے پیغام پر نہ

صرف خود عمل پیرا ہو کر دوسروں کے لئے نمونہ بننا ہے بلکہ اِس پیغام کو دوسروں تک پہنچا کر اپنے دائرہ میں مقیم ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ کرتے جانا ہے۔

پیارے ساتھیو! اِسی وعدہ کو لے کر اِس کے اگلے حصہ کو لیں تو اُس میں تین اور ذمہ داریوں کا ذکر ملتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

1۔ ہمیشہ سچ بولوں گا

2۔ کسی کو گالی نہیں دوں گا

3۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی تمام نصیحتوں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا

وقت کی رعایت سے ان تینوں اہم ذمہ داریوں کو یکجائی طور پر بیان کر کے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ جہاں تک سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (الاحزاب:7) کا حکم دے کر قولِ سدید یعنی سچ بولنے کی تلقین فرمائی ہے اور دوسری طرف وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:31) کی ہدایت فرما کر قولِ زُور یعنی جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ بولنے والے کو صدیق اور جھوٹ بولنے والے کو کذاب فرمایا ہے۔ (مسلم کتاب البر والصلہ)

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

پیارے بچو! جہاں تک گالی نہ دینے کے وعدہ کا تعلق ہے۔ اِسے مَیں اپنی تقریر کے آغاز میں بیان کر آیا ہوں۔ تاہم اللہ کے حکم قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ:84) کی یاددہانی کرواتے ہوئے مَیں اپنے ساتھیو کو حضرت مسیح موعودؑ کے ایک شعر کے ذریعہ ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

آپؑ فرماتے ہیں

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

پیارے بچو! وعدہ میں درج آخری ذمہ داری خلیفۃ المسیح کی باتوں پر کماحقہٗ عمل کرنا ہے۔ اِس کے لئے پہلے خلیفۃ المسیح کی خطبات سننا ہوں گے پھر اُن میں بیان نصائح پر نہ صرف خود عمل کرنا ہے بلکہ اپنے ماحول میں بسنے والے دیگر احمدی مسلم بچوں کو ان کی یاددہانی کروانی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لوگ منہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اطاعت گزار ہیں سلسلے کا ہر حکم سر آنکھوں پر لیکن جب موقع آئے، جب اپنی ذات کے حقوق چھوڑنے پڑیں تب پتہ لگتا ہے کہ اطاعت ہے یا نہیں ہے۔"

(خطبہ جمعہ 27 اگست 2004ء)

امن کے ساتھ رہو فتنوں میں حصہ مت لو
باعثِ فکر و پریشانیٔ حُکام نہ ہو
گامزن ہو گے رہِ صدق و صفا پر گر تم
کوئی مشکل نہ رہے گی جو سرانجام نہ ہو

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿45﴾ ﴿مشاہدات۔539﴾

احمدی بچوں کا مقام اور ان کے فرائض

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ:149)

اور ہر ایک کے لئے ایک مطمحِ نظر ہے جس کی طرف وہ مُنہ پھیرتا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

نونہالانِ جماعت مجھے کچھ کہنا ہے
پر ہے یہ شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو
چاہتا ہوں کہ کروں چند نصائح تم کو
تا کہ پھر بعد میں مجھ پر کوئی الزام نہ ہو

پیارے اطفال بھائیوں! حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃُ المسیح الثالثؒ) نے مجلس اطفال الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع 1964ء کا افتتاح کرتے ہوئے جو قیمتی تقریر فرمائی۔ وہ آج بھی ہمارے احمدی بچوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ جس کا خلاصہ مکرم مولوی منیر الدین احمد صاحب نے مرتب فرمایا اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان ربوہ فروری 1965ء میں شائع ہوا۔ آج مَیں اپنی تقریر میں اپنے اطفال بھائیوں کے استفادہ کے لئے پڑھ کر سناتا ہوں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جب بھی کوئی احمدی بچہ میرے سامنے آتا ہے تو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدے یاد آجاتے ہیں اور میرا دل اس بچے کے لیے عزت و احترام کے جذبات سے بھر جاتا ہے

اور ان وعدوں کے نتیجہ میں جو ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں ان کا احساس ذہن میں آجاتا ہے۔ کیونکہ ہمیں ان بچوں کی اس رنگ میں پرورش کرنی ہے کہ وہ ان وعدوں کو پورا کرنے والوں میں شامل ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیے ہیں۔

مجلس اطفال الاحمدیہ کی سالانہ رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم میاں صاحب نے فرمایا اس رپورٹ کا ہم دو نقطہ ہائے نگاہ سے جائزہ لے سکتے ہیں۔ پہلا نقطہ نگاہ ماضی اور حال کا مقابلہ ہے۔ اس لحاظ سے ہر میدان اور ہر شعبہ میں ترقی ہوئی ہے اور رپورٹ سن کر دل خوش ہوا ہے کہ بچے اب پہلے سے بلند تر مقام پر جا کھڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ آئندہ ہم نے جو کچھ حاصل کرنا ہے اور جو ہمارا مقصد ہے اس کے لحاظ سے ہم نے کیا کام کیا ہے۔ اس لحاظ سے جب غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ابھی ہم نے بہت کچھ آگے بڑھنا ہے۔ ہمارے بلند مقاصد کے مقابلہ پر ہماری ترقی کی رفتار بہت ہی کم ہے اور اصل مقصد تک پہنچنے میں بہت دیر لگے گی۔

سامعین! اطفال الاحمدیہ کے امتحانات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ امتحانات میں پانچ ہزار اطفال شامل ہوئے۔ یہ تعداد خدا کے فضل سے اچھی ہے اور منتظمین مبارکباد کے مستحق ہیں مگر ابھی اس میں بھی ترقی کی گنجائش ہے اور اس طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ چاہیے کہ ہر طفل ان امتحانات میں شامل ہو۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ امتحانات میں شامل کرنا صرف منتظمین کا ہی کام نہیں بلکہ تمام اطفال کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ سب مل کر کوشش کریں اور ہر بچہ یہ عہد کرے کہ اس نے پانچ اور بچوں کو امتحانات میں شامل کرنا ہے۔ اس طرح یہ تعداد آسانی کے ساتھ 25 ہزار تک جا پہنچے گی صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔

آپ بجائے وقت ضائع کرنے کے علمی اور دینی کاموں میں حصہ لیں۔ بچوں میں کام کرنے کی قابلیت ہوتی ہے مگر ان کو پتہ نہیں ہوتا کہ کیا کرنا ہے بڑے لوگوں کی امداد و نگرانی سے ان کو صحیح لائن پر لگایا جا سکتا ہے۔ ذہنی کام کرنے اور مطالعہ سے بڑی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ کوئی بچہ بے کار نہ رہے۔ ہر وقت کام کرتے رہنا چاہیے۔ کسی بچے کا وقت ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی نہ کوئی کام کرتے رہنا چاہیے اس دنیا کی ساٹھ یا ستر سال کی عمر کچھ بھی نہیں۔ اصل زندگی موت کے بعد ہمیں ملے گی مرنے کے بعد ایک سو سال

گزریں گے۔ ہزار سال گزریں گے۔ لاکھ سال گزریں گے مگر ہم وہاں زندہ ہی رہیں گے۔ ہمیں اس دنیا کی بجائے اگلی زندگی کے لیے سامان جمع کرنے ہیں۔ جو لوگ اس دنیا میں خدا کی ناراضگی والے کام نہیں کرتے۔ آخرت میں خدا تعالیٰ ان سے محبت کرے گا اور کہے گا کہ دنیا میں ان لوگوں نے مجھے یاد رکھا اور میرے حکموں کی تعمیل کی اور لوگوں کی لعن طعن اور گالی گلوچ سے نہیں ڈرے۔ آج ان کو میرا قرب اور رضا حاصل ہے۔ اگر ہماری زندگیاں بھی ایسی ہو جائیں تو سمجھو ہم نے اپنی زندگی کا مقصد زندگی کو پالیا۔

پیارے بچو! حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا تین یا چار کتابیں ہماری ضرورت کو پورا نہیں کر سکتیں۔ یہ ہماری غفلت ہے کہ ہماری اس قسم کی کتب کی تعداد سینکڑوں تک نہیں پہنچ سکی۔ مذہب میں وسعت ہے۔ مختلف موضوعات پر کتب لکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً دانت کی صفائی کا حکم اس کا فائدہ، اطفال کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے، بڑوں کی کس طرح عزت کرنی ہے۔ اسلام اور قرآن میں زندگی کے ہر پہلو کے متعلق تعلیم موجود ہے۔ نہایت سادہ اور عام فہم رنگ میں یہ باتیں بیان ہونی چاہیں۔

پہلے انبیاء کے ماننے والوں میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ ایسا ہے کہ اس پر غور کرتے ہوئے اِس وقت بھی جی چاہتا ہے کہ اس سے پیار کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے پیارے بیٹے اسماعیل کو کہا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت میں تمہاری قربانی دینا چاہتا ہوں تو بچے نے فوراً اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ اس واقعہ میں بچوں کے لیے بھی اور بڑوں کے لیے بھی ایک عظیم الشان قربانی کا سبق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خواب دیکھا تو اس کی تعبیر کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے بڑھاپے کی اولاد اور اکلوتے بچے کو فوراً خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ تو خدا کے نبی تھے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی صفات کو پہچانا ہوا تھا۔ انہوں نے تو دل میں اس قربانی کے لیے کوئی انقباض محسوس نہیں کیا۔ مگر آپ نے سوچا کہ مَیں تو تیار ہوں بیٹے سے بھی پوچھ لینا چاہیے وہ بھی اس کو قربانی کے لیے تیار ہے یا نہیں۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ سے انہوں نے فرمایا فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى خدا کا ایسا حکم ہے تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟

حضرت اسماعیلؑ گو بچہ تھے مگر ان کی تربیت ایسے ماحول میں ہوئی تھی کہ نہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں سوچ لوں اور اس بات کو اگلے سال پر نہیں ڈالا بلکہ کہا یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ (الصافات:103)

یہ کتنا زبردست کارنامہ ہے جو حضرت اسماعیلؑ نے بچپن میں انجام دیا۔ اس طرح بہت سی مثالیں دوسرے انبیاء کے ماننے والوں میں بھی ہمیں ملتی ہیں۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وقت میں دو کمزور بچوں کی یاد آتی ہے جو اصرار کر کے جنگ بدر میں شامل ہوئے اور ابو جہل کو قتل کر دیا۔ اس واقعے کو یاد کر کے اب بھی ہم ان کی جرات اور دلیری پر داد دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہ غیر معمولی کارنامہ سرانجام دیا۔

سامعین! محترم صاحبزادہ صاحب نے اس امر پر بھی زور دیا کہ اگر بچوں نے کھیل کود میں اس عمر کو گزار دیا تو بعد کی زندگی میں انہیں مشکل پیش آئے گی۔ لیکن سکول اور کالج کی زندگی میں اپنے اوپر سختی کرو گے تو بڑی عمر ہنسی خوشی سے گزرے گی۔ اس طرح دنیا کی زندگی میں قربانی کرو کیونکہ موت کے بعد حیات طیبہ نصیب ہوگی اور ابدالآباد کی زندگی کے لیے اس دینوی زندگی میں ہی تیاری کرنی چاہیے۔

یہ زندگی ایک قسم کا امتحان ہے اس کا نتیجہ موت کے بعد نکلے گا جس طرح تم سکول اور کالج میں امتحان کے دن محنت اور سختی سے دن گزارتے ہو مگر نتیجہ نکلنے پر تم کو ایک لمبی خوشی نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح تمہاری زندگی کا حال ہے۔

الٰہی سلسلہ کے بچے فقید المثال ہوتے ہیں۔ آپ لوگ اسلام کے بچے ہیں۔ مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کے بچے ہیں۔ جسمانی لحاظ سے ماں باپ والدین ہیں۔ مگر روحانی لحاظ سے مسیح موعودؑ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ منسوب ہوتے ہیں۔ اگر تم حقیقی احمدی بن جاؤ تو دنیا میں کوئی بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور دنیا ہمیشہ تمہیں یاد رکھے گی۔ یاد رکھو! مسیح موعود کی طرف منسوب ہونا تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ ان کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے سے ہی تم ان کی حقیقی اولاد بن سکتے ہو۔ انسان کی زندگی کو ایسا بنایا گیا ہے کہ اگلے جہان میں بھی عمل کا سلسلہ اور ترقی کا سلسلہ جاری رہے گا۔

آپ نے بچوں کی تربیت سے متعلق بعض امور پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ بچوں کی تربیت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نمونہ ہمارے لیے قابل تقلید ہے۔ آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا جب حضور سے ملنے آتیں تو حضور ان کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا عزت و احترام فرماتے۔ اس لیے کہ سارے ماں باپ اپنے بچوں سے ایسا سلوک کریں ۔ شروع سے ہی بچوں کی عزت واحترام کرنا چاہیے۔ بچوں کو گالم گلوچ نہیں دینا چاہیے بلکہ ان سے محبت سے پیش آنا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ جو والدین بچوں پر سختی کرتے ہیں وہ مشرک ہیں۔ اولاد کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نعمت، سکون اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے۔

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا احمدی بچے بڑے اچھے ہیں۔ ہم نے کئی ملکوں کے بچے دیکھے ہیں مگر احمدی بچوں کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود یہ خواہش ہے کہ ہمارے بچے ابھی اور ترقی کریں۔ صحابہ کی طرح وہ دنیا کے لیے رحمت کی بارش ثابت ہوں۔ آمین

اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین اللھم آمین

ہم احمدی بچے ہیں کچھ کرکے دکھادیں گے
شیطاں کی حکومت کو دنیا سے مٹادیں گے
نکلیں گے زمانے میں ہم شمع ہدیٰ لے کر
ظلمات مٹادیں گے نوروں سے بسا دیں گے
بچہ نہ ہمیں سمجھو جانباز مجاہد ہیں
اسلام کی خاطر ہم جانیں بھی لٹادیں گے

(ماہنامہ تشحیذ الاذہان ربوہ فروری 1965ء صفحہ 5-8)

(کمپوز ڈبائی: عطیۃ العلیم۔ ہالینڈ)

۞۞۞۞

﴿46﴾ ﴿مشاہدات۔163﴾

استغفار نہ کرنے والا بے ادب دہریہ ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (النصر:2-4)

کیا تضرّع اور توبہ سے نہیں ٹلتا عذاب
کس کی یہ تعلیم ہے دِکھلاؤ تم مجھ کو شتاب

آج میری تقریر کا عنوان ہے: **استغفار نہ کرنے والا بے ادب دہریہ ہے**

معزز بھائیو! اسلامی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ ہے جس کو استغفار اور توبہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد بار مومنوں کو اپنی سابقہ غلطیوں پر توبہ واستغفار کرنے اور آئندہ ایسی غلطیوں کو دہرانے سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اور اللہ سے بخشش مانگو۔ (البقرہ:200)

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور صبحوں کے وقت بھی وہ استغفار میں لگے رہتے تھے۔ (الذاریات:19)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنی لغزشوں کی بخشش کے لئے استغفار کرنے کی تلقین فرمائی بلکہ مومنوں کے لئے مغفرت طلب کرنے اوران کے لئے بخشش کی دُعا کرنے کی نصیحت بھی فرمائی۔ جیسے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ (محمد:20)

ترجمہ: اور اپنی لغزش کی بخشش طلب کر۔

پھر فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران:160)

ترجمہ: پس ان سے دَرگزر کر اور ان کے لئے بخشش کی دعا کر۔

کتب احادیث میں بھی استغفار کی بہت زیادہ فضیلت اور تاکید بیان ہوئی ہے۔ بلکہ اس توبہ و استغفار کو اللہ تعالیٰ کے بارہ میں حسنِ ظن کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کوئی آدمی جنگل بیابان میں (کھانے پینے سے لدا) گمشدہ اونٹ کے مل جانے پر خوش ہوتا ہے۔

(بخاری کتاب الدعوات)

معزز بھائیو! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ امتوں میں سے مغفرت کا یہ واقعہ بڑے ذوق وشوق سے صحابہؓ کو سُنا کر استغفار کی جہاں تلقین فرمایا کرتے تھے وہاں اپنے خدا کے رحم اور انسانیت سے پیار کے ذکر پر بھی محظوظ ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی نے 99 قتل کئے۔ آخر اس کے دل میں ندامت پیدا ہوئی۔ اس نے ایک بزرگ عالم سے رابطہ کرکے اس گناہ سے توبہ بارے میں پوچھا۔ جس نے اسے ایک تارک الدنیا زاہد کے بارہ میں بتایا۔ وہ شخص اس کے پاس آیا اور توبہ بارے پوچھا۔ اس نے جواباً کہا کہ اس شخص کی توبہ کیسے قبول ہوسکتی ہے جس نے 99 قتل کئے ہوں۔ اس پر اس شخص نے اس عابد وزاہد کو بھی قتل کرکے اپنی سنچری مکمل کی۔ پھر اسے ندامت ہوئی۔ اسے ایک اور عالم کا پتہ بتایا گیا جس سے اس نے اپنی توبہ بارے سوال کیا۔ اس عالم نے کہا کہ کیوں نہیں توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ تم فلاں ایک بزرگ کے پاس جاؤ۔ وہ عبادت اور خدمتِ دین میں مصروف ہوں گے۔ وہ انسانیت کا قاتل اس بزرگ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ آدھے راستے میں اسے موت نے آلیا۔ تب اس کے بارہ میں رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے۔ رحمت کے فرشتوں نے اسے جنت لے جانے کی کوشش کی کہ اس نے توبہ کرلی تھی اور عذاب کے فرشتے یہ کہتے رہے کہ اس نے نیکی کا کوئی کام نہیں کیا۔ یہ کیسے بخشا جاسکتا

ہے؟ اس پر ایک فرشتہ انسانی صورت میں نمودار ہوا جسے ان دونوں قسم کے فرشتوں نے اپنا ثالث مقرر کر لیا۔

اس نے دونوں کی باتیں سن کر کہا کہ جدھر سے یہ شخص آرہا تھا اور جدھر جارہا تھا دونوں ناپ لیں۔ اگر طے شدہ فاصلہ زیادہ ہے تو جنت کو فرشتے لے جائیں۔ جب ناپا گیا تو منزل مقصود والا فاصلہ چھوٹا پایا گیا اور رحمت کو فرشتے اسے جنت میں لے گئے۔

(مسلم کتاب التوبۃ باب قبول توبۃ)

بلکہ ایک روایت میں ہے کہ طے شدہ فاصلہ کم تھا۔ فرشتوں نے اسے کھینچ کر لمبا کر دیا کیونکہ یہ شخص توبہ کر چکا تھا اور خدا کو صدقِ دل سے کی گئی توبہ بہت پسند ہے۔

انسان غلطیوں کا پُتلا ہے اور روزانہ انجانے میں انسان بیسیوں غلطیاں کر جاتا ہے۔ وہ ان پر توبہ بھی کرتا ہے، استغفار بھی کرتا ہے مگر وہ غلطیاں نہ چاہتے ہوئے بھی دوبارہ سرزد ہو جاتی ہیں۔ مگر خدا غفور و رحیم ہے۔ وہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور بار بار کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی روٹین میں استغفار کو حرزِ جان بنانا چاہئے۔

معزز بھائیو! حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"استغفار کے اصل معانی تو یہ ہیں کہ یہ خواہش کرنا کہ مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو یعنی میں معصوم رہوں اور دوسرے معانی جو اس کے نیچے درجے پر ہیں کہ میرے گناہ کے بدنتائج جو مجھے ملنے ہیں ان سے محفوظ رہوں"

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد اوّل صفحہ 685)

پھر فرمایا:

"روحانی سرسبزی کے محفوظ اور سلامت رہنے کے لئے یا اس سرسبزی کی ترقیات کی غرض سے حقیقی زندگی کے چشمہ سے سلامتی کا پانی مانگنا۔ یہی وہ امر ہے جس کو قرآن کریم دوسرے لفظوں میں استغفار کے نام سے موسوم کرتا ہے۔"

(نور الحق نمبر 1، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 357)

استغفار کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں:

”میرے نزدیک تو استغفار سے بڑھ کر کوئی تعویذ اور کوئی احتیاط و دوا نہیں۔ استغفار بہت پڑھا کرو۔ انسان کے واسطے غموں سے سُبک ہونے کے واسطے یہ طریق ہے۔ استغفار بہت کرو۔ اس سے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اولاد بھی دے دیتا ہے۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد اوّل صفحہ 688)

تمام خلفاء استغفار کی طرف احبابِ جماعت کو توجہ دلاتے رہے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:

”ہر عبادت کے بعد استغفار کا حکم ہے۔ دیکھو! بڑی عبادت سجدہ ہے اور سجدہ کے بعد پڑھا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَارْحَمْنِی وَعَافِنِی۔ ایسا ہی جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو استغفار پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بیان فرمایا کہ جب حج کی عبادت ختم ہونے کے قریب آئے تو استغفار پڑھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس سے اٹھتے تو (70 سے 100 بار) تک استغفار پڑھتے۔“

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 337-338)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اگر تم اللہ تعالیٰ سے یگانگت پیدا کرنا چاہتے ہو اور تمہارے رستہ میں ایسی رکاوٹیں ہیں کہ جن کی وجہ سے خدا تک پہنچنا تمہارے لئے ناممکن ہو گیا ہے تو اُن کو دور کرنے کا یہ طریق ہے کہ پہلے تم اپنے رب سے غفران (یعنی بخشش) مانگو۔ یعنی گناہوں کی وجہ سے جو تمہارے دلوں پر زنگ لگ گئے ہیں اور وہ خدا تک تمہیں نہیں پہنچنے دیتے ان کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اعانت طلب کرو اور اس سے دعائیں کرو کہ وہ تمہارے زنگوں کو دور کر دے۔“

(تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 144)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”استغفار کے صحیح معنی جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے بیان کیے ہیں یہ ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرے کہ اس کی بشری کمزوریوں کو اللہ ڈھانک دے اور دبا دے اور اُبھریں نہ !!! اور ظاہر نہ

ہوں۔ تو ایسا شخص جو اپنی فطرت کو اور اپنے نفس کو پہچانتا ہے اور اس کی فطری کمزوریوں کی معرفت رکھتا ہے وہ شخص تکبر کو جہنم کی جڑ سمجھتا ہے اور جنت اور خدا کی رضا کے حصول کے لیے بے نفسی کی زندگی گزارتا ہے وہ ہر وقت اپنے ربّ کے حضور جھکا رہتا ہے اور ہر آن اُس سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اے میرے ربّ! میرے اندر کوئی کمال نہیں تو میری استعداد کے مطابق مجھے کمال دے۔ میرے اندر کوئی روشنی نہیں لیکن میں روشنی سے محبت رکھتا ہوں تُو نور کے سامان میرے لیے پیدا کر دے میں جاہل ہوں علم کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا لیکن اِس یقین پر قائم ہوں کہ تُو ہر علم کا سرچشمہ ہے اس چشمہ سے مجھے سیر اب کر اور جو شخص جتنا استغفار کو اپنا شعار بناتا چلا جائے وہ اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اور شیطانی حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔"

(خطبات ناصر جلد اوّل، صفحہ 964، خطبہ جمعہ 17 نومبر 1967ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"استغفار کا معنی گناہوں سے بخشش کے معنوں میں بھی آتا ہے جس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عرفان کے نتیجہ میں اس معنی کو پایا اور ہمارے سامنے بیان کیا۔ وہ یہ نہیں ہے کہ محض معافی مانگی جائے بلکہ بخشش طلب کی جائے ایک خاص جذبہ کے ساتھ۔ ایسا جذبہ جو روح کی پنہائیوں تک اثر انداز ہونے والا ہو۔ ایسا جذبہ جو بعض دفعہ جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ ایک ایسا جذبہ جس کے نتیجہ میں انسان کا وجود کانپنے لگے اور اس طرح اس کی بدیاں جھڑ جائیں جس طرح خشک پتے ہوا کے جھونکوں سے جھڑ جایا کرتے ہیں اور اس کی نیکیاں قائم رہیں اور یہ ارادے دل سے بلند ہوں کہ آئندہ میں بدیوں کے قریب نہیں جاؤں گا اور استغفار ان معنوں میں انسان کرے کہ اے اللہ! مجھے بدیوں سے آئندہ محفوظ رکھنا اور میرے پچھلے گناہ معاف فرما دے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے انسان کی بخشش فرما دیتا ہے اور اس لحاظ سے چونکہ وہ مالک ہے اس لیے کوئی گناہ کا درجہ یا مرتبہ اس کی کمیت اور کیفیت خدا کی بخشش کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔"

(خطبات طاہر جلد 3 صفحہ 143)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”**اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی استغفار اور توبہ قبول کرنے والا ہے** بشرطیکہ وہ سچی توبہ ہو، صرف منہ سے الفاظ ہی نہ ادا ہو رہے ہوں۔ قرآن کریم میں اس بات کا مختلف جگہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ سچی توبہ کرنے والوں کو مال و اولاد سے نوازتا ہے (نوح:13)، عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ استغفار کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت جذب کرنے والا بنتا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے استغفار کرنے والوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (النساء:65) وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پاتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ حقیقی استغفار ہو، سچی توبہ ہو۔ ایک حدیث میں آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ **گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔**

جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو گناہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی گناہ کے محرکات اسے بدی کی طرف مائل نہیں کر سکتے اور بدی کے نتائج سے اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرة:223) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! توبہ کی علامت کیا ہے۔ کس طرح پتہ لگے گا صحیح توبہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ندامت اور پشیمانی علامتِ توبہ ہے۔ (کنز العمال جزء 4 صفحہ 261 کتاب التوبۃ حدیث 10428 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1985ء)

پس حقیقی توبہ کرنے والا حقیقی پشیمانی اور ندامت دکھا کر جہاں گناہوں سے پاک ہوتا ہے وہاں اسے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ملتی ہے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کے رحم سے حصہ پاتا ہے۔“

(خطبہ جمعہ 25 اگست 2023ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جب انبیاء کی یہ حالت ہو کہ وہ ہر وقت استغفار کرنے، ہر وقت اپنے رب سے اس کی حفاظت میں رہنے کی دعا کرتے ہیں تو پھر ایک عام آدمی کو کس قدر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس سے جو روزانہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں غلطیاں ہوتی ہیں یا ہو سکتی ہیں ان سے بچنے کے لئے یا ان کے بد اثرات سے بچنے کے لئے استغفار کرے۔ اور اگر پہلے اس طرف توجہ ہو جائے تو بہت سی غلطیوں اور گناہوں سے انسان پہلے ہی بچ سکتا ہے۔ پس اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ ہم اس طرف توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے مومن بندوں کی توبہ قبول کرنے، ان کی بخشش کے سامان پیدا کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ اور قرآن کریم نے بیسیوں جگہ مغفرت کے مضمون کا مختلف پیرایوں میں ذکر کیا ہے، کہیں دعائیں سکھائی گئی ہیں کہ تم یہ دعائیں مانگو تو بہت سی فطری اور بشری کمزوریوں سے بچ جاؤ گے۔ کہیں یہ ترغیب دلائی ہے کہ اس طرح بخشش طلب کرو تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنو گے۔ کہیں بشارت دے رہا ہے، کہیں وعدے کر رہا ہے کہ اس اس طرح میری بخشش طلب کرو تو اس دنیا کے گند سے بچائے جاؤ گے اور میری جنتوں کو حاصل کرنے والے بنو گے۔ کہیں یہ اظہار ہے کہ میں مغفرت طلب کرنے والوں سے محبت کرتا ہوں۔ غرض اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کے پیار، محبت اور مغفرت کے سلوک پر اللہ تعالیٰ کا تمام عمر بھی شکر ادا کرتا رہے تو نہیں کر سکتا۔ ہماری بد قسمتی ہو گی کہ اگر اس کے باوجود بھی ہم اس غفور رحیم خدا کی رحمتوں سے حصہ نہ لے سکیں اور بجائے نیکیوں میں ترقی کرنے کے برائیوں میں دھنستے چلے جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اس کی مغفرت طلب کرتے رہنا چاہئے۔ وہ ہمیشہ ہمیں اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹے رکھے اور ہمیں ہر گناہ سے بچائے اور گزشتہ گناہوں کو بھی معاف فرماتا رہے۔

(خطبہ جمعہ 14، مئی 2004ء)

اسلامی تعلیمات اور کتب میں استغفار اور توبہ کے فضائل اور برکات اور اہمیت سے متعلق بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے۔ ایک مختصر سے مضمون اور آرٹیکل میں ان سب کا بیان تو بہت مشکل ہے۔ یہاں صرف یہ اشارۃً بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اصطلاحات کے استعمال پر مضامین کی جو سیریز خاکسار نے شروع کر رکھی ہے اس کے مطابق اَسْتَغْفِرُاللہ کو بھی ایک اسلامی اصطلاح بتا کر بار بار پڑھنے اور اپنی زندگی کا

اسے حصّہ بنانے کی طرف ترغیب دلانا مقصود ہوتا ہے۔ بلاشبہ استغفار گناہوں کے مٹانے کا باعث بنتاہے اور جب گناہ بھسم، بند ہو جائیں تو پھر انسان بے شمار برکات وفیوض کا وارث ٹھہرتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن واحادیث میں مختلف اذکار کا ذکر ملتا ہے۔ اگر استغفار پڑھا جائے تو کیا دیگر اذکار کونہ پڑھا جائے؟ یا کم پڑھا جائے؟ اس پر تو کوئی بحث نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں بیان تمام اذکار کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ہے اور اس کی برکات بھی انسان کو ملنے والی ہیں، ان اذکار کو ایسے ہی کہا جاسکتاہے کہ انسان مختلف خوشبوؤں والے صابن یا لوشن سے نہاتاہے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنتاہے، پھر ان پر پرفیوم بھی لگادیتاہے تو روحانی غسل کے لئے یہ تمام اذکار انسان کو صاف ستھرا بنانے کے لئے ہیں۔

احادیث اور کتب سلفیہ میں استغفار کے لئے مختلف الفاظ مذکور ہیں۔ اس موقع پر ایک ایسا استغفار دیا جارہا ہے جس کے ساتھ ایسے الفاظ ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں تمام دنیا اور دوسرے میں یہ الفاظ رکھ دیئے جائیں تو یہ پلڑ ابھاری ہو گا۔

تُو تو خود واقف ہے میرے حال کا
میرے مولا میں کسی قابل نہیں
کیا نہ رحم آئے گا تیرا جوش میں؟
کیا پُکاریں اپنی جائیں گی یُوں نہیں
مَغْفِرت اے میرے مالک مَغْفِرت
المدد! اے میرے خیرُ النَّاصِرِیں
میرے اِن الفاظ میں تاثیر ڈال
اور اجابت سے انہیں کر دے قَرِیں

معزز سامعین! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ فرمایا کرتے تھے:

”سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَأَتُوْبُ إِلَیْہِ۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپؐ کو دیکھتی ہوں کہ آپؐ بکثرت کہتے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَأَتُوْبُ إِلَیْہِ۔ تو آپؐ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں جلدی ہی اپنی امت میں ایک نشانی دیکھوں گا اور جب میں اس کو دیکھ لوں تو بکثرت کہوں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَأَتُوْبُ إِلَیْہِ تو (وہ نشانی) میں دیکھ چکا ہوں۔ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ فتح مکہ۔ وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِی دِینِ اللّٰہِ أَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْہُ إِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا جب اللہ کی نصرت اور فتح آ پہنچے (یعنی فتح مکہ) اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور اس سے بخشش طلب کریں بلاشبہ وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔“

(صحیح مسلم)

جون 2012ء میں دورہ امریکہ کے دوران ایک طالبہ نے حضرت خلیفہ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے پریشانیوں کے ازالہ کے حوالہ سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

”سوسائٹی میں، اپنے گھر میں، اپنے سسرال والوں کے ساتھ اور اپنے ماحول میں جو بھی بے چینیاں اور پریشانیاں پیدا ہوں وہ استغفار کرنے اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھنے سے دور کی جاسکتی ہیں۔“

(الفضل انٹرنیشنل 17۔ اگست 2012ء)

آج دنیا جس تکلیف دہ، مہلک و متعدی بیماری (وائرس) سے گزر رہی ہے، ہزاروں کی تعداد میں ہلاکتیں ہو چکی ہیں اور اس کے مستقبل کے بارہ میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ان حالات میں ہم مومنوں کا فرض ہے کہ ہم خود اپنے لئے بھی استغفار کریں، امّت مسلمہ کے لئے بھی استغفار کریں اور دنیا میں بسنے والے دیگر انسانوں کی حفاظت، صحت کے لئے دُعا گو رہیں کیونکہ یہ خدا کا کنبہ ہے اور ہم اس کا حصّہ ہیں۔ ہمیں اللہ کے کنبہ (خاندان) کے ہر فرد کے لئے دعا اور استغفار کرنا اپنے اوپر فرض کر لینا چاہئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مؤمنوں کو انتباہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو شخص انسان ہو کر استغفار کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بے ادب دہریہ ہے۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 217)

اب دیکھیں استغفار نہ کرنے والا گستاخ اور متکبر تو ہے ہی آپؑ نے اِسے صرف دہریہ نہیں کہا بلکہ بے ادب دہریہ یعنی گستاخ اور پرلے درجے کا متکبر دہریہ کہا ہے جو اپنے خالق کے حوالے سے کبھی بھی سچے بول نہ کہے بلکہ ہمیشہ بکواسیات بکتا رہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا بھر کی انسانیت کو ہر تکلیف اور مصیبت سے محفوظ فرمائے اور ہمیں باقاعدگی سے استغفار کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین

کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت
دکھاؤ جلد تر صدق و انابت

۞۞۞۞

﴿47﴾ ﴿مشاہدات۔ 761﴾

والدین کے تقویٰ کے اولاد پر اثرات

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مومنوں کو یہ دعا سکھائی ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:75)

کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے جیون ساتھیوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنادے۔

نکلیں تمہاری گود سے پل کر وہ حق پرست
ہاتھوں سے جن کی دین کو نصرت نصیب ہو

معزز سامعین! مجھے آج اِس محفل میں "**والدین کے تقویٰ کے اولاد پر اثرات**" پر گفتگو کرنی ہے۔

تربیتِ اولاد کی ضرورت واہمیت جہاں قرآن وحدیث سے بہت واضح طور پر ثابت ہے وہاں ہر زمانے اور وقت میں اِس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عربی زبان کا محاورہ ہے۔

تَهْذِيْبُ الْاَطْفَالِ خَيْرُ الْاَشْغَالِ

یعنی بچوں کی تربیت وتہذیب سب کاموں سے اہم اور بہتر فریضہ ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ متلوّ کی گئی آیت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک بندے ہمیشہ اپنی آئندہ نسل کی دینی ودنیاوی ترقیات کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ نورِ ایمان جو اُن کے دلوں میں پایا جاتا ہے صرف اُن کی ذات تک محدود نہ رہے بلکہ قیامت تک چلتا چلا جائے... ہر مومن کا کام ہے اور اُس کا فرض ہے کہ جہاں وہ اپنی اولاد کی نیک تربیت سے کبھی غافل نہ ہو وہاں وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتا رہے۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 595-596)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

(صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن)

کہ تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اُس کی ذمہ داری اور رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

والدین کی رعیت اُن کی اولاد ہے۔ جن کی تعلیم و تربیت ایک مذہبی فریضہ کے طور پر اُن کے ذمہ ہے۔ جس کے بارے میں ہم سب اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ اس جہادِ اکبر کی طرف اگر ہم نے خصوصی توجہ نہ دی یا غفلت سے کام لیا تو نہ صرف اپنا نقصان کریں گے بلکہ اسلام احمدیت کے مقاصد کو نقصان پہنچانے والے ہوں گے۔ آج کے ترقی یافتہ دَور میں جہاں ہمارے لئے ان گنت آسائشیں اور سہولتیں ہیں وہاں بے شمار مسائل بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ قریباً تمام مذاہب میں دجال اور یاجوج ماجوج کے فتنہ سے ڈرایا گیا ہے؟

معاشرہ میں بے چینی، انسانی رشتوں اور تعلقات کی پامالی، مذہب سے دوری، مثبت اور تعمیری اقدار سے فرار جیسے ماحول میں اولاد کی نیک تربیت کرنا غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ دراصل زمانہ قدیم میں رابطہ کے ذرائع محدود تھے اس لئے بدیوں اور گناہوں کی حدود علاقائی تھیں دوسرے بُرائی کو بُرائی سمجھا جاتا اور بُرائیوں میں اپنے آپ کو ڈبوئے رکھنا باعث افتخار خیال نہیں کیا جاتا تھا مگر اِس دجالی فتنہ کے زمانہ میں الیکٹرانک میڈیا اور نشر و اشاعت کے ذرائع ایسی صورت اختیار کر چکے ہیں کہ ہر قسم کی بدی اور بُرائی کی تشہیر چند منٹوں میں تمام دنیا میں ہو جاتی ہے۔ عصرِ حاضر کے ان مسائل کا حل کارخانۂ قدرت کے خالق نے اپنے پاک کلام قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: 101)

کہ اے عقلمندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم بامراد ہو جاؤ۔

سامعین! ہمارے بزرگان نے اِس پاک تعلیم کی روشنی میں تقویٰ کی باریک راہوں پر گامزن رہ کر ہماری روحانی زندگیوں میں لَو دینے والے چراغ روشن کئے۔ ہم اپنے ذَوق اور حالات کے مطابق اس تعلیم سے

فائدہ اٹھا کر تربیتِ اولاد کا فرض ایسے رنگ میں ادا کر سکتے ہیں کہ مخلوق تو کیا خالق کی بارگاہ میں بھی سرخ رُو ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”صالح آدمی کا اثر اس کی ذریت پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اِس سے فائدہ اٹھاتی ہے... حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا ہے کہ مَیں بچہ تھا بوڑھا ہوا مَیں نے کسی خدا پرست کو ذلیل حالت میں نہیں دیکھا اور نہ اُس کے لڑکوں کو دیکھا کہ وہ ٹکڑے مانگتے ہوں۔ گویا متقی کی اولاد کا بھی خدا تعالیٰ ذمہ دار ہوتا ہے، لیکن حدیث میں آیا ہے ظالم اپنے اہل وعیال پر بھی ظلم کرتا ہے کیونکہ ان پر اس کا بد اثر پڑتا ہے۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 117۔118)

پھر فرمایا۔

”اگر تم اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیز گار بن جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کو راضی کر لو گے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے گا۔ قرآن شریف میں خِضر اور موسیٰ علیہما السلام کا قصہ درج ہے کہ اِن دونوں نے مل کر ایک دیوار کو بنا دیا جو یتیم بچوں کی تھی۔ وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا ان کا والد صالح تھا... اللہ تعالیٰ تو کئی پُشت تک رعایت رکھتا ہے۔ پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اِس کو متقی اور دیندار بنانے کی سعی اور دعا کرو جس قدر کوشش تم اِن کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اُسی قدر کوشش اِس امر میں کرو۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 444-445)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

”نیک کاموں کا نتیجہ بھی تم کو نیک ملے گا اور تمہاری اولاد کو بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ نیک کی اولاد کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 754)

یقیناً جس قدر انسان ذاتی طور پر اصلاح یافتہ، نیک فطرت، متقی اور دعا گو ہو گا اُسی قدر اللہ تعالیٰ اُس کی اولاد اور نسل میں نیکی و تقویٰ کو جاری رکھے گا۔ اِلّا ما شاء اللہ۔ اِس سلسلہ میں ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال بڑی واضح ہے کہ آپ کے دو بیٹوں ایک پوتے اور ایک پڑپوتے کو مقامِ نبوت سے

نوازا گیا جبکہ آپؑ کی نسل سے روحانی اماموں اور سرداروں کی تعداد تو بارہ تک پہنچتی ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتی نیکی اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسل سے بھی بارہ آئمہ مطہّرین پیدا فرمائے۔ یہ کیسا اعلیٰ ایمان تھا، کیسی اعلیٰ تربیت اور دعائیں تھیں کہ جن کا اثر بارہ پشتوں تک ظاہر ہوتا رہا۔ اس دورِ آخرین میں یہ نظارہ ہمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تربیت اور دعاؤں میں دیکھنے کو ملاہے کہ آپ کا ایک بیٹا، دو پوتے اور ایک پڑپوتا مقامِ خلافت سے نوازے جاچکے ہیں۔ الحمدُ لِلّٰہِ علیٰ ذٰلك۔

سامعین! یہاں مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کے حق میں دردمندانہ دعائیں اور التجائیں آپ حاضرین کے سامنے رکھنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے طفیل خاندان حضرت مسیح موعودؑ کو وہ انعام ملا جس کا ذکر مَیں اوپر کر آیا ہوں۔

آپؑ فرماتے ہیں۔

حمد و ثناء اُسی کو جو ذاتِ جاودانی
ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ان پہ ہو تیری رحمت
شیطاں سے دُور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پُرز نُور رکھیو دل پُرسرور رکھیو
اہلِ وقار ہوویں‘ فخر دیار ہوویں
حق پر نثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں
با برگ و بار ہوویں اک سے ہزار ہوویں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی
نجات ان کو عطا کر گندگی سے
برأت ان کو عطا کر بندگی سے

رہیں خوشحال اور فرخندگی سے
بچانا اے خُدا بد زندگی سے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں اور نیکی پر قائم رہنے والوں کی اولاد در اولاد اور نسلوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے اور انہیں نوازتا ہے بشرطیکہ وہ اولاد اور نسل بھی نیکی پر قائم رہنے والی ہو... حضرت مصلح موعودؓ، حضرت مسیح موعودؑ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ سے مَیں نے ایک واقعہ سنا ہوا ہے کہ ہارون رشید نے امام موسیٰ رضا کو کسی وجہ سے قید کر دیا اور اِن کے ہاتھ اور پاؤں میں رسیاں باندھ دیں... ہارون رشید اپنے محل میں... سویا ہوا تھا کہ اُس نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر غضب کے آثار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہارون رشید! تم ہم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو مگر تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم آرام دِہ گدیلوں پر گہری نیند سو رہے ہو اور ہمارا بچہ شدتِ گرما میں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے قید خانے کے اندر پڑا ہے۔ یہ نظارہ دیکھ کر ہارون رشید بیتاب ہو کر اٹھ بیٹھا اور اپنے کمانڈروں کو ساتھ لے کر اُسی جیل خانے میں گیا اور اپنے ہاتھ سے امام موسیٰ رضا کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسّیاں کھولیں۔ انہوں نے ہارون رشید سے کہا کہ آپ تو میرے اتنے مخالف تھے۔ اب کیا بات ہوئی ہے کہ خود چل کر یہاں آ گئے۔ ہارون رشید نے اپنا خواب سنایا اور کہا مَیں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ مَیں اصل حقیقت کو نہ جانتا تھا... حضرت مسیح موعودؑ نے ایک جگہ ایک ولی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جہاز میں سوار تھا سمندر میں طوفان آ گیا۔ قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جاتا۔ اس کی دعا سے بچالیا گیا اور دعا کے وقت اُس بزرگ کو الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچالیا۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھو! یہ باتیں نری زبانی جمع خرچ سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ نیکیوں کو جاری رکھنا پڑتا ہے جو اپنے آباء کی نیکیاں ہیں۔ پس نیکوں کی نسل ہونا، ولیوں کی نسل ہونا، بزرگوں کی نسل ہونا بھی اُسی وقت فائدہ دیتا ہے جب خود بھی نیکیوں پر انسان قائم ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو۔"

(خطبہ جمعہ 15 جنوری 2016ء)

بابِ رحمت خود بخود تم پہ وا ہو جائے گا
جب تمہارا قادر مطلق خدا ہو جائے گا

سامعین! علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایک روز رات کو حضرت عمرؓ مدینہ کا گشت لگا رہے تھے کہ ایک دیوار کے نیچے تھک کر بیٹھ گئے۔ گھر کے اندر ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ اُٹھ کر دودھ میں پانی ملادے۔ لیکن لڑکی نے کہا کہ "امیر المومنین نے منادی کرادی ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے" ماں نے کہا کہ "اِس وقت عمر اور عمر کے منادی دیکھ نہیں سکتے تم دودھ میں پانی ملادو"۔ اُس نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا کہ مَیں مجمع میں امیر المومنین کی اطاعت کروں اور خلوت میں اُن کی نافرمانی کا داغ اپنے دامن پر لگاؤں" حضرت عمرؓ نے یہ تمام گفتگو سن لی... صبح ہوئی... تو معلوم ہوا کہ لڑکی کنواری اور ماں بیوہ ہے۔ اب حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکوں کو جمع کیا اور کہا کہ "مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو مَیں خود اس لڑکی سے نکاح کر لیتا۔ لیکن تم میں جو پسند کرے مَیں اِس سے اس کا نکاح کر سکتا ہوں۔ عبداللہ اور عبدالرحمان کی بیویاں موجود تھیں۔ البتہ عاصم کو نکاح کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اس سے عقد کر لیا۔ اُسی لڑکی سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ماں امِّ عاصم پیدا ہوئیں۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ 11 از عبدالسلام ندوی)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بنو امیہ کے آٹھویں حکمران تھے۔ اپنی عمدہ و پاکیزہ سیرت اور راست روی و پاک دامنی کے باعث مؤرخین کے ہاں خلفائے راشدین میں شمار کئے جاتے ہیں۔

عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ
مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی صحابیِ حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ سے جو حضور کے خسر تھے دریافت کیا کہ یہ مقام جو آپ کو حاصل ہوا اس میں کیا راز ہے۔ حضرت میر صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا: "میرے ہاں جب یہ بلند اقبال لڑکی پیدا ہوئی اُس وقت میرا دل

مرغِ مذبوح کی طرح تڑپا اور مَیں پانی کی طرح بہہ کر آستانہ الٰہی پر گر گیا۔ مَیں نے اُس وقت بہت درد اور سوز سے دعائیں کیں کہ اے خدا! تُو ہی اِس کے سب کام بنائیو۔ معلوم نہیں اُس وقت کیسا قبولیت کا وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ اِس بیٹی کے صدقے میں مجھے یہاں لے آیا"۔ دیکھئے ایک صالح متقی اور درد مند باپ کی بیٹی کے پیدائش کے وقت کی دعا کس شان سے مقبول ہوئی اور بیٹی کیا درجہ دین و دنیا میں پا گئی۔

(الفضل ربوہ 26 اگست 1989ء)

ایک دفعہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے حضرت حکیم مولوی نورالدینؓ سے فرمایا:

"اصل بات تو اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کی ہے۔ لیکن جب سے میری یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے مَیں نے کوئی نماز ایسی ادا نہیں کی جس میں اس کے لئے دعا نہ کی ہو کہ اے اللہ! تیرے نزدیک جو شخص سب سے زیادہ موزوں و مناسب ہو اس کے ساتھ اس کا عقد ہو جائے۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ سن کر فرمایا بس مَیں سمجھ گیا یہ کسی وقت کی دعا ہی ہے جس کا تیر نشانے پر لگا ہے۔"

(حیات نور صفحہ 198)

حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجزِ بَشَر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں۔

"میری والدہ کو قرآن کریم پڑھانے کا بڑا ہی شوق تھا انہوں نے تیرہ سال کی عمر سے قرآن کریم پڑھانا شروع کیا چنانچہ اِن کا یہ اثر ہے کہ ہم بھائیوں کو قرآن شریف سے بڑا ہی شوق رہا ہے۔"

(مرقاۃ الیقین صفحہ 174)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ مزید فرماتے ہیں۔

"میری ماں اللہ اسے جنت میں بڑے بڑے درجات عطا کرے بہت سارے بچوں کی ماں تھیں مگر وہ کبھی نماز قضاء نہ کرتیں۔ ایک چادر پاک صاف صرف اس لئے رکھی ہوئی تھی کہ نماز کے وقت اُسے اوڑھ

لیتیں نماز پڑھ کر معًا کھونٹی پر لٹکا دیتیں۔ فرقانِ حمید کا پڑھنا کبھی قضاء نہ کیا بلکہ مَیں نے اپنی ماں کی گود میں قرآن سنا اور پھر ان سے ہی پڑھا۔"

(حیات نور صفحہ 9)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کی والدہ کا نمونہ کہ آپ کو کس طرح شرک سے نفرت تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ کے بچے اکثر وفات پا جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا ایک بچہ بیمار ہوا۔ بچے کا علاج کیا گیا۔ ایک آدمی تعویذ دے گیا اور ایک عورت نے یہ تعویذ بچے کے گلے میں ڈالنا چاہا۔ لیکن بچے کی والدہ نے تعویذ چھین کر آگ میں پھینک دیا اور کہا کہ میرا بھروسہ اپنے خالق و مالک پر ہے۔ مَیں ان تعویذوں کو کوئی وقعت نہیں دوں گی۔ بچہ دو ماہ کا ہوا تو وہی جے دیوی ملنے کے لئے آئی اور بچے کو پیار کیا اور آپ سے کچھ کپڑے وغیرہ اس رنگ میں طلب کیے گویا یہ چیزیں ظفر پر سے بلا ٹالنے کے لئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تم ایک مسکین بیوہ عورت ہو۔ اگر تم صدقہ یا خیرات کے طور پر کچھ طلب کرو تو مَیں خوشی سے اپنی توفیق کے مطابق تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن مَیں چڑیلوں اور ڈائنوں کی ماننے والی نہیں۔ مَیں صرف اللہ تعالیٰ کو موت اور حیات کا مالک مانتی ہوں اور کسی اَور کا اِن معاملات میں کوئی اختیار تسلیم نہیں کرتی۔ ایسی باتوں کو مَیں شرک سمجھتی ہوں اور ان سے نفرت کرتی ہوں اس لئے اِس بنا پر مَیں تمہیں کچھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جے دیوی نے جواب میں کہا کہ اچھا! تم سوچ لو اگر بچے کی زندگی چاہتی ہو تو میرا سوال تمہیں پورا ہی کرنا پڑے گا۔ چند دن بعد آپ ظفر کو غسل دے رہی تھیں کہ پھر جے دیوی آگئی اور بچے کی طرف اشارہ کرکے دریافت کیا: اچھا یہی سا ہی راجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا: "ہاں یہی ہے"۔ جے دیوی نے پھر وہی اشیاء طلب کیں۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے موقع پر دیا تھا۔ اس پر جے دیوی نے کچھ برہم ہو کر کہا: "اچھا! اگر بچے کو زندہ لے کر گھر لوٹیں تو سمجھ لینا کہ مَیں جھوٹ کہتی تھی"۔ آپ نے جواب دیا: "جیسے خدا کی مرضی ہو گی وہی ہو گا"۔ ابھی جے دیوی مکان کی ڈیوڑھی تک بھی نہ پہنچی ہو گی کہ غسل کے درمیان ہی ظفر کو خون کی قے ہوئی اور خون ہی کی اجابت ہو گئی۔ چند منٹوں میں بچے کی حالت دگرگوں ہو گئی اور چند گھنٹوں کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی یا اللہ!

تُونے ہی دیا تھا اور تُونے ہی لے لیا۔ مَیں تیری رضا پر شاکر ہوں۔ اب تُو ہی مجھے صبر عطا کر۔ اس کے بعد خالی گود ڈسکہ واپس آ گئیں۔

(اصحاب احمد جلد 11 صفحہ 15-16)

دیکھیں! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کتنے انعامات سے نوازا اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خانؓ جیسا بیٹا انہیں دیا جس نے بڑی لمبی عمر بھی پائی اور دنیا میں ایک نام بھی پیدا کیا۔

یہ کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

سامعین! چوہدری محمد حسین صاحب والد محترم ڈاکٹر عبد السلام صاحب ایک دعا گو اور تقویٰ کی راہوں پر چلنے والے بزرگ تھے۔ چوہدری محمد حسین صاحب کے والد میاں گل محمدؒ قرآنِ کریم کے بڑے اچھے عالم تھے... والدہ محترمہ تہجد گزار عورت تھیں۔

"چوہدری محمد حسین صاحب 3 جون 1925 کو احمدیہ مسجد جھنگ میں مغرب کی سنتیں ادا کرتے ہوئے قیام کی حالت میں قرآنِ کریم کی یہ دعا کر رہے تھے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان: 75) کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے جیون ساتھیوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔ اس دوران اُن پر کشفی حالت طاری ہوئی اور ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک معصوم بچہ تھا۔ فرشتے نے وہ بچہ چوہدری مُحمّد حسین صاحب کو پکڑایا اور کہا کہ اللہ کریم نے آپ کو بیٹا عطا فرمایا ہے۔ انہوں نے اس بچے کا نام پوچھا تو آواز آئی "عبد السلام"۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے زبردست بشارت تھی۔ چوہدری صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا اور ایک خط لکھ کر اپنی بیوی کو اس کشف سے آگاہ کیا۔ خدائی بشارتوں کے مطابق یہ بچہ جنوری 1926ء جمعہ کے روز پیدا ہوا۔

(پہلا احمدی مسلمان سائنسدان عبد السلام تصنیف محمود مجیب اصغر صفحہ 3-4)

ربِّ کریم نے ایک والد کی دعاؤں کو قبول فرما کر جو بچہ عنایت فرمایا تھا۔ اُسے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں بہت کامیابیاں ملیں اور یہ بچہ دنیا کا ایک نامور سائنسدان بنا چنانچہ 1979ء میں انہیں فزکس کے شعبہ میں نمایاں کام کرنے پر دو امریکی سائنسدانوں کے ساتھ نوبل پرائز ملا۔

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا بہت بڑے اعزاز اور انعام کی بات ہے۔ بزرگانِ اُمت نے تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے ہمارے لئے جو نقوش چھوڑے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اُنہیں مشعلِ راہ بنا کر تقویٰ کی مشعلیں روشن رکھیں تا کہ نیکی اور تقویٰ کا یہ سفر ہمیشہ جاری و ساری رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

۞۞۞۞

﴿48﴾ ﴿مشاہدات۔645﴾

خیالات کی ہجرت

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء:101)

معزز سامعین! جماعتِ احمدیہ عالمگیر کی ایک معروف ادیب اور شاعرہ کا منظوم کلام بعنوان خیالات کی ہجرت گزشتہ دنوں نظر سے گزرا جس کے آخری تین اشعار یہ تھے۔

تیرے ہونٹوں سے سُنتی ہوں جو مَیں نے سوچا
دل سے دل تک یہ خیالات کی ہجرت دیکھی
آج اِس بحرِ محبت میں تلاطم سا تھا
مَیں نے اک اَور ہی انداز میں چاہت دیکھی
غَیر سَو طرح کے محفوظ حِصاروں میں جلے
ہم نے تو مکڑی کے جالے سے حفاظت دیکھی

سامعین! شاعرہ نے اِن اشعار میں بہت سے مضامین بیان کر دئے ہیں جن پر بہت کچھ لکھا اور بولا جا سکتا ہے لیکن آج مجھے اِس وقت صرف "خیالات کی ہجرت" پر آپ حاضرین سے گفتگو کرنا ہے جسے ہم ایک روحانی ہجرت کا نام بھی دے سکتے۔ جو شر سے خیر کی طرف۔ بدی سے نیکی کی طرف۔ بُرائی سے اچھائی کی طرف۔ نفرت سے محبت کی طرف اور نفاق سے اتفاق کی طرف مسلسل سفر کرنے، لگا تار بغیر کسی انقطاع کے روحانی پرواز کا نام ہے۔ بلکہ ایک مومن کی نیکی، تقویٰ، اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی طرف قدم، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، خلافت سے وابستگی میں ترقی بھی خیالات کی ہجرت ہے۔ ویسے تو عُرفِ عام میں ہجرت ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے کا نام ہے، ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل

ہو جانے کا نام ہے، ایک ملک اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک اور وطن میں آباد ہو جانے کا نام ہے۔ لیکن آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور ہجرت کا ذکر بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو تمام ظاہری و باطنی بُرائیوں سے دور رہے (الحدیث)

اس روحانی ہجرت و پرواز اور خیالات کی ہجرت کا ذکر ہمیں قرآن و احادیث کے علاوہ بزرگوں کی کتب میں بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (الذاریات: 51) پس تیزی سے اللہ کی طرف دوڑو۔

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے اِس ہجرت کی فضیلت اور برکت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے جس کی تلاوت مَیں اپنی تقریر کے آغاز پر کر آیا ہوں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں (دشمن کو) نامراد کرنے کے بہت سے مواقع اور فراخی پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلتا ہے پھر اس حالت میں موت آجاتی ہے۔ تو اس کا اجر اللہ پر فرض ہے۔"

اس آیت کے مطابق ہر مومن ہر وقت مہاجر ہے جو اللہ کی طرف روحانی ہجرت کر رہا ہے اور لقائے باری تعالیٰ کے حصول اور اس کی خاطر سعی کرتے ہوئے نیکیاں بجالاتے ہوئے اس کو قضاو قدر آلیتی ہے اور وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اس ناطے اس کا اجر اللہ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی بار مومنوں کی ایک صفت بیان کر کے اس کے اجر کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسے سورہ البقرہ آیت 219 اور سورہ التوبہ آیت 203 میں فرمایا کہ

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ وہ اللہ کے نزدیک درجے کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔"

اب اس آیت میں اور دیگر اس جیسی آیاتِ کریمہ میں ہجرت اور جہاد کا ذکر ہے اور اگر صرف مادی ہجرت اور جہاد کا مطلب لے لیا جائے تو وہ ہر مومن کو میسر نہیں آتی اور یوں وہ اس اجر اور ثواب سے محروم رہ جائے گا جن کا ان آیات میں ذکر ہے۔ یہاں روحانی معنی ہی لینے ہوں گے کہ ایسے مومن جو ہر وقت

لقائے باری تعالیٰ کا سفر جاری رکھتے ہیں۔ بدیوں کے ڈیرے چھوڑ کر نیکیوں کے علاقے میں آنے کے لئے ہجرت کر رہے ہیں اور احکاماتِ الٰہیہ پر اموال و نفوس کی قربانی کر کے ان پر قدم مارنے کے لئے ہر وقت مجاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا خدا کے نزدیک بلند درجہ ہے اور وہ کامیاب ہونے والے ہیں۔

سامعین! احادیثِ مبارکہ میں بھی اس روحانی اور خیالات کی ہجرت کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ کون سی ہجرت افضل ہے تو آپؐ نے فرمایا مَنْ ھَجَرَ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ کہ جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کو چھوڑ دینا۔

(سنن ابوداؤد جلد اول کتاب الصلوٰۃ)

ایک اَور موقع پر ہجرت کے بارے یہی سوال جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا کہ کون سی ہجرت افضل ہے تو فرمایا: اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ کہ ان چیزوں کو ترک کرنا جو تیرے رب کو ناپسند ہیں۔ نیز فرمایا ہجرت دو قسم کی ہے ایک حاضر کی اور دوسری مسافر کی یعنی دور رہنے والے کی اور دور رہنے والے کی ہجرت یہ ہے کہ جب اُسے بلایا جائے تو لبیک کہے اور جب کوئی حکم دیا جائے تو فوراً اطاعت کرے اور حاضر کی ہجرت بہت بڑی آزمائش ہے اور اجر کے لحاظ سے بھی افضل ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 160)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اَلْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ السُّوْءَ فَاجْتَنِبَہٗ کہ جس نے بُرائیوں سے ہجرت کی اور ان سے مجتنب رہا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 215)

پھر روایت ہے کہ ایک اعرابی نے ہجرت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ جب مَیں کسی جگہ یا قوم یا جہاں کہیں بھی ہوں یا موت کے بعد آپ کی طرف ہجرت کس طرح ہو تو فرمایا کہ "ہجرت یہ ہے کہ تُو تمام ظاہری و باطنی فواحش یعنی بُرائیوں سے دُور رہے یا کنارہ کشی اختیار کرے (اَنْ تَھْجُرَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ وَ مَا بَطَنَ) اور نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے۔ پھر تم مہاجر ہو خواہ تم اس حالت میں مر بھی جاؤ۔"

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 226)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے یہ روایت یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک اعرابی کے ہجرت کے بارے میں پوچھنے پر فرمایا کہ

”ہجرت کا مقام تو بہت عظیم ہے۔ کیا تیرے پاس اونٹ ہے؟ اس نے کہا ہاں جی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ان کی زکوٰۃ دیتے ہو؟ جواب دیا ہاں جی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ سمندروں سے ورے تو کوئی بھی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں سے کوئی بھی کمی نہیں کرے گا۔ یعنی ہجرت صرف ملک چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ نیکیوں کو اختیار کرنا اور بُرائیوں سے بچنا اصل ہجرت ہے۔“

(سنن ابو داؤد کتاب الجہاد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ کے ساتھ مزید فرمایا کہ ”جس شخص نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر ہجرت کی اس کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن اور خواہشات کو ترک کر دیا تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہوگی۔“

(بخاری کتاب الایمان باب النیۃ فی الایمان)

اس حدیث میں بھی خواہشات اور جذبات اور خیالات کی قربانی کر کے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اعمال میں نمونہ بنانے اور مقدم رکھنے کی ہدایت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”ہجرت کبھی ختم نہ ہوگی جب تک کہ توبہ ختم نہ ہو اور یہ نہ ختم ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔“

(سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب الھجرۃ)

اس ارشاد نبویؐ میں دراصل امام مہدی کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح موعودؑ کے وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے دوسرے لفظوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور قرآن میں بیان فرمودہ احکامات پر تعمیل کا روحانی سفر اور ہجرت جاری ہے۔ توبہ کے ذریعہ روحانی ہجرت کی وجہ سے ایک مومن کا جو نیا جنم ہوتا ہے اور نئی پیدائش ہوتی ہے۔

اس کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

"جب تم بیعت کرتے ہو تو یاد رکھو ایک وطن کو چھوڑتے ہو اور اسی کا حقیقی نام توبہ ہے اور رجوع اس وطن کو چھوڑ کر دوسرے وطن کی طرف ہجرت کا نام ہے۔"

بیعتِ توبہ اور ہجرت کے تعلق کو ایک موقع پر آپؑ نے یوں بیان فرمایا۔

"اسی طرح بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں۔ توبہ اس حالت کا نام ہے کہ انسان اپنے معاصی سے جن سے اس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں اور اس نے اپنا وطن انہیں مقرر کر لیا ہوا ہے گویا کہ گناہ میں اس نے بود و باش مقرر کر لی ہوئی ہے۔ اُس وطن کو چھوڑنا اور رجوع کے معنی پاکیزگی اختیار کرنا۔ اب وطن کو چھوڑنا بڑا گراں گزرتا ہے اور ہزاروں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ ایک گھر جب انسان چھوڑتا ہے تو کس قدر اُسے تکلیف ہوتی ہے اور وطن کو چھوڑنے میں تو اس کو سب یار دوستوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے اور سب چیزوں کو مثل چارپائی، فرش وہمسائے، وہ گلیاں کوچے، بازار سب چھوڑ کر ایک نئے ملک میں جانا پڑتا ہے یعنی اس (سابقہ) وطن میں کبھی نہیں آتا۔ اس کا نام توبہ ہے۔ معصیت کے دوست اور ہوتے ہیں اور تقویٰ کے دوست اور، اس تبدیلی کو صوفیاء نے موت کہا ہے۔" ایک موقع پر رَبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ کے ترجمہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "خدایا! پاک زمین میں مجھے جگہ دے۔ یہ ایک روحانی طور کی ہجرت ہے۔"

(روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 26)

اعمال صالحہ سے ہجرت کر کے اپنے گرد جمع ہونے والوں کو "اصحابُ الصفہ" قرار دیتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

"یاد رکھ کہ وہ زمانہ آتا ہے کہ لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کریں گے۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تُو اُن سے بد خُلقی نہ کرے اور تجھے لازم ہے کہ تو اُن کی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جائے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آ کر آباد ہوں گے۔ وہی ہیں جو خدا کے نزدیک اصحابُ الصفہ کہلاتے ہیں اور تو جانتا ہے کہ وہ کس شان اور کس ایمان کے لوگ ہوں گے جو **اصحاب الصفہ** کے نام سے موسوم ہیں وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔ تو دیکھے گا کہ اُن کی آنکھوں سے

آنسو جاری ہوں گے وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا! ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے۔ سو ہم ایمان لائے“

(روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 72)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر آنے والی گھڑی کو گزشتہ گزری ہوئی گھڑی سے بہتر قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ:5)

اس آیت میں اسی روحانی سفر کا ذکر ہے جو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بڑی تیزی سے فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے احباب جماعت کو کئی دفعہ اس روحانی ہجرت کی طرف بلایا۔ ایک موقع پر مادی اور روحانی ہجرت میں اس فرق کو واضح فرمایا کہ مادی ہجرت میں بسا اوقات انسان اپنے وطن یا شہر میں واپس لوٹ آتا ہے لیکن روحانی ہجرت تو مسلسل نیکی کے میدان میں آگے بڑھنے کا نام ہے۔ یہ موت چاہتی ہے اور موت کے بعد انسان واپس نہیں آیا کرتا۔ حضورؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مَیں پہاڑ پر چڑھ رہا ہوں اور جب پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہوں تو بہت گہرائی نظر آتی ہے۔ مادی اور روحانی ہجرت میں فرق کے حوالہ سے حضورؒ فرماتے ہیں۔

”اے پاکستان سے ہجرت کرنے والو! تم جہاں کہیں بھی ہو خواہ جرمنی میں ہو یا فرانس میں یا ہالینڈ یا پولینڈ یا امریکہ یا افریقہ یا دوسرے ممالک میں ہو۔ یاد رکھو! ایک ہجرت تو ہو گئی اور اس ہجرت سے جو خدا نے وعدے فرمائے تھے پورے کر دیئے۔ تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا کہ اس ہجرت کے نتیجے میں تمہیں تنگیاں نہیں بلکہ وسعتیں عطا کی گئی ہیں اور خدا نے ایک بھی وعدہ نہیں جو ٹال دیا ہو ہر وعدہ ہجرت کی برکتوں کا تمہارے ساتھ پورا کر دیا۔ پس اب پوری مستعدی کے ساتھ، کامل مستعدی کے ساتھ وہ ہجرت کرو جو بدیوں کے ملک سے نیکیوں کے ملک کی طرف ہوا کرتی ہے۔ لیکن یہ وہ ہجرت ہے جس کے بعد لوٹ کر جانا نہیں ہے جس کے بعد مُڑ کر دیکھنا نہیں ہے کہ کن لوگوں، کن بد لوگوں سے ہم نے نجات

پائی ہے، کن دوستوں کو چھوڑا ہے، کن تعلقات سے روگردانی کی ہے، کن عزیز آرام گاہوں کو ترک کر کے آئے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی مثال مَیں نے اس لئے پیش کی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اس تحریر کے عین مطابق یہ مثال ہے کہ جب چھوڑتے ہو تو بالکل چھوڑ جاؤ، بھول جاؤ، کہ تم کہاں رہا کرتے تھے، کس دنیا میں بستے تھے۔ وہ سب آرام تج کر دو اور ایک نئی زندگی میں داخل ہو جاؤ اور یاد رکھو کہ جس خدا نے دنیوی ہجرت کے نتیجے میں اپنے کئے گئے وعدے تمہاری توقعات سے بھی بڑھ کر پورے فرمائے وہ تمہاری روحانی ہجرت کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ تم پر موت نہیں آئے گی جب تک تمہارا دل تسکین سے نہ بھر جائے جب تک وہ سب لذتیں سینکڑوں گُنا زیادہ عطا نہ کی جائیں جن لذتوں کو خدا کی خاطر تم نے چھوڑا ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ ہجرت آپ کریں تو سب دنیا آپ کے ساتھ ہجرت پر تیار ہو گی۔ یہی وہ ہجرت ہے جو انسانی زندگی کا آخری مقصد ہے۔“

(خطبہ جمعہ 23 اگست 1996ء)

خاک کو مٹھی میں بھر کے دیکھیں گے
زندگی کیا ہے مر کے دیکھیں گے

حضرات! مُوْتُوْا قَبْلَ أَنْ تَمُوْتُوا کہ مرنے سے پہلے فنا ہو جاؤ، میں بھی اِسی روحانی ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ جو ایک قسم کی روحانی پرواز بھی ہے۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ایک مومن بندے کی تشبیہ ایروپلین Aero Plane سے دی ہے۔ جو اپنی پرواز میں بلندیوں کی انتہا کو چُھوتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ اس لئے ایک مومن بندے میں وہ تمام خاصیتیں ہونی چاہئیں۔ جو ایک ایروپلین میں ہوتی ہیں، جیسے ایروپلین کبھی اکیلا نہیں اڑا کرتا اپنے پیٹ میں بے شمار لوگوں کو ساتھ لے جاتا ہے۔ بعینہٖ ایک مومن کو چاہئے کہ اصلاحِ نفس اور خیالات کی اِس ہجرت کے اس سفر میں اپنے عزیز و اقارب، خاندان اور افراد جماعت کو ساتھ لے کر چلے۔ خود بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کے قرینے سیکھے اور اپنی اولاد کو بھی سکھائے۔ خود بھی نمازی بنے اور اولاد کو بھی بنائے اور اخلاق فاضلہ سے بھی متّصِف کرے۔

ہوائی جہاز جب چلنے کے لئے تیار ہوتا ہے تو اس کا ویکیوم Tight کر دیتے ہیں یعنی جہاز Air Tight ہو جاتا ہے۔ کوئی ہوا یا کوئی چیز یا کوئی بد اثرات باہر سے اندر نہیں جاسکتے۔ اگر کوئی چیز اندر جائے گی تو نقصان دہ ثابت ہو گی۔ اسی طرح ایک مومن کو بیرونی بد اثرات سے محفوظ رہنا چاہئے۔ کوئی بُرائی یا گناہ یا بُری بات اس میں داخل نہ ہو۔ مومن کی روحانی پرواز کے دوران اگر یہ جسم کے اندر داخل ہو گئیں تو نقصان دہ ہوں گی۔

ویسے تو ہوائی جہاز کی اَور بھی بہت سی خاصیتیں ہیں جو تمام کی تمام ایک مومن کو اپنی روحانی پرواز میں مد نظر رکھنی چاہئے۔ لیکن تمام کا ذکر یہاں مشکل ہو گا۔ صرف ایک اور کا ذکر کر دیتا ہوں کہ ہوائی جہاز پرواز کے لئے تیاری کے بعد جب اپنی Base چھوڑتا ہے تو آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ایک خاص مقام پر جا کر چند لمحوں کے لئے رُکتا ہے خواہ وہ چند سیکنڈ ہی کیوں نہ ہو، پھر Take Off کر جاتا ہے۔ جو عام گاڑیوں کے طریق کار سے جدا طریق ہے۔ ایک گاڑی جب چلتی ہے تو انجن کے گرم ہونے کے ساتھ رفتار بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔ جبکہ جہاز ایک جگہ رک کر پھر پرواز بھرتا ہے۔ وہ دراصل اپنی سمت متعین کرتا ہے اور پختہ عزم اور مضبوط ارادوں کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ بعینہٖ ایک مومن کو اپنی مختلف روحانی پروازوں کے لئے چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ایک جگہ پر ذہنی طور پر کھڑا کر کے اپنا جائزہ لے۔ اپنا محاسبہ کرے کہ مَیں جن امور کو اپنائے ہوئے ہوں وہ دینی ہیں یا جن امور کو مَیں اپنانے جا رہا ہوں ان کے بارہ میں دینی تعلیم کیا ہے۔ گویا ہمیشہ اپنی سَمت درست رکھے اور اپنا پلُّو جھاڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف اپنا سفر جاری رکھے۔ چونکہ آج اس روحانی پرواز میں ایک انسان کو اور ایک مومن کو بار بار بطور مسافر کے پیش کیا جارہا ہے۔ اور وہ ہے بھی حقیقت میں مسافر۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مَیں خود ایک مسافر کی طرح ہوں۔ جہاں آرام ملتا ہے تھوڑا ستا لیتا ہوں پھر تازہ دم ہو کر اپنے سفر کو جاری رکھتا ہوں۔"

سامعین! اس میں ایک بہت بڑا سبق اَور بھی ہے۔ سفر کرتے وقت اور سفر پر جاتے وقت سفر کے تمام تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے سفر کی تیاری کی جاتی ہے۔ زادِ راہ لیا جاتا ہے۔ ہم نے مسافروں کو دیکھا ہے بالخصوص جہاز کا سفر کرنے والے کو کہ وہ اپنے ساتھ بہت ہی اہم اور ضروری مگر محدود سامان رکھ سکتے ہیں

اور زائد سامان جس کو Excess Luggage کہتے ہیں اپنے سامان سے الگ کر دیتے ہیں اور ہلکا پھلکا ہو کر سفر کے لئے روانہ ہوا جاتا ہے۔ بعینہٖ روحانی سفر کے لئے اخلاقِ سیئہ جیسے جھوٹ، بخل، بدگمانی، حسد، غیبت، خیانت، چوری اور عیب جوئی وغیرہ ایک مومن کے Excess Luggage's ہیں۔ جن کو اپنے اصل سامان یعنی اخلاقِ حسنہ سچائی، امانت، ایثار، حُسن ظنی، شکر، عفو، عدل واحسان، پاک دامنی وغیرہ سے الگ رکھنا ہے اور لغویات اور دنیا کی بے رویوں کے بوجھ، تنازعات کے بوجھوں سے ہلکا ہو کر اپنا روحانی سفر جاری وساری رکھنا ہے۔ اسی روحانی پرواز کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

جِسْمِیْ يَطِيْرُ اِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا

يَا لَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيَرَانِ

کہ میرا جسم تو شوق کے غلبہ کی وجہ سے تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی۔

انسان کی زندگی میں اپنی سَمت درست کرنے، اپنا محاسبہ کرنے اور نئے عہد باندھنے کے کئی مواقع آتے ہیں۔ جیسے رمضان ہے۔ شمسی اور ہجری ہر دو کیلنڈروں کے آغاز ہیں۔ جمعہ کا دن ہے۔ شوریٰ بھی ہو سکتی ہے۔ طالب علم کے لئے نئی کلاس کا پہلا دن ہے وغیرہ وغیرہ۔ دراصل ایک انسان جو مسافر بھی ہے کے لئے پختہ عزم، عہد باندھنے کے یہ دن ہیں۔ جس طرح ہر بڑے شہر سے باہر ایک زیرو پوائنٹ Zero Point ہوتا ہے جہاں پہنچنے سے پہلے یا پہنچ کر درست، چھوٹا راستہ اپنے منزل مقصود کے لئے اپنایا جاتا ہے۔ بعینہٖ انسان کی زندگی کی مختلف شاہراہوں کا ایک زیرو پوائنٹ ہے۔ ایک Road Map ہے جہاں انسان کو ذرا رُک کر تھوڑا سا آرام کر کے نئے ایندھن کے ساتھ، نئے جذبہ کے ساتھ بڑی تیزی سے آگے بڑھنے اور اپنی سَمت درست کرنے کا موقع ملتا ہے اور ایک مومن کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ کون سا چھوٹا، مختصر Short Cut ہے جس پر چل کر لقائے باری تعالیٰ حاصل ہو سکتا ہے اور اپنی روحانی منزل مقصود پر پہنچا جا سکتا ہے۔

سامعین! لوگ کہتے ہیں کہ زندگی ایک سہانا سفر ہے۔ دینی نکتہ نگاہ سے کفار اور غیر مومنوں کے لئے تو سہانا سفر ہو سکتا ہے مگر مومنوں کے لئے تو قید خانہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃٌ لِلْکَافِرِ مومن کو اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے اوپر موت وارد کرنی پڑتی ہے۔ عبادات کی حقیقی لذت سے آشنا ہونے کے لئے اپنے اوپر سختی وارد کرنی پڑتی ہے۔ راتوں کو نرم اور گرم بستر چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضری دینی پڑتی ہے اور ''وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ'' کے لئے سختی کے دَور میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ عبادُالرحمٰن بننے کے لئے اپنی نفسانی خواہشات کو خیر باد کہہ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی خواہشات اور جذبات کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا ہے اور گناہوں، بدیوں اور لغزشوں سے دوری حاصل کرنے کی سعی مسلسل بالآخر ایک مومن کو تمام آلائشوں سے پاک نومولود بچے کی طرح اپنے رب اعلیٰ کے حضور پیش کر رہی ہوتی ہے۔ اِس وقت اِس مومن کی کیفیت ایک ایسے لَٹھے کی چادر جیسی ہوتی ہے جو دھوبی سے دُھل کر آئی ہو جس پر بدی یا گناہ کا کوئی داغ اور دھبہ نہ ہو جو اپنی آنکھوں کو بھی بھلی لگے اور دوسروں کی آنکھوں کو بھی بھائے۔

ہمارے موجودہ پیارے امام حضرت امیر المؤمنین خلیفۃُ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ جب سے خلافت کے مبارک منصب پر فائز ہوئے ہیں تب سے دنیا بھر میں پھیلے احمدی احباب وخواتین کو بدیاں ترک کرنے اور نیکیاں اپنانے کی تلقین فرمارہے ہیں۔ تاہم پاک صاف ہو کر نہا دھو کر اُجلے دُھلے لباس یعنی لباس تقویٰ کے روحانی سفر میں ایک منزل کے بعد دوسری منزل میں داخل ہوں۔ یہی وہ مضمون ہے جس کا ذکر موصوف شاعرہ نے اپنے اِس شعر میں کیا ہے۔

تیرے ہونٹوں سے سُنتی ہوں جو مَیں نے سوچا
دل سے دل تک یہ خیالات کی ہجرت دیکھی

کہ حضرت صاحب کے مبارک ہونٹوں سے جو الفاظ سنتے ہیں وہ اتنے پُر اثر ہوتے ہیں کہ تمام دنیا میں نیک خیالات کی ہجرت نظر آتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے 214 ممالک میں بسنے والے کروڑوں احمدی اُن خیالات کے مہاجر ہیں جو حضرت خلیفۃُ المسیح کے خیالات و جذبات ہیں کیونکہ حضرت

خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے خطبہ جمعہ کے لئے اپنے ٹی وی کے سامنے آکر بیٹھنا بھی روحانی سفر ہے اور ہمارے پیارے امام ہمیں روحانی فلائیٹ پر لے کر جا رہے ہوتے ہیں۔ ہم مسجد مبارک اسلام آباد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح جب خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگتے ہیں تو مسجد میں موجود تمام نمازی اور مقتدی سیدھے ہو کر قبلہ رُخ ہو کر اِس طرح بیٹھ جاتے ہیں جیسے فلائیٹ پر جانے کے لئے ہم چوکس ہو کر سیٹ بَیلٹس باندھ لیتے ہیں اِسی طرح روحانی پائیلٹ کی آمد پر ہم سب چوکس ہو جاتے ہیں کہ ابھی خلیفۃ المسیح ہمیں روحانی فلائیٹ پر لے کر جانے والے ہیں۔

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿49﴾ ﴿مشاہدات-710﴾

رمضان اور روحانی ہجرت

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:101)

یعنی جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں (دشمن کو) نامراد کرنے کے بہت سے مواقع اور فراخی پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلتا ہے پھر اس حالت میں موت آ جاتی ہے۔ تو اس کا اجر اللہ پر فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ کون سی ہجرت افضل ہے تو آپؐ نے فرمایا

مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

(سنن ابوداؤد جلد اول کتاب الصلوٰۃ)

کہ جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کو چھوڑ دینا۔

ایک اَور موقع پر:

اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 160)

کہ ان چیزوں کو ترک کرنا جو تیرے رب کو ناپسند ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السُّوْءَ فَاجْتَنِبَهٗ

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 215)

کہ جس نے بُرائیوں سے ہجرت کی اور ان سے مجتنب رہا۔

پھر روایت ہے کہ ایک اعرابی نے ہجرت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ جب مَیں کسی جگہ یا قوم یا جہاں کہیں بھی ہوں یا موت کے بعد آپ کی طرف ہجرت کس طرح ہو تو فرمایا کہ

"ہجرت یہ ہے کہ تُو تمام ظاہری و باطنی فواحش یعنی بُرائیوں سے دُور رہے یا کنارہ کشی اختیار کرے (اَنْ تَهْجُرَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ وَ مَا بَطَنَ) اور نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے۔ پھر تم مہاجر ہو خواہ تم اس حالت میں مر بھی جاؤ۔"

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 226)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

میرے آج کے درس کا عنوان ہے **"رمضان اور روحانی ہجرت"**

ہجرت دو طرح کی ہے۔ ایک مادی ہجرت یعنی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف عارضی یا مستقل ہجرت کرنا۔ یہ ہجرت ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش ہی نہیں آتی یا اگر آتی ہے تو ایک دو بار لیکن اِس کے مقابل پر روحانی ہجرت انسان کی زندگی کا ایک جاری عمل ہے، ایک جاری سلسلہ ہے یعنی اخلاقی، روحانی اور دینی مقام سے اعلیٰ و ارفع مقام کو طلب کرنے کے لئے کوشاں رہنا اور اس کے لئے نیکیاں بجا لاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے اِس جاری عمل کو وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحٰی:5) میں بیان فرمایا ہے۔ گو اِس آیت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ تیری آخرت یعنی آنے والا لمحہ اُولیٰ یعنی گزرے ہوئے لمحہ سے بہتر ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الرابعؒ اِس آیت کے تحت فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپؐ ہر آن اللہ تعالیٰ کی طرف محوِ سفر تھے۔" گویا ایک مؤمن کی آنے والی گھڑی گزری ہوئی گھڑی سے بہت بہتر ہوتی ہے کیونکہ وہ مسلسل اپنے اللہ کی طرف، اُس کے رسولؐ کی

محبت کو حاصل کرنے کی طرف اور اُس کی آخری کتاب قرآن پر عمل کرنے کے لئے مسلسل ہجرت کر رہا ہوتا ہے۔

ویسے تو یہ روحانی ہجرت کا سفر ہر لحظہ اور ہر آن جاری رہتا ہے اور اِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّيْ کا نعرہ بلند رکھتے ہوئے ہر آن رہنا بھی چاہیے۔ لیکن زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب روحانی ہجرت پکار پکار کر ایک انسان، ایک مؤمن کو نیک عمل بجالانے اور اپنی آخرت سدھارنے کی طرف دعوت دے رہی ہوتی ہے اُن میں سے ایک موقع رمضان کا مبارک موقع ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ زمین پر اُتر کر آواز لگا رہا ہوتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا؟ جس کی خواہش بھر لائی جائے اور ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا؟ جسے بخشا جائے۔ یہی وہ روحانی سفر ہے جس کا ذکر سورۃ العنکبوت آیت 27 میں حضرت لوط علیہ السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے کے ذکر کے ساتھ یوں ملتا ہے کہ اِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّيْ کہ مَیں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ یہاں بھی انتقالِ مکانی مراد نہیں بلکہ انتقالِ روحانی مراد ہے۔ جس میں انسان اپنی عبادات کو بہتر کرتا ہے۔ اپنے روحانی مدارج میں بہتری لاتا ہے۔ اپنے اخلاق کو بڑھاتا ہے اور رمضان اپنی ذات میں بدیوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت کرنے کا مہینہ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو رمضان کی فضیلت کا علم ہوتا تو میری اُمّت اس بات کی خواہش کرتی کہ سارا سال ہی رمضان ہو۔ اس پر بنو خزاعہ کے ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے نبیؐ! ہمیں رمضان کے فضائل سے آگاہ کریں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا یقیناً جنت کو رمضان کے لئے سال کے آغاز سے آخر تک مزیّن کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش الٰہی کے نیچے ہوائیں چلتی ہیں۔

(الترغیب والترھیب کتاب الصوم الترغیب فی صیام رمضان احتساباً... حدیث نمبر 1498)

حضرت صاجزادہ مرزا بشیر احمدؓ ایم اے رمضان سے قبل یا ابتدائے رمضان میں ”رمضان المبارک کی برکات سے فائدہ اٹھاؤ“ کے عنوان سے ایک مختصر سا مضمون افادہ عام کے لئے قلمبند فرمایا کرتے تھے جو روزنامہ الفضل میں شائع ہوتا۔ ایک دفعہ آپ نے تحریر فرمایا:

”اس بات کا عہد کرلیں کہ رمضان کا مہینہ آپ کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرکے جائے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو چاہئے کہ ہر رمضان کے موقع پر اپنے دل کے ساتھ

کم از کم یہ عہد باندھ لے کہ وہ اِس رمضان میں اپنی فلاں کمزوری کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دے گا اور پھر اِس عہد کو پورا کر کے چھوڑے تا کہ اور نہیں تو رمضان کا مہینہ اُسے ایک کمزوری اور نقص سے تو پاک کرنے کا موجب ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہماری جماعت کے احباب حضرت مسیح موعودؑ کے اس ارشاد کی تعمیل کے لئے کمر ہمت باندھ لیں تو خدا کے فضل سے عید کا دن ہماری جماعت کے قدم کو بہت آگے پائے گا۔ ہم لوگوں میں ابھی بہت سی کمزوریاں اور نقص ہیں۔ کوئی نماز میں سست ہے۔ کوئی چندوں کی ادائیگی میں ڈھیلا ہے۔ کوئی لین دین میں صاف نہیں۔ کوئی لغو اور فضول عادات میں مبتلا ہے۔ غرض کسی میں کوئی نقص ہے اور کسی میں کوئی۔ پس آؤ! آج سے ہم میں سے ہر فرد یہ عہد کرے کہ رمضان کے گزرنے سے قبل وہ اپنی فلاں کمزوری کو ترک کر دے گا اور پھر کبھی اپنے آپ کو اس کمزوری کے سامنے مغلوب نہیں ہونے دے گا۔ یہ کوئی بڑا عہد نہیں ہے بلکہ ایک معمولی ہمت کا کام ہے اور اگر رمضان کا مہینہ اتنی بھی تبدیلی ہمارے اندر نہ پیدا کر سکے تو اس کا آنا یا نہ آنا ہمارے لئے برابر ہے"

آئیں! اس سلسلہ میں ہم میں سے ہر ایک اپنے اندر موجود ان بدیوں، بُرائیوں، کمزوریوں اور کوتاہیوں کی ایک فہرست بنائے اور پھر بھرپور عزم و ہمت اور پختہ ارادہ سے ایک بدی کو چھوڑنے اور ایک نیکی کو اپنانے کا اس رمضان میں عہد کرے۔

کیونکہ یہ شر سے خیر کی طرف۔ بدی سے نیکی کی طرف۔ بُرائی سے اچھائی کی طرف۔ نفرت سے محبت کی طرف اور نفاق سے اتفاق کی طرف مسلسل روحانی سفر کرنے، لگاتار بغیر کسی انقطاع کے روحانی پرواز کا نام ہے۔ بلکہ ایک مومن کی نیکی، تقویٰ، اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی طرف قدم، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، خلافت سے وابستگی میں ترقی بھی روحانی ہجرت ہے۔ ویسے تو عُرفِ عام میں ہجرت ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے کا نام ہے، ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہو جانے کا نام ہے، ایک ملک اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک اور وطن میں آباد ہو جانے کا نام ہے۔ لیکن آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور ہجرت کا ذکر بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو تمام ظاہری و باطنی بُرائیوں سے دور رہے۔ (الحدیث)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے احباب جماعت بالخصوص پاکستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

”اے پاکستان سے ہجرت کرنے والو! تم جہاں کہیں بھی ہو خواہ جرمنی میں ہو یا فرانس میں یا ہالینڈ یا پولینڈ یا امریکہ یا افریقہ یا دوسرے ممالک میں ہو۔ یاد رکھو! ایک ہجرت تو ہو گئی اور اس ہجرت سے جو خدا نے وعدے فرمائے تھے پورے کر دیئے۔ تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا کہ اس ہجرت کے نتیجے میں تمہیں تنگیاں نہیں بلکہ وسعتیں عطا کی گئی ہیں اور خدا نے ایک بھی وعدہ نہیں جو ٹال دیا ہو ہر وعدہ ہجرت کی برکتوں کا تمہارے ساتھ پورا کر دیا۔ پس اب پوری مستعدی کے ساتھ، کامل مستعدی کے ساتھ وہ ہجرت کرو جو بدیوں کے ملک سے نیکیوں کے ملک کی طرف ہوا کرتی ہے۔ لیکن یہ وہ ہجرت ہے جس کے بعد لوٹ کر جانا نہیں ہے جس کے بعد مُڑ کر دیکھنا نہیں ہے کہ کن لوگوں، کن بد لوگوں سے ہم نے نجات پائی ہے، کن دوستوں کو چھوڑا ہے، کن تعلقات سے روگردانی کی ہے، کن عزیز آرام گاہوں کو ترک کر کے آئے ہیں۔“

(خطبہ جمعہ 23 اگست 1996ء)

اس روحانی ہجرت و پرواز کا ذکر ہمیں قرآن و احادیث کے علاوہ بزرگوں کی کتب میں بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ (الذاریات: 51) پس تیزی سے اللہ کی طرف دوڑو۔

اس آیت کے مطابق ہر مومن ہر وقت مہاجر ہے جو اللہ کی طرف روحانی ہجرت کر رہا ہے اور لقائے باری تعالیٰ کے حصول اور اس کی خاطر سعی کرتے ہوئے نیکیاں بجالاتے ہوئے اس کو قضاو قدر آلیتی ہے اور وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اس ناطے اس کا اجر اللہ پر ہے اور رمضان اِس کا بہترین موقع ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی معنوں میں روحانی مُہاجر بننے کی توفیق دے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

۞۞۞۞

﴿50﴾ ﴿مشاہدات۔716﴾

رمضان اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کی دوڑ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعاً إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ:149)

کہ ہر ایک کے لئے ایک مطمح نظر ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے پس نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔ تُم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا اللہ نے تمہارے لئے وہ چیز نہیں بنائی جو تم صدقہ کرو۔ یقیناً ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے۔ ہر تحمید صدقہ ہے اور ہر تہلیل (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا) صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور بدی سے روکنا صدقہ ہے اور تمہارا اپنی بیوی سے تعلق قائم کرنا بھی صدقہ ہے۔

(مسلم کتاب الزکوۃ)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

آج کے درس کا عنوان ہے **"رمضان اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کی دوڑ"**

جو آیت خاکسار نے آغاز میں تلاوت کی ہے۔ اُس میں انسان کی نجی اور جماعتی و قومی زندگی میں ترقی کا رہنما اصول بیان ہوا ہے اور وہ ہر نیکی اور اچھائی کے میدان میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی نصیحت و تلقین اور عمل ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کو نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا درس دیا گیا ہے۔ ویسے تو ایک مسلمان کی سارا سال ہی اس رہنما اصول کو اپنانے کی طرف توجہ رہتی ہے لیکن رمضان کے

مبارک مہینہ میں جب نیکیوں کا بازار گرم ہوتا ہے ہر طرف نیکیوں کے میدان سجے ہوتے ہیں۔ اِس کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے اور ہر مومن دوسرے مومن سے آگے بڑھنے کی فکر میں بھی رہتا ہے اور کوشش بھی کرتا ہے۔

آج سے 14 سو سال قبل صحابہؓ کی نجی و مذہبی زندگی کو اگر ہم تاریخ کے آئینہ میں دیکھیں تو نیکیوں کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ لگی ہوئی نظر آتی ہے۔ کہیں پہلی صف میں بیٹھنے کے ثواب کے حصول کی خاطر اتنے صحابہؓ جمع ہو جاتے ہیں کہ قرعہ اندازی کروانے کا اظہار ہوتا ہے۔ کہیں اذان دینے کے شوق میں صحابہؓ میں قرعہ اندازی کروانی پڑتی ہے اور جب غریب اور مفلس صحابہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ صاحبِ ثروت صحابہؓ مالی قربانی کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نماز کے بعد 33،33 دفعہ سبحان اللہ، الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو تو تمہیں بھی امیر صحابہؓ کے برابر ثواب مل جایا کرے گا۔ جب یہ ارشاد امیر صحابہؓ کے کانوں میں پڑا تو انہوں نے بھی اِن تسبیحات کا ورد شروع کر دیا۔ اِس پر غریب صحابہؓ نے دوبارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے (مَیں اِس فضل کو کیسے روک سکتا ہوں)

گویا نیکیوں میں آگے بڑھنا بھی اللہ کا فضل ہے جس کے حصول کے لئے اِس میدان میں کوشاں رہنا چاہئے۔

صحابہؓ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سُننے کو ہر وقت مشّاق نظر آتے تھے۔ وہ تو دیوانوں کی طرح اپنے ساتھیوں سے پوچھا کرتے تھے کہ کوئی تازہ ارشاد ہو تو بتاؤ تا اِس پر عمل کیا جائے۔ مدینہ کے نواح میں بسنے والے صحابہؓ نے ڈیوٹیاں لگا رکھی تھیں کہ فلاں شخص فجر کی نماز اور فلاں شخص ظہر کی نماز اور فلاں فلاں باقی نمازوں پر مسجدِ نبوی میں حاضر ہو گا، اور جو ارشاد ہو اس کو مدینہ کے نواح میں بسنے والے صحابہ تک پہنچائے گا تا وہ مدینہ کے صحابہ سے پیچھے نہ رہ جائیں۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ میں مسابقت فی الخیرات کی دوڑ ہر میدان میں نظر آتی ہے۔ اشاعتِ اسلام کے لئے حضرت عمرؓ گھر کا نصف اثاثہ لے آتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ آج مَیں اپنے بھائی حضرت ابو بکرؓ کو مات دے دوں گا مگر تھوڑی دیر بعد حضرت ابو بکرؓ گھر کا سارا مال اُٹھا لاتے ہیں اور پوچھنے پر فرماتے ہیں ''مَیں اللہ اور اس کا رسولؐ گھر چھوڑ آیا ہوں''

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر عبادت کا ایک دروازہ ہوتا ہے، نمازی کے لئے الگ دروازہ ہے۔ روزے دار کے لئے الگ، جہاد کرنے والوں کے لئے الگ اور ہر مومن اپنی نمایاں عبادات کی وجہ سے متعلقہ دروازہ سے داخل ہو گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی۔ کوئی ایسا بھی ہے جو ان تمام دروازوں سے گزرے؟ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں اُمید کرتا ہوں آپ اُن میں ایک ہوں گے۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الصبح اپنے صحابہؓ کا مسابقت فی الخیرات کے لئے جائزہ لیا۔ تو حضرت ابو بکرؓ ہی اول ٹھہرے اور جنت کی بشارت حاصل کی۔ مجمع الزوائد میں یہ واقعہ یوں لکھا کہ ایک صبح فجر کی نماز کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا۔ آج روزہ کس نے رکھا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی۔ مَیں نے رات ہی نفلی روزہ کی نیت کر لی تھی۔ پھر پوچھا مریض کی عیادت کس نے کی ہے؟ حضرت عمرؓ کہنے لگے صبح کی نماز کے بعد ابھی تو ہم یہیں آپؐ کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ مَیں راستے میں آتا ہوا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے اُن کی بیماری کا حال احوال پوچھ آیا ہوں۔ پھر پوچھا کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی بات دہرائی جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ مَیں جب مسجد میں داخل ہوا تو ایک سوالی کو کھڑا دیکھا تو اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا لے کر اُس سائل کو دے آیا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر فرمایا۔ اے ابو بکر! تمہیں جنت کی بشارت ہو۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے لمبی سانس لی اور کہا وائے جنت! تو مجھ سے دُور ہے۔ اِس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا دی۔ اللہ عمر پر رحم کرے۔ اللہ عمر پر رحم کرے جب بھی وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے ابو بکر اِس سے سبقت لے جاتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لمبی سانس لی اور کہا یہ بڈھا (پیار سے) کسی میدان میں آگے نہیں بڑھنے دیتا۔

صحابہؓ میں بالخصوص حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ میں مسابقت فی الخیرات کے بے شمار ایمان افروز واقعات ملتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ اور بیان کر کے درس کو آگے بڑھاتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گئے گشت پر نکلے۔ راستے میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو نماز میں قرآن پڑھتے سنا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے جب وہ رکوع میں گئے تو آپؐ نے فرمایا مانگو۔ جو مانگو گے عطا کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ صبح سویرے یہ بشارت دینے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے گھر گئے۔ وہاں جا کر علم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ تو رات ہی کو یہ بشارت سنا گئے تھے اور پوچھا تھا کہ آپ اس وقت کون سی دُعا کر رہے تھے۔ کہا "رسول اللہؐ کی رفاقت اور معیت کی دُعا"۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

یہی وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ تھے جو کہا کرتے تھے کہ جنگ بدر میں مشورہ کے وقت حضرت مقداد بن الاسود کے الفاظ کاش میرے منہ سے نکلے ہوتے اور یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی کہ مَیں یہ کہتا کہ یا رسول اللہ! ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ جاؤ! آپؐ اور آپؐ کا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ آئے۔

آئیں! اب دیکھتے ہیں کہ اپنے پیارے امام کے ہر حکم کو دل میں اُتارنے اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے رمضان میں کون سے میدان سرگرم ہیں۔ گھر میں بسنے والے افراد خانہ اور محلہ اور ماحول میں رہنے والے احباب جو نیکیاں کما رہے ہیں۔ اُن سے مقابلہ کرتے ہوئے ہر نیکی کے میدان میں اوّل رہنا ہے اور یوں خدائی صفت "الاوّل" سے بھی مشابہت ہو گی۔ خدا کو "ملنے" کا میدان ہے۔ خدا کا ہو جانے کا میدان ہے۔ خدا کو اپنا بنانے کا میدان گرم ہے۔ نمازوں میں مقابلہ کا میدان ہے۔ نماز تہجد، نوافل میں آگے بڑھنے کا میدان ہے۔ ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآن پاک، درسُ القرآن میں شمولیت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا میدان ہے۔ حضورِ انور کی طرف سے بتائی ہوئی دعاؤں پر کما حقہٗ عمل کرنے میں مسابقت کا میدان ہے۔ غرباء، مفلس اور مستحقین افراد کی دیکھ بھال اور اُن کی اطاعت کا رمضان کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اس لئے صدقات میں آگے بڑھنے اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا میدان ہے۔

زکوٰۃ کا رمضان کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ جو صاحبِ نصاب ہیں اُن کو زکوٰۃ کی ادائیگی کر کے دوسروں سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے بالخصوص خواتین جن کے ہاں زیور ہیں اور وہ صاحبِ نصاب ہیں ان کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ جماعت احمدیہ میں نیکیوں میں آگے بڑھنے کا ایک میدان جو رمضان میں لگتا ہے وہ تحریک جدید اور وقف جدید کے چندہ جات کی ادائیگی کا میدان ہے۔

پس آج مغرب کے بعد رمضان ڈھل رہا ہے اور روزوں کی گنتی کا countdown شروع ہونے والا ہے اور ایک کسان کی طرح جو سورج ڈھلتے ہی ساتھ ساتھ فصل کاٹتا ہے اور کاٹی ہوئی فصل کو سنبھالنے کی فکر میں بھی رہتا ہے۔ اِسی طرح رمضان میں روحانی فصل کاٹنے کے لئے تیزی بھی لانی ہے اور نیکیوں کا بازار پہلے سے زیادہ گرم کرنا ہے اور گزشتہ کی ہوئی نیکیوں پر شکرانے کے نوافل پڑھ کر ذکرِ الٰہی کر کے عبادات کو بڑھا کر باڑ بھی لگانی ہے تا وہ محفوظ رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اتنی سعی کرنی ہے کہ رمضان کے آخیر میں ایک نومولود اور معصوم بچے کی طرح صاف ستھرے ہو کر رمضان کو الوداع کہنے والے ہوں۔

اب ان گنت نیکیوں کا بازار لگا ہے اور جس طرح بازار سے ہم اچھی اور عمدہ چیز خریدتے ہیں۔ اِسی طرح ہم کو نیکیوں کے بازار سے اچھی خریداری کرنی ہے جو آئندہ آنے والے دنوں میں زادِ راہ کے طور پر کام آئے۔

حدیث اِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَةُ کے تحت نیکیوں کے میدان میں ایک دوسرے کو رشک کے ساتھ بڑھ کر نہ کہ حسد سے آگے بڑھ کر رمضان کو اس قدر محفوظ بنانا ہے کہ ہمارا باقی ماندہ سال بھی سلامتی کا سال بن جائے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”رمضان کے مہینے میں ایک خاص ماحول بنا ہوتا ہے اور دوسروں کی دیکھا دیکھی بھی عبادتوں اور نیکیوں کی طرف توجہ پیدا ہو رہی ہوتی ہے۔ ایسے ماحول میں عبادتوں اور نیکیوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے، اپنے اعمال کی طرف توجہ کرتے ہوئے، ہمیں اپنے خدا کے آگے جھکتے ہوئے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے اور پھر اس رمضان کی عبادتوں کو اور اس میں تبدیلیوں کو آئندہ زندگی کا مستقل حصہ بنالینا چاہیئے۔ اور اس

میں جو گناہ معاف ہوئے یا جنت کے دروازے کھولے گئے تو پھر ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے کہ یہ کھلے رہیں۔ اور رمضان کے فیوض سے حصہ لینے کے لئے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ کرے کہ ہم اس کے فیض پاتے چلے جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے روزوں کا جو مقصد رکھا ہے کہ تقویٰ حاصل ہو اس کے بھی معیار حاصل کرنے کی ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔"

(خطبہ جمعہ 2 جون 2017ء)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ